

ابنِ صفحی

جاسوسی دنیا

- 45۔ خونی بگولے
- 46۔ لاشوں کا سوداگر
- 47۔ ہولناک دیرانے
- 48۔ لیونارڈ کی واپسی



کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا۔ پھر الگی صورت میں پروڈائر کو کیا پڑی تھی کہ وہ اس کے متعلق کچھ جاننے کی کوشش کرتا ورنہ اس کے لئے بھی مزدور کی شخصیت بڑی پیار تھی اس نے سینکڑوں باررات کا کھانا کھا جنے کے بعد بیڑی سلما کراں عجیب و غریب مزدور کے متعلق بہت کچھ سوچا تھا۔ وہ اکثر اپنے بیوی بچوں میں بھی اس کا تذکرہ کرتا اور اس کی مجھلی لڑکی جو ساتویں جماعت کی طالبہ تھی، پر جوش نہ کہتی۔

”دیکھ لیتا بیبا... میری بات یاد رکھنا... وہ یقیناً کسی ریاست کا کوئی پاگل شہزادہ ہے... جو اپنے گمراہوں سے روٹھ کر یہاں چلا آیا ہے... ایک دن اس کے فوکر چاکر اسے ڈھونڈتے ہوئے... اور آنکھیں گے اور اسے فوجوں کے سے انداز میں سلوٹ کریں گے... جب بیبا۔“

بڑھا پر پروڈائر مسکرا کر خاموش ہو جاتا اور اس کی دھنڈی آنکھیں باخی میں جھائکنے لگتیں۔ اسے اپنا بچپن یاد آ جاتا۔ جب وہ بھی اس قسم کی روانی شہزادوں کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اور پھر جب اس کی لڑکی صد کرتی کہ وہ بھی اس مزدور کو دیکھے گی تو وہ اسے قہر آکو نظر وہ سے گھور کر بیٹھی کے کش پر کش لینے لگتا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کی لڑکی نے اسے کوئی گندی سی گالا دے دی ہو۔

آج پروڈائر نے تمہیرے کریما تھا کہ وہ اس مزدور سے اس کے متعلق ضرور پوچھے گا۔ وہ ٹھہڑا ہوا اس کی طرف چاٹکا۔ مزدور بڑے انہاں سے درخت کے نئے پر کھڑا اچالا رہا تھا اس کے سنبھرے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

”میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“ پروڈائر چکچاہت کے ساتھ بولا اور مزدور کا کھڑا اٹھا کا اٹھا رہا گیا۔ پھر وہ اسے زمین پر نیک کر پروڈائر کی طرف مڑا۔

اچانک پروڈائر کو ایسا محسوس ہوا جیسے مزدور کی وحشت زدہ آنکھوں سے ایک بر قی روٹک کر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی ہو۔ وہ بوکھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

لیکن پھر بھی اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ حیرت انگیز طور پر ہلاکا ہو گیا ہو۔ اتنا ہلاکہ ہوا کہ ایک جھونکا بھی اس کے پیور زمین سے الہائی نے کافی ہو گا۔

”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“ مزدور نے نرم لمحے میں پوچھا۔
”تم... میں....!“ پروڈائر ہکلایا۔ ”بھی کہ تم... کون ہو؟“

حادثہ

لیکاں جگل میں درخت کا نئے والے مزدوروں نے اس انوکھے مزدور کو آج بھی حیرت سے دیکھا جو سر جھکائے بڑی مستعدی سے ایک درخت کے موٹے سے تھے پر کھڑا اچالا رہا تھا۔ وہ روز ہی اسے حیرت سے دیکھتے تھے۔ چھپے ایک ماہ سے وہاں کے ساتھ کام کر رہا تھا لیکن اس دوران میں وہ شاید ہی کسی سے مخاطب ہوا ہو۔ کام شروع کرتے ہی وہ اس طرح درختوں پر بیل پڑتا تھا جیسے صرف کھلڑا ہی چلانے کے لئے پیدا ہوا ہو۔

عام قاعدہ تھا کہ ایک درخت پر بیک وقت دو مزدور کام کرتے تھے لیکن اس نے آج تک کسی مزدور کو اپنا ساتھ نہیں بیٹایا تھا۔ ایک درخت پر تھا کام کرتا تھا لیکن پھر بھی اس کے درخت گرانے کا اوسط دوسروں سے ہمیشہ زیادہ ہوتا تھا۔ دوپہر کو جب دوسرے کھانا کھا کر آرام کرتے اس وقت بھی اس کا کام جاری رہتا۔ دوسرے مزدوروں نے آج تک اسے دوپہر کا کھانا کھاتے ہی نہیں دیکھا تھا۔

وہ ایک قوی ہیکل دراز قد جوان تھا۔ جلد کی رنگت سرخ و سفید، کشادہ پیشانی ڈاڑھی مونچیں صاف، ایسا صاف ہوتا تھا جیسے وہ روزانہ شیو کرنے کا عادی ہو۔ اس کے دو دھمکے شفاف پیر اس پر دلالت کرتے تھے کہ شاید ہی کبھی اپنی ساری عمر میں نیک چلا ہو۔ بہر حال اس کا تعلق مزدور طبقے سے نہیں معلوم ہوتا تھا۔

پروڈائر اس سے بہت خوش تھا لیکن اس لئے نہیں کہ وہ کام بہت تیز کرتا تھا بلکہ اس کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ وہ مزدور اپنی مزدوری کی آدمی اجرت بڑے سعادت مندانہ انداز میں اس

”میں ایک مزدور ہوں۔“

سپر واٹر چند لمحے بغلیں جھاکتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ”لیکن تم مزدور نہیں معلوم ہوتے۔“
”تو پھر میں کیا کروں۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔“ مزدور مسکرا کر بولा۔
سپر واٹر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کہے۔ اسے وقت اپنی لڑکی کی شہزادے
والی بات یاد آگئی تھی۔

”تم کسی اچھے خاندان کے معلوم ہوتے ہو۔“ سپر واٹر نے بہت سوچ کر کہا۔

”یہ بھی میرا اپنا قصور نہیں۔“

”تم عجیب آدمی ہو۔“ سپر واٹر نے کہا لیکن اس دوران میں ایک بار بھی اس نے اس کی
آنکھوں کی طرف دیکھنے کی بہت نہیں کی۔

وہ چند لمحے دہاں کھڑا رہا پھر ہٹ آیا۔ مزدور نے اپنا کام پھر شروع کر دیا۔

”کچھ بھی ہو۔“ سپر واٹر نے اپنے دل میں کہا۔ ”میں آج اس کا تاقاب ضرور کروں گا۔“

قریب ہی کے درخت کا ایک مزدور اپنا کام چھوڑ کر سپر واٹر کے پیچے لگ گیا۔

”کیوں....؟ کیا بات ہے....؟“ سپر واٹر کچھ دور جانے کے بعد پلٹ پڑا۔

”او.... کچھ نہیں صاحب.... میں نے سوچا.... نہ جانے آپ کیا باتیں کر رہے ہوں۔“

”کیوں.... تم سے مطلب....؟“

”بات یوں ہے سرکار.... اپن کو کچھ گھٹالا جان پڑے ہے۔“

”کیا گھٹالا....؟“

”پتہ نہیں.... پر ہے کچھ گڑبڑ۔“

”جاو.... اپنا کام کرو۔“ سپر واٹر جلا کر بولा۔

دوسری طرف سے وہ انوکھا مزدور ان سب سے بے نیاز اپنے کام میں بھڑا ہوا تھا۔ ایسا معلوم
ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ رکنا ہی نہ جانتے ہوں۔ ہر ضرب پر اس کے بازوؤں کی مچھلیاں
ابھر نہیں اور سینے گئے مسلز تختے اور پھر ڈھیلے ہو جاتے۔

اس کا سارا جسم پینتے سے بھیگا ہوا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا احساس ہی نہ ہو۔
دن بھر جنگل میں کھڑا ہوں گی آوازیں گوئیں رہیں۔ پھر شام کو اس جھونپڑی سے چھٹی کا

گھنٹہ بجایا گیا۔ جہاں پر واٹر دن بھر تاش کھیلا کر تھا۔

تو ہوڑی ہی دیر میں پرندوں کے شور کے علاوہ اور ساری آوازیں دب گئیں۔ مزدور جھونپڑی کے گرد اکٹھا ہو کر اپنی دن بھر کی کار گذاریوں کا اندر راج کرنے لگے۔ مگر وہ انوکھا مزدور ان سب سے الگ تھا۔ ایک درخت کے تنے سے میک لگائے بیٹھا فق میں گھور رہا تھا۔ جب سب جا پکے تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور جھونپڑی کے قریب آگر اپنے کام کی تفصیل لکھانے کے بعد اسی راستے پر چل پڑا۔ جس سے سارے مزدور گذرے تھے۔

جب وہ کافی دور تک گیا تو سپر واٹر نے بھی اپنے کاغذات سنبھالے اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ مزدور اپنی دھن میں مست چلا جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی مذکور چھپنے والے دیکھا پھر ان کے درمیان شاید پچاس گز کا فاصلہ رہ گیا۔

بوز ہے سپر واٹر نے رہ رسول کے جوتے پہن رکھے تھے اس لئے اس کے قدموں کی آواز زیادہ دور تک نہیں پہلی پڑی تھی۔

وہ اس سڑک پر آگئے جو لاکال جنگل کے وسط سے گذرتی تھی۔ سپر واٹر کچھ دور تک سڑک پر چلا رہا پھر سڑک کے نیچے اُز کر درختوں کی آٹے لے کر چلتے لگا۔
تعاقب جاری رہا۔

حتیٰ کہ مزدور سڑک کے دوسرے سرے پر رک گیا۔ آگے میدان تھا لیکن درمیان میں ایک چھوٹا سا خلک نالہ پڑتا تھا جس کے گرد وہیں قدِ آدم جھاڑیاں تھیں۔ مزدور ادھر ادھر دیکھ کر جھاڑیوں میں گھس گیا۔

سپر واٹر کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔
جھاڑیاں مل رہی تھیں اور یہ اس بات کا کمل ثبوت تھا کہ مزدور اپنی تک وہیں موجود ہے۔
تقریباً اس منٹ بعد سپر واٹر نے جھاڑیوں میں کسی موڑ سائکل کا پہیہ دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کی آنکھیں جرت سے پہلی کر رک گئیں۔
اب اسے مزدور کون کہہ سکتا تھا۔

اس کے جسم پر نہایت نیس قسم کا سوت تھا اور وہ موڑ سائکل کو دھکیلتا ہوا جھاڑیوں سے باہر نکل رہا تھا۔

پھر موڑ سائکل میدان میں فرائے بھرنے لگی۔
اور پسروں ازرا سے افق کے دھنڈ لکوں میں گم ہوتے دیکھا رہا۔



کرتل فریدی کے استنشت کیپٹن حمید پر آج کل شیلنٹ کا بھوٹ سوار تھا۔ جب شرات
حد سے گزر جائے تو اسے شیلنٹ ہی کہا جاسکتا ہے۔
اس نے آج سر شام ہی گرانڈیل احق قاسم کو پکڑ لیا تھا اور پہلے تو اسے متعدد ہوٹلوں کے
چکر کھلا تھا، پھر ایک بار میں لے جا کر خوب اچھی طرح پلاوی۔
قاسم شراب سے اسی طرح بد کتا تھا جیسے سانپ نوٹے سے یانولہ سانپ سے... چونکہ
ایک بار اسی سلسلے میں اس کے باپ کے ہاتھوں اس کی مرمت عمل میں آجھی تھی اس لئے وہ بہت
زیادہ محاط ہو گیا تھا۔
لیکن آج وہ پھنس ہی گیا۔

بار کا سائز بورڈ دیکھ کر وہ پہلے ہی ٹھنکا تھا۔ مگر حمید نے کہا۔ "یہیں گے تھواہی بن
یو نہیں... بات یہ ہے کہ لڑکاں سینہن گلکرتی ہیں۔"
اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ بار میں داخل ہوتے ہی حمید کی ایک پرانی شناسائی گلو انڈیں لڑکی مل
گئی۔ وہ تھا تھی۔ اس نے خود ہی ان دونوں کے پیچھے لگ گئی وہ پچھے اسی قسم کی لڑکی تھی۔ دن بھر
کسی آفس میں ناپہنچ کے فرائض انجام دیتی تھی اور شام کی تفریح کا بار کسی شناساکی جیب پر ڈال
دیتی تھی۔

وہ ایک خالی میز کے گرد جائیٹھے۔

"آج ملے ہوتے دونوں بعد۔" لڑکی حمید سے بولی۔

"اس خوشی میں کیا پیوں گی....؟"

"وہ تو بعد کی بات ہے...." لڑکی قاسم کو پیچے سے اوپر اور دائیں سے بائیں تک دیکھتی ہوئی بولی۔

"آپ کی تعریف....؟"

"آپ قاسم دیوزاد ہیں۔"

لڑکی شاید دیوزاد کو قاسم کی کنیت سمجھی۔ اس نے بڑی سمجھدگی سے اپنا تھا اس کی

طرف بڑھا دیا اور حمید نے کہا۔

"آپ مس پی کاک ہیں۔"

"بب..... بڑی خوبی..... او..... شی..... ہو..... او..... کی۔" قاسم مصافح کرتے وقت ہکلایا۔

"تم ہمیشہ دوسروں کا فماق اڑانے پر تلبے رہتے ہو۔" لڑکی تک کریوں۔ "نہیں جتاب میرا
نام ٹیکا مور ہے۔"

"میں نے مور کا ترجمہ کر دیا تھا۔" حمید نے کہا۔ "ہماری زبان میں مور ایک پرندے کو کہتے
ہیں اور وہی پرندہ اگر یہی میں پی کاک کہلاتا ہے۔"

"تو پھر میں اٹھ جاؤں۔" لڑکی جملہ کریوں۔

"اُن سے پوچھئے!" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اُس وقت میزبان یہ ہیں۔"
قاسم کی سانس پھولنے لگی اور زبان خٹک ہو کر تالو سے چپک گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا
کہ حمید کے اس جھلے پر اسے کیا کہنا چاہئے۔ وہ خواہ توہاہ کھانے لگا۔

لڑکی اٹھنے لگی۔ لیکن حمید نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ ناممکن ہے۔" اس نے کہا۔ "قاسم کو بہت رنج ہو گا۔"

"جی ہاں... جی ہاں...!" قاسم بوكلا کر بولا اور پھر کھانے لگا۔ حالانکہ شاید اسے ہفتون
سے کھانی نہیں آئی تھی۔
لڑکی میٹھے گئی۔

حمدید نے پھر کہا۔ "بکھر میں نہیں آتا کہ تم آج کل اتنی تک مراجع کیوں ہو گئی ہو؟"
"میں نے بہت ذیر سے پی نہیں۔" لڑکی بولی۔

"اوہ..... اچھا..... خیر..... میں تو پی نہیں سکوں گا۔" حمید نے جماں لیتے ہوئے
کہا۔ "کیونکہ آج کل میرا گلا خراب ہے ڈاکٹر کی رائے ہے کہ میں کچھ دنوں کے لئے شراب بالکل
چھوڑ دوں... ویسے قاسم تمہارا ساتھ دیں گے۔"

"م..... م.....!" قاسم طلق کے ملے ہکلا کر رہ گیا۔

"اچھا..... میں ابھی آئی...." لڑکی نے کہا اور اٹھ کر دوسروی میز پر چلی گئی جہاں سے اس کی
کسی شناسانے اسے اشارہ کیا تھا۔

”یہ کیا گھٹالا کر رہے ہو حمید بھائی۔“ قاسم تھوک نگل کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
”کیسا گھٹالا....؟“ حمید اسے گھورنے لگا۔

”میں تو ہرگز نہ پیوں گا۔“
”ابے چپ آؤ.... وہ تجھے زا... ڈیوٹ سمجھے گی۔“

”وہ تو ٹھیک ہے.... مگر...!“

”دیکھو بیٹا... اب مجھ سے کبھی نہ کہنا کہ کسی لڑکی سے تعارف کروادو۔“ حمید نے ناخوشگوار
لہجے میں کہا۔

”ارے سنو تو حمید بھائی۔“

”میں کچھ نہیں سنا۔“ حمید نے اپنے لہجے میں کرنٹک قائم رکھتے ہوئے کہا۔ ”تعارف انگلو
انڈین لڑکیوں سے چاہتے ہو اور حرکتیں دیہاتیوں جیسی کرتے ہو۔“

قاسم نے کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکا۔

حمدی کی بکواس جاری رہی۔ ”یہ لڑکیاں پیکلا قسم کے آدمیوں کو بہت پسند کرتی ہیں۔ اور ہاں
دیکھو! پیتے وقت بُرے بُرے سے منہ نہ بنانا ورنہ اندازی سمجھے گی اور اس سے دوچار گک آگے ہی
رہتا۔ خبردار یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ تم کیپنیں حمید کی سوسائٹی کے لاٹق نہیں ہو۔“

”مم.... مگر.... میں پھر کیسے گھر جاؤں گا۔“ قاسم نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے
ہوئے کہا۔

”ابے گھر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے.... میں تم دونوں کو گرینڈ ہوٹ میں ایک کمرہ
دولادوں گا۔“

”ارے بُاپ رے....!“ قاسم نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پھلو بدلا۔
”کیوں....؟“

”کس.... نہیں....!“ قاسم کی زبان پھر لڑکھرانے لگی۔
”بس بس خاموش.... وہ آرہی ہے۔“

قاسم جلدی سے سیدھا ہو کر پتھر کے بت کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خاء
میں گھور رہا تھا اور اس کی سانس اس طرح بچول رہی تھی جیسے وہ کسی پہاڑ پر چڑھتے چڑھتے رک رک

دم لینے لگا۔
”لڑکی آکر بیٹھ گئی۔“
حمدی نے یہرے کو اشارہ سے بلا کر کہا۔ ”وہ سکی.... دو جگہ.... اور صاحب کے گلاس میں
تمن بڑے پک ڈالنا....!“
”تمن بڑے پک....؟“ ”لڑکی نے حرمت سے دہرا لیا۔
”ہاں یہ بھیشہ تمن پک سے شروع کرتے ہیں۔“ حمید لاپرواٹی سے بولا اور قاسم مظفر بانہ
انداز میں پھلو بدلتے گا۔
لڑکی نے ایک بار پھر اس کے ذیل ذول کو تحسین آمیز نظر وہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ضرور
شروع کرتے ہوں گے۔“
”کل ہی میرے سامنے ایک نشست میں اسکا جگہ کی دو یو تیں صاف کر گئے تھے۔“
”تم نے ان کی مکمل تعریف نہیں کی۔“ ”لڑکی نے کہا۔
”خان بہادر عاصم کا نام نہا ہے؟“
”ہاں کیوں نہیں؟“
”یہ جو نیز مرث عاصم ہیں۔“
”آہا....!“ ”لڑکی کی سرت آمیزی تھی کہ مرے میں گونج اٹھی۔
انتہے میں ویٹر واپس آگیا۔
گلاس میز پر رکھ دیتے گئے۔
”آپ سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی۔“ ”لڑکی نے قاسم سے کہا۔ ”مگر آپ اتنے خاموش
نکوں ہیں؟“
”نشہ اکھڑا ہوا ہے۔“ حمید جلدی سے بولا۔
اور قاسم بدھوا کی میں پورا گلاس ایک ہی سانس میں صاف کر گیا۔ پھر گلاس کو میز پر پڑھ کر
جلدی سے ہونٹوں پر رومال رکھ لیتا کہ اس کا بگڑا ہوا منہ لڑکی کو نظر نہ آسکے۔
لڑکی اسے اور زیادہ حرمت سے دیکھنے لگی۔
”واقعی کمال ہے۔“ وہ آہستہ سے بزرگانی اور اپنا گلاس اٹھا کر چکیاں لینے لگی۔

حید نے اپنے لئے کافی کا آرڈر دیا۔

ادھر خاموشی سے شراب کے وور پلٹے رہے۔ نویں گپ پر قاسم کی کھوپڑی آؤٹ ہو گئی۔
ادھر لڑکی بھی اپنادھارا کڑپن دکھانے کے لئے گپ پر گپ طلب کر رہی تھی۔ قاسم کے نویں
پک پر اس کا پانچان تھا اور اب وہ بھی بڑی شدت سے بہکنے لگی تھی۔
”گرے... گرے... گرے... گرے... گرے...“ ہی ہی ہی۔“ قاسم نے حید کے چہرے کے
سامنے انگلی تھا۔

حید نے ہیرے کو بیا کر مل طلب کیا اور قاسم کی جیب سے پرس نکال کر قیمت ادا کی۔
تحوڑی دیر بعد وہ انہیں اپنی کار میں ڈالے ہوئے اندھا دھن ایک طرف اڑا جاتا تھا۔ وہ
دونوں چھپلی سیٹ پر تھے۔ قاسم بھرا لئی ہوئی آواز میں کسی سہمنے کی طرح ڈکر رہا تھا۔“ابھی کسی
ہوں... بلغم... جوان ہونے دے... ابے کسی ہوں بلغم...!“
مگر کار گرینڈ ہوٹل کی طرف جانے کی طرف قاسم کی کوٹھی کی طرف جارہی تھی۔ قاسم
بڑی موج میں تھا اور لڑکی سے اڑو میں گفتگو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکی اس کے دیوبھی
قد و قامت کا مضمکہ اڑا رہی تھی۔ وہ اچھل کوڈ بھی رہی تھی۔ لیکن قاسم بے حس و حرکت پڑا تھا۔
البتہ اس کی زبان قیچی کی طرح چل رہی تھی۔

”حید بھائی...!“ اس نے حید کو مخاطب کیا۔“میکا پروہا ہے... روپے پانی کی طرح بہاؤ
میرے نام چار لاخ خابنک بیٹھنے ہے... ہبھی... ہبھی ہبھی۔“
حید چپ رہا۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے ایک سازش کی کڑیاں مرتب کر رہا تھا۔ ادھر ان
دونوں کا نشہ مختدی ہوا لگنے سے زیادہ گھرا ہو گیا اور ان کی آولتیں آہستہ دعی کیں۔ تھی کہ
وہ گھری نیند سو گئے۔

پھر گاڑی قاسم کی کوٹھی کی کپڑائی میں داخل ہوئی۔ دونوں کار کے قریب آئے۔
”بیگم صاحب کو بیا۔“ حید نے ان سے کہا۔
”مگر بیگم صاحب...!“ ایک نوکر بولا۔
”جاو... کہہ دیا حید صاحب ہیں۔“

نوکر چلے گئے۔ حید وہیں کار کے قریب کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد قاسم کی بیوی آگئی۔

”یکوں حید بھائی... کیا بات ہے۔ آپ اندر کیوں نہیں آئے؟“ اس نے پوچھا۔
”بس یونہی... مجھے دوپار سل ڈیلیور کرنے ہیں۔“ حید نے کہا اور سوچ دبا کر کار کے اندر
روشنی کرتا ہوا بولا۔ ”ادھر دیکھئے۔“

قاسم کی بیوی بوکھلا گئی۔
”یہ گک... کیا...“

”آپ کے شوہر ارجمند کے کوت... اگر اتفاق سے میں نہ پہنچ جاتا تو اس وقت یہ دونوں
حوالات میں ہوتے۔“

اچاک قاسم نے آنکھیں بند کئے ہوئے ہاک لگائی۔ ”ابھی کسی ہوں بلغم... ہیں... ہیں... ہیں... ہیں...!“

چند لمحے خاموشی پھر قاسم کی بیوی کپکپائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”کوئی شرارت تو نہیں
حید بھائی۔“

”شرارت... وہ یہ اچھی رہی۔ نیکی بھی سمجھئے اور گالیاں بھی کھائیے۔ اگر شرارت ہوتی تو
میں بھائی حال میں ہوتا۔ میرا منہ سوچ گئے تھے۔ میں شرارت پر ستر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔“
”تو پھر یہ آپ کو کہاں ملے؟“

”سرک پر... ان کے گرد بھیڑ اکٹھا تھی اور یہ سور قاسم سترہ پن کر رہا تھا۔ میں نہ پہنچتا تو
بند کر دیجے جاتے میٹا۔“

”لیکن آپ اس حرام زادی کو کیوں لاے؟“

”جہاں حرام زادہ وہیں حرام زادی... آخراں بے چاری کو کہاں چھوڑتا سے بھی قاسم ہی
نے پلائی ہو گی۔“

”مجھے یقین نہیں آتا...!“

”یقین آئے نہ آئے...!“ حید بگڑ کر بولا۔ ”میری گاڑی خالی کرا بیے۔“
قاسم کی بیوی نے دور کھڑے ہوئے نوکروں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”چلو۔“

پاٹھو کروں نے قاسم کو کار سے نکلا اور اسے لادے ہوئے بدقت تمام عمارت کی طرف چلے
”اویس... اسے آپ جہاں دل چاہے لے جائیے۔“ قاسم کی بیوی نے لڑکی کی طرف

اشارہ کر کے کہا۔

”میں کہاں لے جاؤں.... نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ نے مجھے کوئی لفڑا سمجھا ہے... وہ بھی۔“

”تو میں کیا کروں گی؟“

”میں بتاؤں.... اسے قاسم کے اوپر لنا کر پڑوں پھر کئے اور آگ لگا دیجئے۔ مجھیں آپ۔“

”ہوتا تو بھی چاہئے۔“ قاسم کی بیوی نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

”بھجنے دیر ہو رہی ہے۔ راستے میں کم بخنوں نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دیں۔ مگر قاسم گاتا اچھا ہے۔ کبھی آپ نے بھی سنا....؟ گارا تھا....؟ ابھی کمن ہوں بالم جوان ہونے دے۔“

”بس ختم کیجئے۔“ قاسم کی بیوی بُرا اسمانہ بنا کر بولی۔ ”اچھا شہبز بھیر۔“

”اُرے وہ.... کیا میں الو ہوں۔“ حمید نے کہا اور مدھوش لڑکی کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے کار سے کھینچ لیا۔ اس کے منہ سے بلکل کسی منمنا ہٹت نکلی اور بس.... دوسرے لمحے میں حمید اسے زمین پر ڈال چکا تھا۔

”اب کہنے شب بھیر....!“ وہ کار میں بیٹھ کر اجنب اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

”منے تو سکی۔“

”قاسم کو سنائے کیلئے بھی کچھ رکھے۔ نا۔....!“ کار فرائے بھرتی ہوئی بھانک سے نکل گئی۔ حمید یہ حرکت کر تو گذرا تھا مگر سوچ رہا تھا کہ قاسم اگلی ملاقات میں اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ مگر پھر وہ کرتا بھی کیا۔ سبق تو دینا ہی تھا۔ قاسم اسے اکثر بور کرتا رہتا تھا کہ کسی لڑکی سے تعارف کرادو۔ چنانچہ آج اس نے اس پر حرم کھا کر اچھی طرح تعارف کر دیا تھا اور رہ گئی۔ لڑکی تو اس کا دھنہ بھی تھا۔

مگر پہنچ کر حمید کپڑے اتار ہی رہا تھا کہ اس نے فریدی کی خواب گاہ کا دروازہ ہٹلنے کی آواز سنی۔ وہ باہر نکل آیا کیونکہ اسے اپنی اس کار گذاری کی روپورث فریدی کو بھی دینی تھی۔ لیکن فریدی کو دیکھ کر وہ بے ساختہ چوک ہپڑا۔ وہ کمرے کے دروازے پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا لباس خون سے تر تھا۔ چہرے پر خراشیں تھیں اور کپڑوں پر پھیلا ہوا خون شاید سر سے بھا تھا۔

قاسم کی درگت

فریدی کے ہونتوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ حمید بوکھلا کر آگے بڑھا۔

”قمر مت کرو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”لیکن ہوا کیا....؟“

”واقعہ.... حادثہ.... جو چاہو سمجھ لو۔“

انتہے میں نوکر بھی وہیں آکر اکٹھا ہو گئے۔ فریدی ان کی طرف مڑ کر بولا۔

”نصیر.... اوپر سے فرست ایڈ بکس لاو۔“

نصیر دوڑتا ہوا چلا گیا۔ فریدی نے بقیہ نوکروں سے کہا۔ ”تم جاؤ اپنے کام دیکھو۔“

”آخیر یہ ہوا کیسے....؟“ حمید نے پوچھا۔

”جو کچھ بھی ہوا۔... اندھیرے میں ہوا۔ میں بے خبر تھا۔ لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔“

”پھر اور کس طرح کامیابی ہوتی؟“

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ ”وہ بیلیاں نہیں تھیں حمید صاحب۔ آدمی تھے اور جب

آدمی اندھیرے میں محملہ کرتے ہیں تو ان کا مقصد کان سہلانا نہیں بلکہ مارڈالنا ہوتا ہے۔“

”کون لوگ تھے؟“

”اُرے تمہاری کھوپڑی گردن ہی پر ہے یا کہیں اور۔“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔ ”اگر یہی معلوم

ہو جاتا تو کیا تم مجھے اس وقت یہاں دیکھتے؟“

حمد خاموش ہو گیا۔ فرست ایڈ کا سامان آگیا تھا۔

اس نے سر کا زخم صاف کر کے ڈرینگ کر دی۔ چہرے کی خراشیں فریدی کے کہنے پر یوں ہی

رہنے دیں۔

”درکافی کے لئے کہہ دو۔“ اس نے آرام کر سی کی پشت سے بیک لگائے ہوئے حمید سے کہا۔

حمدی نے نوکر کے لئے گھنٹی بجائی اور پھر فریدی کی طرف استفہامیہ نظر وہ بے دیکھنے لگا۔

فریدی نے ایک سگار سلاک کر آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں نوکر آگیا۔ حمید اس سے کافی کے

لئے کہہ کر خود بھی پاپس میں تمباکو بھرنے لگا۔

خزانے کا سراغ تھی۔ حقیقت خواہ پکھ بھی رہی ہو گران لوگوں کے جوش و خروش کی بناء پر شہر میں سننی ضرور پھیل گئی تھی۔

پھر فریدی نے مجرم کو پکڑ لیا..... لیکن وہ ایک سب اسپکٹر کو جان سے مار کر صاف نکل گیا۔ زیور فریدی کے ہاتھ آگیا تھا سے سرکاری خزانے میں رکھ دیا گیا کیونکہ وہ ایک غیر ملک کی امانت تھی۔ قاعدے کی رو سے اُسے جزوی امریکہ کے ملک چلی کی حکومت کے سپرد کر دینا چاہئے تھا۔ پھر چونکہ نزاعی تھی اس لئے حکومت نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے کوئی ذمہ دار آدمی چلی نکل پہنچا دے۔ لہذا یہ بار اس شخص کے کاندھوں پر ڈالا گیا جس نے اسے سنگ ہی جیسے خطرناک آدمی سے حاصل کیا تھا.... اور اب جب کہ فریدی کی روانگی ایک ہفتے کے بعد ہونے والی تھی... کسی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا.... لیکن آخراب...؟

حید کا ذہن ماضی کی ڈھلوان میں پھیلتے پھیلتے یک یہک موجودہ گھنیوں سے آنکھ ریا۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ حملہ چھ ماہ بعد کیوں ہوا۔ کیا سنگ ہی ابھی تک میں مقیم تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ زیور کی دنوں تک ان کے پاس رہا تھا، سنگ ہی نے اس پر پائی جانے والی تحریر ضرور نقل کرنے ہو گی۔ لہذا اس کے بعد چاندی کے اس حقیر زیور کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی۔ پھر ایسی صورت میں تو اسے خزانے کی تلاش میں روانہ ہو جانا چاہئے تھا۔ آخر وہ اسکے بعد بھی یہاں کیوں رکارہا۔

”لیا سوچ رہے ہو....؟“ وہ فریدی کی آواز پر چونک پڑا۔

”سنگ ہی کے متعلق...!“ حید نے کہا۔

”چھوڑو بھی۔“ فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”میرے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ حرکت کسی دوسرے کی ہو۔“

”لیکن یہ دلیل مجھے مطمئن نہیں کر سکتی۔“ حید آہستہ سے بولا۔

”کیوں....؟“

”ہمارا پروگرام بننے ہی حملہ ہوا۔ آخر اس سے پہلے کیوں نہیں....؟“

”ختم کرو....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کافی پینے سے قبل میں اس مسئلے پر گفتگو نہیں کرو گا۔“

حید جھنجلا کر خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ شخص ایسے حالات میں بھی اپنی اچھی یا نئی عادتوں سے باز نہیں آتا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے آنکھیں کوکیں۔ چند لمحے میز پر رکے ہوئے ایش ٹرے پر نظر جائے رہا پھر بولا۔ ”مجھے خود بھی حیرت ہے کہ میں انجانے حملوں سے کس طرح فتح جاتا ہوں۔“

”آپ تھے کہاں...؟“ حید نے پوچھا۔

”لڑکاں جنگل اور شہر کے درمیان۔“

”لڑکاں جنگل کیوں...؟“ حید پوچک پڑا۔

”بس یونہی... میں آج کل درخت کاٹنے کی مشق کر رہا ہوں۔“

”کیوں...؟“

”اس حلے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ فضول سوالات کر کے بھیجا مت چاؤ۔“ حید پھر خاموش ہو گیا اور فریدی اٹھ کر نہیں گئے۔

کچھ دیر کے بعد وہ حید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”هم اٹھائیں تاریخ کو جزوی امریکہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں تا۔“

”اب میں سمجھ گیا۔“ حید سر ہلا کر بولا۔ ”مگر وہ کون ہو سکتا ہے۔ سنگ ہی سایا وہ امریکن مابر آثارِ قدیمہ...!“

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ ”یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ امریکن تو سنگ ہی کا گرفتاری کے بعد ہی یہاں سے پلے گئے تھے۔“

حید کچھ نہ بولا۔ اس کا ذہن ماضی کے دھنڈ لکوں میں بستکنے لگا تھا۔ ایکوم پہاڑ کی چوٹی پر پانچ سو سال سے برف میں بیٹھی ہوئی شہزادی۔ کیپشن لوٹر اور سنگ ہی نے جس کی لاش دریافت کی تھی اور وہ دونوں اس مردہ شہزادی کا ایک زیور اتار لائے تھے۔ اس زیور کے لئے ایک اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ کی جانیں تلف ہو گئی تھیں۔ مرنے والوں کے چہروں پر ابھری ہوئی لکیریں پائی جاتی تھیں.... نیلے رنگ کی لکیریں.... ڈاکڑوں کی رائے کے مطابق موت انہیں لکیروں کی وجہ سے واقع ہوئی تھی اور پھر فریدی نے جب اصل مجرم کو پکڑا تو ایک بہت بڑے راز کا اکٹھاف ہوا۔ ورنہ بادی النظر میں اس زیور کی کوئی وقت نہ تھی۔ وہ چاندی کا ایک معمولی ساز زیور تھا۔ وقت دراصل اس تصویری تحریر کی تھی، جو اس زیور کے اوپری خوبل پر کندہ تھی۔ زیور کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے نزدیک وہ تحریر دراصل انکا نسل کے بادشاہوں کے

توہڑی دیر بعد کافی بھی آگئی اور ایک کپ پی کچنے کے بعد فریدی نے جو تذکرہ چھیڑا وہ موجودہ حالات سے متعلق نہیں تھا اس پر حمید کو اور زیادہ تاذ آیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

فریدی نے دوسرا کپ بھی خالی کر دیا پھر امتحا ہوا بولا۔ ”اب مجھے کو تو والی پہنچنا چاہئے۔“

”کیوں؟ کیا اس کی رپورٹ بھی درج کرائے گا؟“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں ہے خالی میں نے حملہ آوروں میں سے ایک کو ختم کر دیا ہے۔“

”کیا...؟“ حمیدا چھل پڑا۔

”ہاں... وہ کوئی چیزی ہے۔“

”اور اس کے باوجود بھی آپ اسے سُنگ ہی کی حرکت نہیں سمجھتے۔“

فریدی پھر بیٹھ گیا۔ چند لمحے میز کی سطح کو انگلیوں سے لکھتا تھا ہوا پھر بولا۔ ”اس میں ایک بھجن ہے اگر میں اسے سُنگ ہی کی حرکت سمجھ بھی لوں تو یہاں اس کی موجودگی کی وجہ دریافت کرنی پڑے گی۔“

”ظاہر ہے کہ جس زیور کے لئے اس نے جان کی بازاں لگائی تھی وہ ابھی تھیں موجود ہے۔“

حمدید بولا۔

”وہ زیور سُنگ ہی کے پاس بھی رہ چکا ہے اور وہ اس کی تصویری تحریر سے بخوبی واقف ہو گیا ہو گا پھر وہ اس زیور کے لئے وقت کیوں برباد کرنے لگا۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس تحریر کے علاوہ بھی اس زیور کی کوئی اہمیت ہو۔“

”اچھا... پھر بات کریں گے۔“ فریدی دوبارہ امتحا ہوا بولا۔

حمدید سے جاتے دیکھتا رہا۔ اس کے انداز میں ذرہ برابر بھی بے اطمینانی نہیں نظر آئی۔ پکھہ ہی دیر پہلے اس نے ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور خود بھی زخمی ہو گیا تھا۔ گمراں کی ظاہری حالت سے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔ کیا وہ غیر معمولی طور پر عجیب آدمی نہیں تھا۔

حمدید نے بارہاں سے دوسروں کی لاشوں پر غلکنیں بھی دیکھا تھا۔ ٹرینک کی زد میں آئے ہوئے کسی زخمی را گیر کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ذہنی اذیت کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ لیکن وہی فریدی جب مجرموں کی گرد نیس توڑتا تھا تو اس کی پیشانی پر کینیڈی گی کی ہلکی سی شکن بھی نہیں ہوتی۔

تھی۔ اس وقت وہ خود بھی ایک خونخوار درندہ معلوم ہوتا تھا اور حادثے کے فوراً بعد وہ استان پر سکون نظر آنے لگتا تھا جیسے کچھ دیر کسی کتاب کا مطالعہ کرتے رہنے کے بعد اٹھا ہو۔

حمدیدی کے متعلق بہت کچھ سوچتا رہا۔ پھر خیالات کی رو قاسم کی طرف بہک گئی اور وہ بے ساختہ بُس پڑا۔ لیکن ساتھ ہی اس کا انعام بھی پیش نظر تھا۔ گمراہ جامن بخنے کے بعد وہ سیدھا ادھر ہی کارخ کرے گا اور پھر اس کا سنبھالنا کارے دارو، ایک بار پہلے بھی شراب ہی پینے کے سلسلے میں اس کی کافی مرمت ہو چکی تھی۔



دوسری صبح حسب معمول قاسم نے بیدار ہو کر لیئے ہی لیئے کتوں کی طرح ہاتھ پیر تان کر اگڑائی لی اور پھر آنکھیں بند کر کے وہاڑنے لگا۔ ”چالو... سالو... کہاں مار گائے... چا... لاو۔“ اس کی بیوی شعلہ جو الائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ قاسم نے آنکھیں کھوں دیں اور اس کے ساتھ ہی حلچ پھاڑ کر دہاڑ۔ ”میا ہے؟“

”ہوتا... کیا... وہ حرامزادی اصطبل میں بند ہے۔“ بیوی بڑے پر سکون لجھ میں بولی۔ ”کون حرامزادی...؟“ قاسم پہلیں جھپکاتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”آغاہ... شاید نہ کھڑ جانے کی وجہ سے دماغ ٹھیک نہیں۔“ وہ طغیری لجھ میں بولی۔ ”کتنی بو تلیں مٹکوادوں۔“

اچاک قاسم کو پچھلی رات کے واقعات یاد آگئے اور اس نے ایک جھر جھری سی لی اور منہ چلاتا ہوا سہی ہوئی نظر وہی سے بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

”تم کیا جانو...!“ اس نے بھرا کی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تو کیا آپ اپنے پیروں سے چل کر یہاں آئے تھے؟“

قاسم بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر ”ارے باپ رے۔“ کہہ کر اس طرح اچلا جیسے کسی نے چھری مار دی ہو۔

”اوڑو... سور کی بچی۔“ اس کی بیوی نے کچھ کہتا چاہا۔ ”کون سور کی بچی... ارے... الہ قاسم... ارے...“ تم بھی کیسی باتیں کرتی ہو۔

اس دلچسپ داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول ”جنگل کی آگ“ جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

اس کی بیوی دروازے کے سامنے جم گئی۔ قاسم نے اسے کمرے پکڑ کر سرنسے اوپنا اٹھا لیا۔
”ارے ارے.... میری بے عزتی نوکروں کے سامنے۔“ وہ لڑکی۔ مگر قاسم اسے اس طرح
انھے ہونے کو تھی کی طرف چل پڑا۔
اور پھر اس نے اسے ایک کمرے میں بند کر دیا۔ وہ چیخ چیخ کر رورتی تھی۔
اصطبعل کا تالا توڑنے میں زیادہ دیر نہیں گئی لیکن ایک دوسرا طوفان قاسم کا منتظر تھا۔ لڑکی
باہر نکلتے ہی قاسم پر چھپت پڑی۔ اس کے منہ سے گالیاں اہل رہی تھیں اور ہاتھ قاسم کی مرمت
میں نصروف تھے۔ بدقت تمام اس نے اسے قابو میں کیا اور پھر اس کی نظریں نوکروں پر پڑیں جو
دور کھڑے نہیں رہے تھے۔

”بھاگو سالو.... ورنہ جان سے مار دوں گا۔“ وہ لڑکی کو چھوڑ کر نوکروں کی طرف دوڑا۔
نوکر سر پر پیڑ رکھ کر بھاگے۔ ساتھ ہی لڑکی بھی قاسم کے پیچے دوڑتی تھی وہ اس کے
قریب پہنچ کر اچھی اور اس کے سر کے بال پکڑ کر محول گئی۔ قاسم لڑکڑا کر گرپا اور وہ اس پر
گری لیکن اس کے دونوں ہاتھ بدستور چلتے رہے۔
”ارے ستو تو سکھی.... بھاگو بیہاں سے ورنہ ہم دونوں کو گولی مار دی جائے گی۔“ قاسم ہاتھا
ہوا بولتا۔

”تم سور کے بچے.... میں تم پر متعدد چلاوں گی۔“
”دوبار چلا دیا.... مگر اب بھاگو۔“

قاسم اسے کھینچتا ہوا گیر اج تک لا لیا۔ کار نکالی۔

”آؤ بیٹھو....“ اس نے لڑکی سے کہا۔ ”جہاں کو پہنچا دوں۔“
”پولیس اششن...!“ لڑکی گرج کر بولی۔

”دراسنوتو.... یہ سب اسی سور کے بچے حميد کی حرکت ہے۔ ہمیں پلاکر بیہاں ڈال گیا۔“
”تم نے مجھے بند کیوں کیا تھا....؟“ لڑکی پھر چیختی۔

”آؤ...!“ قاسم چکار کر بولا۔ ”بیٹھ جاؤ... میں نے نہیں میری بیوی نے بند کیا تھا۔“

”میں نہیں بیٹھوں گی.... دیکھوں گی.... تمہاری بیوی کو دیکھوں گی۔“

”آؤ بیٹھ جاؤ خدا کے لئے۔ ورنہ مصیبت آجائے گی۔“

میں آج تمہیں سینما صرور لے چلوں گا۔“
”چچا جان بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔“ اس کی بیوی نے کہا۔

”ارے.... دیکھو تو۔... تمہیں کسی نہیں تھا اب باپ کی بھی گلڑی اچھالی جانے لگی ہے۔...
سرکوں پر...!“

”کون کہتا ہے.... جھوٹ بالکل جھوٹ.... تم مذاق کر رہی ہو۔“
”میں نے چچا جان کو فون کیا تھا۔ مگر وہ اس وقت موجود نہیں اور وہ حرام زادی اس وقت تک

اصطبعل میں بند رہے گی جب تک چچا جان نہ آجائیں۔“

”میا کہہ رہی ہو.... کے بند کر رکھا ہے؟“ قاسم امتحنا ہوا بولا۔
”ٹھہریے...! اگر آپ اس کمرے سے نکلے تو اچھا ہو گا۔“

”ارے واہ....!“ قاسم جھلابت میں ہاتھ پنجا کر بولا۔ ”ہٹوادھر...!“
وہ اپنی بیوی کو ایک طرف دھکیل کر باہر نکل گیا۔ اب اچھی طرح ہوش آگیا تھا اور پچھلی

رات کے سارے واقعات اس کے ذہن میں دھندلی تصویریں کی طرح گردش کر رہے تھے۔
وہ لپتا ہوا اصطبعل کی طرف آیا۔ اصطبعل خالی تھا۔ اس میں کبھی گھوڑے رنکے جاتے رہے

ہوں گے مگر اب خالی تھا۔ اس نے اصطبعل کے دروازے پر بڑا ساتھ لائٹنے دیکھا۔ اندر سے کوئی
بُری طرح دروازہ پیٹھ رہا تھا اور پھر سریلی آواز میں مغلاظات کا طوفان بھی منڈنے لگا۔

”ارے باپ رے۔“ قاسم بوکھلاہٹ میں ناچ کر رہ گیا۔
بیوی اس کے پیچے دوڑتی چل آئی تھی۔ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

”نہیں کھل سکتا.... ہرگز نہیں کھلے گا۔“

”کنجی لاو...!“ قاسم دہاز۔
”ہرگز نہیں.... یچا جان....!“

”چچا جان کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں مارڈا لوں گا۔“

”اس حرامزادی کے لئے۔“ قاسم کی بیوی حلچ پھال کر چیختی۔

”بھاگ جاؤ.... میں تالا توڑ دوں گا۔“

”اگر تم نے دھوکا دیا۔۔۔ جب...؟“
 ”مجھے خوبی...!“ قاسم تھوک نگل کر بولا۔ ”خوبی مار دیتا۔“
 ”نہیں... جب میں تمہارے باپ سے فریاد کروں گی۔“
 ”ارے باپ رے...!“ قاسم اگر بیزی میں بولتے بولتے اردو پر آئیا۔
 ”اچھا... اب مجھے سینیں اتنا دو...!“ لڑکی پر س میں سے اپنا وزینگ کارڈ نکالی ہوئی
 بولی۔ ”یہ زہماں اپتہ... اگر شام تک روپیہ نہ پہنچا تو اچھا ہو گا۔“
 ”پہنچ جائے گا۔“ قاسم ملتیجاہی انداز میں بولا۔

اس نے سڑک کے کنارے کار روک دی اور لڑکی اتر گئی۔ قاسم کار کھڑی کے لڑکی کو جاتے دیکھا رہا۔ جب وہ ایک گلی میں مڑ گئی تو اس نے دانت پیس کر ہوا میں سکال براتے ہوئے کہا۔ ”حید سالے... سور کینے... پچھے کے چہار... تیری موت آگئی ہے۔“
 کار فرائے بھرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ اس وقت قاسم انداز اندھہ کار چلا رہا تھا اور کار فریدی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

کوٹھی کے قریب پہنچ کر اس نے رفتار کم کر دی۔ پھانک بند تھا اور سلاخوں کے پیچھے تین خطرناک قسم کے کتے کھڑے تھے جیسے ہی قاسم کار سے اتر کر پھانک کی طرف بڑھا کتوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ سلاخیں توڑ کر باہر نکل آئیں گے قاسم کو سامنے کوئی نوکر بھی نہیں دکھائی دیا۔
 ”میں سب سمجھتا ہوں سالے۔“ وہ عمارت کو مکا کھا کر بولا۔



فریدی رات بھر کا تھکا ہوا تھا۔ تقریباً ایک بجے تک تو وہ کو توں ہی میں رہا تھا اور پھر کو توں ہی میں اس نے ایک ایک خبر سنی کہ اس کی ساری رات دوڑھوپ میں گذر گئی۔
 اور جب وہ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے صبح گھر پہنچا تو اسے خلاف معمول کپاٹ مکا پھانک بند نظر آیا۔ سامنے ہی ایک کار کھڑی تھی اور کتے بے تھاشہ بھوک رہے تھے اور کتے بھی وہ جورات کے علاوہ اور کسی وقت کھلے نہیں چھوڑے جاتے تھے۔
 بجھب جب وہ اور قریب پہنچا تو اسے قاسم کار میں بیٹھا کھائی دیا۔ قاسم نے فریدی کی کیڈی لاک

لڑکی کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے لہا۔ ”حید کہاں ملے گا۔“
 ”آؤ... وہیں چلتے ہیں۔ تم دیکھنا کہ اس کی کیسی گست بناتا ہوں۔“
 ”چلو... لیکن میں تم پر ضرور مقدمہ چلاوں گی۔“
 وہ کار میں بیٹھ گئی۔

اور قاسم شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے گھر سے چل پڑا۔

اژدھے اور ڈاکو

اس دوران میں قاسم کو اس شدت سے عقل آگئی تھی کہ وہ ہکلائے بغیر گھنٹوں بول سکا تھا۔ ذہنی انتشار کے ان لمحات نے لاشور کی کالی کوٹھریاں تک کھوں کر رکھ دی تھیں۔ لڑکی اب بھی اسے نہ رہا بھلا کہہ رہی اور ہر چار ٹھالیوں کے بعد مقدمہ کی دھمکی اتنی ہی ضروری تھی جیسے کسی مخفی کے لئے شیپ کا بند۔

پکا یک تھوڑی دیر کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔ پھر اپنا پرس کھوں کر دیکھا۔۔۔ اور دو توں ہاتھوں بے سر پیشے گئی۔

”ارے... ارے...!“ قاسم پھر بوكھلا گیا۔
 ”سور کے پنج... میں لٹ گئی۔ میرے دو ہزار روپے؟ پولیس اسٹیشن مجھے کسی پولیس اسٹیشن پر اتار دو۔“

”دو ہزار روپے۔“ قاسم نے حیرت سے دہرا لیا۔
 ”تم چور ہو... مجھے اتار دو گاڑی سے ورنہ میں تینیں چینشا شروع کر دوں گی۔“
 ”خدا کے لئے۔“ قاسم گھکھایا کر بولا۔ ”اچھا میں دے دوں گا... دو ہزار... ضرور میرے کسی نو کرنے پر حرکت کی ہے۔ تم مجھے اپنا پتہ بتاؤ... میں چیک بھجوادوں گا۔“

”ابھی... چیک نہیں... نقدر روپے... ابھی اور اسی وقت... میں کہیں نہ جاؤں گی... گھروابیں چلو...!“

”مگر...!“ قاسم کی بوكھلا ہٹ بڑھ گئی۔ ”ہنڑ... ہنڑ... نن... نہیں... میں وعدہ کرتا ہوں اگر کل تک تمہیں روپیہ نہ ملے تو تم میرے خلاف پولیس میں روپرست درج کر دیا...“

کمانی آگئی اور اس نے کچھ اس جملائے ہوئے انداز میں کوئی کی طرف منہ کر کے بلغم تھوکا جیسے اسے توقع ہو کہ وہ حمید کے چہرے پر ہی پڑے گا۔ ”بھی تو باہر نکلو گے میٹا۔“ وہ تاک سکوڑ کر بڑھ لیا۔ ”میں بھی اب تمہارا قیمہ بنائے بغیر یہاں سے نہیں ہوں گا۔“ اور حمید اندر اپنے کمرے میں آرام کری پڑا ہوا نہایت اطمینان سے پانپ پی رہا تھا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر فریدی کا پارہ چڑھ گیا۔

”میں تمہیں بہت جلد کوئی بہت ہی سخت قسم کی سزادوں گا۔“ فریدی نے جملائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیوں....؟“ حمید نے اپنے چہرے پر حرمت کے آثار پیدا کئے۔

”قسم کیوں شور کر رہا ہے؟“

”شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید کتنے بھوک رہے تھے اور ابھی میں نے کتوں کی زبان سمجھی نہیں ورنہ پورا پورا مطلب سمجھا دیتا۔“

فریدی چند لمحے اسے خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر ایک نور کو آواز دے کر قسم کو بلانے کے لئے کہا۔

”آبے.... او.... کہاں چلا۔“ حمید اٹھ کر نوکر کی طرف دوڑا۔ ”اگر تو نے اس کمرے سے باہر قدم نکلا تو ناٹکیں توڑ دوں گا۔“

پھر وہ فریدی کی طرف پلٹ کر بولا۔ ” بتاتا ہوں ... مگر وعدہ کیجئے کہ آپ اس آدم خور کو اندر نہیں آنے دیں گے۔“

”بکوجلدی.... میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں۔“

”آپ جانتے ہیں کہ وہ سور مجھے آئے دن بور کرتا رہتا ہے کہ کسی نکڑی سی عورت سے تعارف کرادا لہذا میں نے کل اس کا تعارف ایک پیشہ در قسم کی اینکو اٹھنی سے کرا کے دونوں کو خوب شراب پلوایا اور پھر اس کے بعد انہیں گھر پہنچا دیا۔“

”کس کے گھر....؟“

”قسم کے...؟“

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا اور حمید بولا۔ ” ظاہر ہے کہ خاصی مرمت ہوئی ہو گی۔“

پر نظر پڑتے ہی اپنی گاڑی سے چھلانگ لگادی اور پھانک کی طرف مکاڈ کھاتا ہوا چیخا۔ ” دیکھا ہوں اب کیے نہیں کھلتا پھانک۔“

فریدی نے اسے بڑی حرمت سے دیکھا۔ قسم لاکھ بے ذہنگا سہی مگر بس کے معاملے میں بڑا محتاط تھا اور اس سے اس حرکت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ وہ سلپینگ سوٹ پہن کر سڑکوں پر مارا باہر رہے گا۔

”کیا بات ہے۔“ فریدی نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

قسام فریدی سے بہت دوست تھا اور پھر اس نے اس کے سر پر پنی بھی بند می ہوئی دیکھی۔

”میری زندگی بر باد ہو گئی جتاب۔“ قسم نے بھرا ہوئی آواز میں کہا۔

”کیوں بات کیا ہے؟“

”آپ دیکھ رہے ہیں۔“ قسم نے پھانک کی طرف اشارہ کیا جس کے اس پاراب بھی خونخوار قسم کے کتنے اچھل اچھل کر بھوک رہے تھے۔

”ہاں.... میں دیکھ رہا ہوں۔“ فریدی جھنگلا کر بولا۔ ”تم بھی تو کچھ بکو۔“

”یہ سب میرے لئے کیا گیا ہے۔“

”کیوں.... بکو...!“

”میں حمید کو بدالہ لئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ فریدی اسے ایک طرف ہتا تھا اور پھانک کے پاس پہنچ گیا۔ کتنے اسے دیکھ کر دم ہلانے لگے۔ پھانک اندر سے مقفل نہیں تھا۔ صرف بیٹھ بھیزدیے گئے تھے۔

فریدی پھانک کھوں کر اندر داخل ہو گیا اسے دیکھ کر نوکر بھی سامنے آگئے۔

”کس نے کھوالا ہے ان کتوں کو....؟“ اس نے غصیلی آواز میں نوکروں سے پوچھا۔

”حمدی صاحب تھے۔“ ایک نوکر نے جواب دیا۔

”بند کرو انہیں....!“ فریدی کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس نے قسم کی طرف پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔

قسام کچھ دیر تک نہ رے نہ رے منہ بنا تارہا پھر واپس جا کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں

وصول کرے گی۔

”تم سمجھے نہیں... اس نے تمہارے ساتھ کوئی نہ آئی نہیں کی۔ ذرا خستہ دل سے غور کرو۔ تم میں اتنی بہت نہیں کہ تم اپنے والد سے دوسری شادی کے لئے کہہ سکو۔“

”بالکل تمیک ہے۔“

”لیکن انہیں کسی نہ کسی طرح حالات نے باخبر ہونا چاہئے ورنہ تم اس طرح گھل کر اُنہیں جلا جاؤ گے۔“

فریدی نے یہ جملہ کچھ ایسے غلطانہ لمحے میں کہا کہ قاسم کی آنکھوں میں آنسو چک ک آئے اور وہ بھائی سامنہ پھیلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ غالباً یہ آنسو روکنے کی آخری تدبیر تھی۔

”اب بیوں سمجھو....!“ فریدی نے لوہا گرم دیکھ کر دوسری خبر بھائی۔ ”اگر تم دو تین بار ایسی ہی حرکتیں پھر کرو تو تمہارے والد کو ضرور تشویش ہو گی۔ پھر وہی وقت ہو گا کہ تم ان سے سب کچھ صاف کہہ دو۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ اس صورت میں تمہارے مسئلے پر سنجیدگی یہ غور کریں گے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ حمید کی دی ہوئی گولیاں کڑوی ضرور ہیں مگر اس سے تمہارا مرض ضرور رفع ہو جائے گا۔“

”الا قسم جھوٹا ہے سالا.... اس نے مجھے گولی دوئی نہیں دی۔“

فریدی نے بڑی مشکل سے اپنی ہمی ضبط کی۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”تم سمجھے نہیں۔ حمید تمہیں دھوکے میں ڈال کر ابھی دو چار بار اور اس قسم کی حرکتیں کرے گا۔“

”لیکہ ہر ہے ہیں آپ۔“ قاسم جلا کر کھڑا ہو گیا۔ ”میں آپ کا بہت ادب کرتا ہوں۔“

”ای لئے تو میں چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی ہو جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب تمہارے والد کو یقین آجائے کہ تم آوارگی کی طرف مائل ہو۔ حمید نے کئی اسکیمیں بدار کھی ہیں۔ شروع میں تمہاری تھوڑی بہت پائی ضرور ہو گی مگر پھر معاملات تمیک ہو جائیں گے۔ کیا خیال ہے.... سمجھی یا نہیں۔“

قاسم پھر بیٹھ گیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔ ”میں سمجھ گیا۔“

”مجھے نا... میں جانتا ہوں کہ تم کافی سمجھ دار ہو۔“

”اس کے جنم پر شب خرابی کا لباس ہے۔“ فریدی نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میاہی حقیقت ہے کہ اس کی بیوی...!“

”جی ہاں... ان دونوں میں آج تک میاہ بیوی کے تعلقات نہیں قائم ہو سکے۔“ جی بلدی سے بولا۔

”اچھا تم یہیں نہ ہو... واقعی وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا اور کرے سے نکل گیا۔

ڈرائیکر روم میں بیٹھ کر اس نے ایک نوکر کو سمجھ کر قاسم کو بلوایا۔

”کیوں بھتی کیا ماملہ ہے...؟ بیٹھ جاؤ۔“

”بس کچھ نہیں... حمید کو بلواد تجویز۔“ قاسم غصیلی آواز میں بولا۔

”پہلے مجھے پوری بات بتاؤ۔“

”ای سے پوچھ لجئے۔“

”مگر وہ تو کہتا ہے کہ کوئی بات ہی نہیں۔“

”خیر کوئی بات نہیں... دیکھا جائے گا۔“

”تو تم مجھے نہیں بتاؤ گے۔“ فریدی نے کہا۔

”میاہتاوں... مجھے شرم آتی ہے۔“

بڑی مشکل سے قاسم نے ہکلا ہکلا کر اور شرماشرا کر پورا افادہ دہرا لایا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ”والد صاحب دو تین دنوں کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں لیکن وہ جیسے ہی آئیں گے وہ سمجھت فردا غدے گی۔“

”قاسم مجھے افسوس ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں اکثر تمہارے لئے عملگیں رہوں۔ تم دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے....؟“

”اگر اس کا نام بھی لوں تو گولی سے اڑا دیا جاؤں۔ کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں ہی وال صاحب کو گولی سے اڑا دوں۔“

”ہوں... مگر کیوں... حمید تمہارا ہمدرد ہے۔“

”میں کسی طرح نہیں مان سکتا.... الا قسم....! بھی تو وہ سالی مجھ سے دو ہزار روپے بھی

”مگر یہ بات تم تو مجھے پہلے ہی بتا دینا تھا۔“

”اگر وہ پہلے بتا دتا تو تم ہرگز نہ تیرا ہو سکتے۔“

”میک ہے۔“ قاسم سر ہلانے لگا۔

”اسی لئے اس نے تمہارے ساتھ بظاہر گھنٹوں کا سامانہ تاؤ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی ایکیم بھی جو میں نے بتائی ہے۔“

قاسم کچھ دیر تک خاموشی سے بیٹھا اپنی ٹانکیں ہلا کارہا پھر بولا۔ ”لیکن میں اب گھر کیسے جاؤں۔ وہ کمزیت میری زندگی تلخ کر دے گی۔“

”تو تم اس سے بھی ڈرتے ہو؟“

”اس سے نہیں بلکہ اپنے غصے سے ڈرتا ہوں کہیں کسی دل ٹانکیں جیسے کرنے میک ہے۔“

”اچھا ہے تو تمہیں حلیم ہے تاکہ حید نے تم سے کوئی برائی نہیں کی۔“

”ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سوچ کر جواب دوں گا۔“

”احسن نہ ہو۔۔۔ اگر تم والد کا سامنا کرنا نہیں چاہتے تو اپنا ضروری سامان لے کر بیان آجائے اور اگر زیادہ دونوں تک سامنا نہ کرنے کا رادہ ہو تو میرے ہمراہ غیر ممالک کے دورے پر چلو۔“

”غیر ممالک کے دورے پر۔“ قاسم نے حرمت سے کہا۔

”ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تمہارے لئے پاسپورٹ اور ویزا حاصل کروں گا۔“

”میں بالکل تیار ہوں۔“ قاسم خوش ہو کر بولا۔ ”میں تو چاہتا ہوں کہ مجھے کچھ دن تک سالی کی اور اس کی بھروسہ کی ٹھیک نہ کھائی دے۔“

”تو پھر اب تمہیں حید سے کوئی شکایت نہیں۔“ فریدی نے سگار سلاکتے ہوئے پوچھا۔ ”ہرگز نہیں۔“

”ہوں۔۔۔ اچھا ہب تم جا کر سامان بیان لے آؤ۔“

قاسم جد سے زیادہ خوشی کا انہی کرتا ہوا رخصت ہو گیا۔

حید اس دوران میں ایک دروازے کے پیچے کھڑا رہا تھا۔ قاسم کے جاتے ہی وہ فریدی کے

سامنے آگر بولا۔ ”ماں تھوں، اس گھرے ہوئے ہا تھی کامہاوت آپکے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“ فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر بیزاری اور اکتاہٹ کے آثار ظفر آرہے تھے۔ ”تمہاری وجہ سے میرا بہت وقت بر باد ہوتا ہے۔“ اس نے کہا۔

”غالب اگر بھر میری ہی وجہ سے آپ کا وقت بر باد ہوتا رہا تھا۔“

”نہیں وہ وقت کا صحیح معرف قتل۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کر سکھیں رات سر کاری خزانے پر ڈاک پڑا تھا۔“ ”میں لاپرواہی سے بولا۔“ ”لیکن سناری رقم محفوظ ہے۔“

”تو پھر ڈاک کیا۔۔۔ مجرم ناکامیاں رہے۔“

”وہ سو فیصدی کامیاب رہے حید صاحب۔ وہ خزانے سے صرف چاندی کا ایک حقیر ساز زور لے گئے ہیں۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ ”حید اچھل پڑا۔“

”اکنہ قوم کی شہزادی کا طوق۔۔۔!“

”چھے اچھا ہی ہوا۔ ہم مفت کی درود سری سے بچ گئے۔“ حید نے سرت کا انہیار کیا۔ ”ورد سری تو اب شروع ہو گی حید صاحب۔“ فریدی نے کہا۔ ”پہلے تو ہم شاید بر لش گی آتا ہیں تک جاتے گرا بند جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی پڑے۔“

”حید نے بہت بُرا سامنہ بنایا لیکن کچھ بولا نہیں۔“

فریدی کہتا ہے۔ ”چھل کی حکومت نے ہماری حکومت سے گفت و شنید کے بعد یہ طے کیا تھا کہ ہم اسے بر لش گی آتا تک پہنچا دیں اور وہاں سے پھر ان کے آدمی لے جائیں گے۔“

”آخر ہماری حکومت نے اسے منظور ہی کیوں کیا تھا۔“ ”حید بولا۔“ ”وہاں کی حکومت کا کوئی نماذجہ سیکھنے آگر اسے کیوں نہیں لے سکا۔“

”سنوا! غلطی ہمارے ہی بیان کے ایک شہری تھی۔ لوگوں سے سگ ہی کی مدد سے چاکر لایا تھا۔ اس نے ہماری حکومت کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ خود ہی اسے واپس کرادے۔“

”ہوں۔۔۔!“ ”حید سر ہلا کر بولا۔“ لیکن آخر وہاں کی حکومت اس چاندی کے زیور کے لئے

”نہیں آج صحیح وہ مختلف مقالات سے پکڑے گئے ہیں اور ہاں اس چینی کی لاش... اس سے بہت کچھ رہنمائی ہوتی ہے... اور حیدر صاحب آج کی رات میرے لئے بڑی خوشگوار ثابت ہو گی۔“

اغوا

فریدی نے کیڈیلاک ایک تاریک گلی میں کھڑی کر دی۔ رات کے دس بجے تھے اور بندرگاہ کی یہ قریبی بستی سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ کیڈیلاک سے نیچے آتا۔ اس کے ساتھ قسم بھی تھا تکین ایک عجیب حلہ میں۔ اس نے نیلے رنگ کی ایک ڈھینلی ڈھانی پتلون پہن رکھی تھی۔ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور سر کے پچھلے حصے پر ایک چھوٹی سی گول ٹوپی منڈھی ہوئی تھی۔ قمیش کی جگہ ایک ملکبی سی بنیان تھی۔ ڈاڑھی تھی تو چھوٹی ہی... لیکن... بال اتنے سمجھا تھا... کہ.... موچھوں سے مل کر انہوں نے دہانہ بالکل ڈھک لیا تھا... اور.... پھر دیو جیسا ذیل ڈول... بہر حال.... قاسم حدود رجہ خوفناک نظر آ رہا تھا۔

گلی سنان پڑی تھی۔ فریدی تھوڑی دیر تک آہستہ کچھ کھتارا ہے۔ پھر وہ ایک طرف چل پڑنے آگے دوسرا گلی تھی جس کے سرے پر رک کر فریدی نے ہلکی سی سیٹی بجائی اور دوسرے بھی لئے میں تاریک گلی سے اس کا جواب ملا۔ آواز دوڑ کی معلوم ہو رہی تھی۔

”بل اب جاؤ...!“ فریدی قاسم کا شانہ چھپتا ہوا بولا۔

قاسم چدا گلی کے موڑ پر بھی نہیں پہنچا تھا کہ فریدی کی کیڈیلاک فرانٹ بھرتی ہوئی سڑک پر نکل گئی۔

قاسم چلا رہا۔ اب وہ تاریک گلیوں سے نکل کر ایک کشادہ راستے پر چل رہا تھا۔ جس کے دونوں طرف سالنگروہ پھرلوں کی عمارتیں تھیں اور یہاں تاریکی بھی نہیں تھی۔ قاسم ایک عمارت کے سامنے رک گیا جس پر ”سیلس کلب“ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ یہ بندرگاہ کے علاقے میں ایشیائی چہازر انوں کی واحد تفریق گاہ تھی لیکن اکثر یہاں مشرقی مشیات کے شو قین یورپی یا شندے بھی دکھائی دے جاتے تھے۔ خصوصاً ہالینڈ کے ملاج جو چس بھرے سگرٹوں پر جان دیتے ہیں۔ اس عمارت میں پہلے دراصل مشیاب کے ایک لا تنسن وار تاجر کا رہا بار تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی ادائیگی مشیات کی کھپت یورپین چہازر انوں میں بھی ہونے لگی ہے تو اس نے باقاعدہ طور

اتی بیتاب کیوں ہے؟“ ”جہالت آمیز سوال نہ کیا کرو۔“ فریدی جھملا گیا۔ ”اگر خزانے کی بات محض افواہ ہو تو بھی اس کا خدا آثار قدیمہ میں ہو گا اور چونکہ وہ جنوبی امریکہ ہی کے ایک شاہی خاندان کی یاد کا ہے اس لئے وہاں کے کسی بھی ملک کو اس کی خواہش ہو سکتی ہے۔“

”مگر آپ نے تو کہا تھا کہ اس پر کی تحریر حاصل کر لینے کے بعد وہ زیور بیکار ہو جاتا ہے۔“ کی اتنی اہمیت نہیں رہ جاتی کہ اس کے لئے کوئی جدوجہد کرے۔“

”تم بالکل گدھے ہو۔ اہمیت کا سوال صرف سگھ عی کے لئے تھا۔ میں اسے سگھ عی۔“ نظر سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر آثار قدیمہ کی حیثیت سے اس کی نظرلوں میں اس کی کوئی اہمیت ہوتی تو وہ اس مردہ شہزادی کے سارے عی زیورات آثار لا تصرف مشہور ہے کہ انکا قوم کے شاہی خزانے کا سراغ بھی ہو سکتی ہے اب اگر ایک شخص اسے آثار قدیمہ والے نے نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ خزانے کے چکر میں ہے تو اس تحریر کے حاصل ہو جانے کے بعد طور اس کے لئے ایک بے معنی چیز ہو گیا۔ مگر اس کے لئے ڈاکہ زندگی کی ضرورت کیوں پیش آتی؟“

”سمجھ گیا...!“ حیدر سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن یہ ڈاکہ پڑا کس طرح۔ وہاں تو بہت سخت ہے۔“

”رہتا ہے... لیکن پھرے والوں کو بدحواس کرنے کے لئے پانچ عدد اڑوڑھے بہت نہ ہوتے ہیں۔“

”کیا مطلب....؟“

”انہوں نے گردو پیش کئی عدد اڑوڑھے ریکٹے ہوئے دیکھے۔ ظاہر ہے اگر کسی عمارت پیک وقت کئی عدد اڑوڑھے دکھائی دیں تو وہاں کے لوگوں کا کیا حال ہو گا... بہر حال سنتری ڈیویشن چھوڑ کر ادھر اُدھر ہو گئے... اور پھر جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔“

”اڑوڑھے کیسے تھے؟“

”بالکل بے ضرر... ایسے عی جیسے اکثر تم نے سپریوں کی گردنوں میں لٹکتے ہوئے دھوں کے۔ جنہیں بچے بھی ہاتھوں میں اٹھایتے ہیں۔“

”کیا وہ اڑوڑھے بھی ساتھ عی لے گے؟“ حیدر نے پوچھا۔

خدا سے یقین تھا کہ قرب و جوار میں اس کے مددگار موجود ہیں ورنہ اس پر بدحواسی کا دورہ بھی کا پڑپکا ہوتا۔ لیکن اس صورت میں بھی اسے ایسا محوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہوا میں اڑا جا رہا ہو۔ اسے نہ اپنی جامت کا احساس تھا اور نہ اس بوجھ کا احساس جو اسکے شانے پر پڑا ہوا بُری طرح چل رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اس فلی میں پچھا جس کے سرے پر کھڑے ہو کر فریدی نے کسی کو کچھ اشارہ کیا تھا۔ جیسے ہی وہ فلی میں گھسا اس پر سامنے سے نارجی کی روشنی پڑی اور پھر فوراً انی غائب ہو گئی۔

دوسرے لمحے میں اس نے حمید کی آواز سنی۔

”چلے آؤ.... سید ہے.... گھر راتا میں...!“

لڑکی اس کے شانے پر بُری طرح چل رہی تھی۔ وہ اپنے منہ پر سے اس کا ہاتھ ہٹانا چاہتی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے دونوں ہاتھوں سے قسم کو نوچ کھوٹ ڈالا تھا۔ لیکن شاید قاسم کو اس کا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

”اوہ رادھر....!“ حمید نے کہا۔ ”کار میں ڈال دو.... منہ دبائے رہنا۔“

قاسم اسے کار میں ٹھوں کر خود بھی اندر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

”منہ سے ہاتھ نہ ہٹنے پاۓ۔“ حمید نے ایک بار پھر کہا۔

کار گیوں سے گذرتی ہوئی سڑک پر نکل آئی تھی اس کی کھڑکیوں پر سیاہ پردے چڑھے ہوئے تھے لہذا باہر سے دیکھ لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ حمید بار بار قاسم کو تاکید کرتا جا رہا تھا کہ رُکی کے منہ سے ہاتھ نہ ہٹنے پاۓ۔

”یہ اول گھبراہا ہے.... غمید بھائی....!“ قاسم بھرا تھی ہوئی آواز میں بولا۔

”اگر میرے کہنے کے خلاف کیا تو گولی مار دوں گا۔“ حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔

قاسم کے منہ سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگیں۔ پتہ نہیں اس نے حمید کی بات کا جواب نہیں کی کوشش کی تھی یا لڑکی نے کوئی دوسرا حرہ استعمال کیا تھا۔

”کیا ہوا....؟“ حمید نے نہ کر پوچھا۔

”لگ.... غس.... غس نہیں....!“ قاسم ہانپتا ہوا پکالا۔

کار فرائٹ ہجرتی رہی۔ رات زیادہ گذر جانے کی وجہ سے سڑکوں پر بھیز بھی نہیں تھی۔ قاسم پر بدحواسی کا دورہ پڑپکا تھا اور اسے اب صرف اس کا احساس رہ گیا تھا کہ اس کی سانس

پر چاند و خانہ چلانے کیلئے اجازت حاصل کر لی اور اس کا یہ کار و بار ”سکلرس کلب“ کے تحت ہے۔ لگا۔ حکام سے بنائے رکھتا تھا۔ اس نے عموماً غیر قانونی حرکتیں بھی اس سے سرزد ہو جاتی تھیں۔

قاسم بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ عمارت کا نقشہ اسے پہلے تھا اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا جیسے ہی وہ بڑے کمرے میں داخل ہوا کئی نظریں اس کی طرف پیساختہ اٹھیں۔ اس کے ذیل ڈو کا جائزہ لیا اور جھک گئیں۔ قاسم اس لباس میں دراصل کسی جہاز کا خلاصی معلوم ہو رہا تھا۔

وہ ایک خالی میز پر بیٹھ گیا۔ گرد و پیش سے مختلف قسم کی آوازیں اجھر رہی تھیں۔

اس نے ایک دیٹر کو اشارة سے بلا کر چائے طلب کی گئی یہاں کی بدبوار فضائیں اس کا، گھٹا جا رہا تھا۔ مختلف قسم کے نشیات کے دھوکیں کے مرغولے کر میں میں چکراتے پھر رہے تھے۔ اس نے کسی نہ کسی طرح چائے زہر مار کی اور بُر اسامنہ بنائے ہوئے کرے کا جائزہ لیتا رہا۔ مختلف ممالک کے جہاز راں نظر آرہے تھے۔ چینی، جاپانی، ملائی، بر میز، انڈو ٹیکنی وغیرہ۔ ایک چہرے مفید نسل سے بھی تعلق رکھتے تھے۔

اچاک قاسم کی نظر ایک سانوی لڑکی پر پڑی جو کاؤنٹر کے پیچے سے نکل کر ہاں میں آ رہی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

لڑکی کے جسم پر نارنجی رنگ کا اسکرٹ تھا اور اس کے ہونزوں پر لپ اسٹک کی تھہ چڑھی تھی۔ چہرے پر پاکڈر نہیں تھا۔ جانے کیوں؟ ہو سکتا ہے خود اسے ہی اس بات کا احساس؛ ہو کہ وہ پاکڈر سے بغیر ہی اچھی لگتی ہے یا پھر اس میں تھوڑا بہت مظلقی شعور بھی رہا ہو۔ کیونکہ چہرے کا پاکڈر اسکرٹ کے پیچے کا کالی کلوپی پنڈلیوں کا عیب نہیں چھپا سکتا۔

قاسم نے بڑی بے چلتی سے کری پر پہلو بدلا۔ اس کا دل تیری سے دھڑکنے لگا تھا۔ لڑکہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صدر دروازے کی طرف آری تھی۔ بھی بھی وہ مسکر اکر ادھر ادھر بینا ہوئے لوگوں کی باتوں کا جواب نہیں دیتی جاتی تھی۔

جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچی قاسم نے اچھل کر اسے پکڑ لیا۔ ایک پل کے لئے اس کی نظر قاسم کے چہرے پر پڑی اور اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ یہکہ وہ ہاں میں اندر ہرا ہو گیا۔ کریں اور میزیں لائے لگیں۔

قاسم لڑکی کو کاندھے پر ڈالے اور ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبائے ہوئے گلی میں بھاگ

”بیٹھ جاؤ...!“ حمید نے لڑکی سے کہا۔
لیکن وہ کھڑی رہی۔ قاسم اپنی مصنوعی ڈاڑھی کے بال نوچ کر پھینک رہا تھا۔ اس نے
پہنچ ہو نشوان پر زبان پھیر کر لڑکی کی طرف دیکھا۔
لڑکی کی عمر میں سال سے زیادہ نہ رہی ہو گئی۔ اس کی سانوں روگت پر لپ اسٹک نہیں
علوم ہوتی تھی۔ وہ خوبصورت نہ کہی مگر جاذب نظر ضرور تھی۔



پر نشن کے ایک موڑ کی راج کے سامنے ایک جیپ کار رکی اور اس پر سے ایک آدمی کو دکر
بھاگتا ہوا کیراج کے اندر چلا گیا۔
کافی رات گذر جانے کے باوجود بھی گیراج میں کام ہو رہا تھا۔ آنے والا بھاگتا ہوا ایک میز
کے قریب پہنچا جہاں ایک توی یہکل اور بار عب آدمی بیٹھا اوگھر رہا تھا۔
اپنے قریب آہست محسوس کر کے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دو خوفناک اور سرخ آنکھیں
پھر اس نے اپنی چڑھی ہوئی موٹھوں کو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے شہادے کر آنے والے کی
طرف دیکھا۔

”میں سیلس کلب سے آیا ہوں۔“ آنے والے نے اس کے چہرے پر سے نظر ہٹا کر کہا۔
”ہوم! تو پھر....؟“

”لڑکی کو کوئی اٹھا لے گیا۔“

”ہام....!“ خوفناک چہرے والا کھڑا ہو گیا۔

”کوئی اٹھا لے گیا۔ کسی نے بجلی کی میں لاگن کاٹ دی تھی۔“

اس نے آنے والے کو گریبان سے پکڑ کر ایک طرف دھکیل دیا اور خود آگے بڑھ کر ایک
موڑ سائیکل اٹھائی اور پھر وہ موڑ سائیکل کیراج کے اندر رہی سے اسٹارٹ ہو گئی۔
آنے والے ایک کنارے کھڑا اپنا کار درست کر رہا تھا۔ اس نے کیراج سے نکلتی ہوئی موڑ
سائیکل کو بڑی کینہ تو ز نظروں سے دیکھا۔

موڑ سائیکل اب سڑک پر جاری تھی۔ طوفان کی طرح۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سواریا
تو پاگل ہو گیا یا اسے اپنی جان کا خوف نہ ہو۔ موڑ سائیکل زیادہ تر شہر کی سنسن سڑکوں ہی کی

چل رہی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا سارا وجود ذہن کے سناٹوں میں گم ہو چکا تھا۔
پھر آہستہ آہستہ اس پر غنوڈگی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔
لیکن اس کے ذہن نے اچانک پھر سنبھالا لیا۔ ساتھ ہی اسے ایک سریلی آواز بھی سنائی دی
”میں شور نہیں چاڑوں گی۔“

”اوہ... ہف... شکریہ شکریہ... ارے بائیں۔“ قاسم بوکھلاہٹ میں حمید کا سرٹو بنے گا۔
”میں شور نہیں چاڑوں گی.... میری جان نہ لو۔“ لڑکی دوبارہ دبی دبی کی آدراں میں بولی۔
”ہائیں ابے کیا چھوڑ دیا۔“ حمید بھٹاک رکر بولा۔

”ارے... حمید بھائی۔“ قاسم ہکلا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھتی میں نہیں آیا کہ لڑکی اس
گرفت سے کس طرح نکل گئی۔

”ابے اور قاسم کے بچے۔“

”میں کیا کروں حمید بھائی۔“ قاسم رو دینے والی آواز میں بولا۔

”میں کہہ رہی ہوں کہ میں شور نہیں چاڑوں گی۔“

”جی ہاں.... جی ہاں....!“ قاسم جلدی سے بولا۔

”اچھا...!“ حمید نے قاسم سے کہا۔ ”اگر یہ شور چاۓ تو گلا گھوٹ کر مار ڈالا۔“

قاسم پکھھے بولا۔ لڑکی بھی ایک کنارے وکی بیٹھی رہی۔ اس نے قاسم کی خونخوار ٹھلل
ایک ہی جھلک دیکھی تھی لیکن اس کے ذہن پر اب بھی اس کا خوف مسلط تھا۔

ٹھوڑی دیر بعد کار فریڈی کی کمپاؤنڈ میں واصل ہوئی۔ کوئی تاریک پڑی تھی۔ حمید کا
سیدھا پور میکو میں لیتا چلا گیا اور اس نے برآمدہ تاریک ہونے پر ذرہ برابر بھی تشوشیں کاٹ
نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ان کی اسکیم ہی کا کوئی جزو رہا ہو۔

اس نے کار سے اتر کر سب سے پہلے قاسم کو کار سے نکلا۔ پھر لڑکی سے اتنے کو کہا دہ
چاپ پیچے اتر آئی۔ حمید نے نارج بھی نہیں روشن کی۔

وہ اندر ہرے ہی میں برآمدے سے گزر کر اندر پہنچ۔ اندر روشنی تھی۔ لڑکی نے قاسم کو
سے دیکھا جو ایک آرام کر سی پر پاہنپ رہا تھا۔ اس کی مصنوعی ڈاڑھی کئی جگہ سے اکھڑ گئی تھی
چہرے پر ناخنوں کی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر جم گیا تھا۔

طرف مژرہ تھی اور پھر کچھ دیر بعد اس کا رخ لڑکال جگل کی طرف ہو گیا جب وہ سڑک پکی زمین پر اترنے لگی تو ایک جہازی سے نارج کی روشنی کی ایک بُی سی شعاع اس کے پیچے پہنچ لی۔

✿

حمدید قاسم کو عجیب انداز سے دیکھ رہا تھا اس میں غصہ مٹھکہ اور ہمدردی سمجھی کچھ تھا۔ وہ لڑکے کے ساتھ اس کی اٹھیانے سے ایک آرام کر سی پر نیم در تھی جیسے ان کی خاص ایصال استدعا پری پارٹی میں شرکت کے لئے آئی ہو۔

وہ تینوں خاموش تھے اور قاسم پار بار اس طرح اپنی آنکھیں مل کر لڑکی کو دیکھنے لگتا تھا جو اس کے وجود پر یقین نہ ہو۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ حمدید نے لڑکی سے پوچھا۔
”اوہ.... میرا نام نہیں معلوم۔“ لڑکی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
”جی ہاں.... جی ہاں نہیں مالوم....!“ قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ پھر وہ اس طرح ملا جائے گا جیسے منہ میں سری کی ذلتی رکھ کر بھول گیا ہو۔

”حیرت ہے کہ آپ لوگ میرا نام بھی نہیں جانتے حالانکہ اس طرح اٹھا کر لائے تھے۔“
”الا تم نہیں جانتے۔ جھوٹ تھوڑا ہی ہے۔“ قاسم پلک کر بولا۔
حمدید اسے گھورنے لگا۔

”ہائیں گھوڑتے کیوں ہو۔“ قاسم نے کہا۔ پھر سر پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”تو تم ہی بات کر دنا.... میں کون ہوتا ہوں۔“
حمدید چند لمحے اسے گھوڑتا رہا پھر لڑکی سے بولا۔ ”لیکن تم اس کے باوجود بھی بہت مطہر نظر آرہی ہو۔“

”پھر....!“ لڑکی مکرائی اور ایک طویل انگڑائی لے کر بولی۔ ”میری زندگی ہی بھی ہے۔“
”زندگی....!“

”ہاں.... لیکن میں شاعری نہیں کر رہی ہوں۔“
حمدید کچھ نہ بولا۔ قاسم بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں مل کر لڑکی کا

بیکھنا شروع کر دیا۔ پھر اپنے بازو پر زور سے چکنی لی اور ”سی“ کر کے رہ گیا۔
لڑکی کرنے کا ساز و سامان دیکھ رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی انگلیاں کمری کے ہتھے پر
س طرح چل رہی تھیں جیسے اس کے ذہن میں وائیلن کا تصور ہو۔
”ایک سگریٹ دو گے۔“ اچاک وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔

”ہاں.... آں....!“ حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ذر امیرے کرنے سے سگریٹ
ہاذبہ اٹھاؤ۔“

”اچھا....!“ قاسم اٹھنے اٹھنے پر بیٹھ گیا۔

”کیوں....؟“

”وو جا کر لاؤتا.... میں تمہارے باپ کا فون کر تو نہیں۔“

”مجھے بتاؤ.... میں خود لاوں۔“ لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔

”بیٹھو بیٹھو....!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا اور قاسم کو گھوڑا ہوا کرنے سے چلا گیا۔

لڑکی نے قاسم سے کہا۔ ”آپ نے بھیں خوب بدلا تھا۔“

”اڑے ہی.... ہی.... ہی.... میں کیا.... انہیں سالوں نے گت بیالی تھی۔“

”یہ ہیں کون....؟“ لڑکی نے بڑے رازدار انہ انداز میں پوچھا۔

”اڑے تم نہیں جانتیں....؟“

لیکن قبل اس کے کہ وہ جملہ پورا کرتا حمید سگریٹ کاڑبے لے کر واپس آگیا۔ قاسم چب
و گلے۔ حمید نے شاید اس کا دھورا جملہ سن لیا تھا۔ اس نے اس نے کرنے میں داخل ہوتے ہی
اسم سے کہا۔ ”اپنے کرنے میں جاؤ۔“

”پھر وہی....!“ قاسم بھنا گیا۔ ”کیا میں تم سے دیتا ہوں....؟“

”اوہ....!“ لڑکی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ ”یہ مجھے تاپسند ہے شاید اب.... تم دونوں آپس
ل لڑو گے۔“

”ضرورت پڑی تو ضرور لڑیں گے۔“ قاسم اکڑ کر بولا۔ وہ اپنے بازوؤں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

”تم بیالاں اپنی موجودگی کا غلط مقصد سمجھ رہی ہو۔“ حمید اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔
”تھوڑی ہی دیر بعد تم آزاد ہو گی۔“

”مجھے حیرت ہے۔ تم لوگ مجھے بہت ہی خطرناک قسم کے آدمیوں کے درمیان سے لا۔ ہو۔“ لڑکی بولی۔

”سیداً تقی....؟“ حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ ”میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔“

”تم مجھے کیوں لائے ہو....؟“

”لُس یونی تفریغیاً.... تمہیں قریب سے دیکھنے کے لئے۔“

”شاید میں پاگل ہو جاؤں گی۔“ لڑکی اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔

”کیوں....؟“ حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

”میرے زندگی میں بدمعاشوں میں گذری ہے۔ مگر ایسے بدمعاش.... انہوں نے میرے کافی کشت و خون کیا ہے۔ مجھے دوسرے بدمعاشوں سے چھین لائے ہیں۔ میری گھمداشت ہوتی ہے۔ میں جب بھی باہر نکلتی ہوں میرے ساتھ دو آدمی ہوتے ہیں اور ان کی جیسیں؛ نہیں ہوتیں۔ دریوالور کھتے ہیں لیکن مجھے اب تک یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ مجھے دوسرا سے کیوں چھین لائے ہیں؟“

”پہلے تم کہاں تھیں؟“

”صدر آباد میں.... کبر لینڈ ہوٹل کی ہو سش لیکن مجھ پر چند بدمعاشوں کا قبضہ تھا۔“

”یہ لوگ تمہیں کب لائے؟“

”ایک ماہ پہلے کی بات ہے۔“

”مرغناہ کون ہے؟“

”میں نام نہیں جانتی لیکن وہ خوفناک آدمی ہے۔ بڑی موچھوں اور خونخوار آنکھوں والا۔“

”سیلس کلب کا نیجیر....؟“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں.... وہ تو.... وہ بھی اس سے دبتا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ سیلس کلب سے اس اتعلق ہے۔“

”تم سیلس کلب میں رہتی ہو....؟“

”ہاں.... وہاں مجھے ایک کرہ دیا گیا ہے۔“

”تم سے کام کیا لیا جاتا ہے؟“

”پچھے بھی نہیں.... اکثر شام کو مجھے کاٹنٹر پر بیٹھنے کو کہا جاتا ہے اور بس۔ مجھے قید کر کے نہیں رکھا گیا۔ لیکن پھر بھی نگرانی کافی ہوتی ہے۔ میں تھا باہر نہیں نکل سکتی اور ہاں رات کو وہ میرا کرہ باہر سے مقتل کر دیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں خواب میں چلتی ہوں۔ سوچتے ہوں گے ممکن ہے مجھے کوئی حادثہ پیش آجائے۔ عجیب بات ہے مجھے یقین نہیں آتا مگر لوگ کہتے ہیں۔ صدر آباد میں ایک سائنس ایجنسٹ نے کہا تھا کہ جو کام میں جاگتے میں نہیں کرنا چاہتی یا کرتا بھول جاتی ہوں اسے نیز.... کی حالت میں کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن مجھے بالکل علم نہیں ہوتا.... ہے تا۔ عجیب بات۔“

”حید چند لمحے اسے غور سے دیکھا رہا پھر بولا۔“ تھمار امام کیا ہے؟“

”ریکھاٹ نئیلیں.... میں کر چھین ہوں۔“

”نوئیلیں....؟“

”ہاں وہ میرے باپ تھے۔“

”حید کچھ اور پوچھنے والا تھا کہ اچاک پوری عمارت کی روشنی عابِ ہو گئی۔ حید بوکھلا کر اٹھا۔ وہ قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔“ خیردار.... گولی مار دوں گا۔“ وہ دریوالور نکال کر چھا اور پھر اندھیرے میں ایک فائز بھی کر دیا لیکن اس کے جواب میں اس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی۔

ایک بھم کئی لاشیں

”لیا ہوا حید بھائی؟“ اس نے قاسم کی آواز سنی اور پھر اچاک اسے یاد آیا کہ اس سے ایک زبردست غلطی سرزد ہوئی تھی۔ اسے لڑکی کو لے آنے کے بعد پھاٹک بند کر کے کپاٹ نہیں رکھا گی کرنے والے نئے چھوڑ دینے چاہئے تھے۔

فریدی نے خاص طور پر اس کی تاکید کی تھی۔ لیکن وہ بھول ہی گیا۔ وہ بڑی تیزی سے دروازے کی طرف پکا لیکن اس کا سر بند دروازے سے لکر اکر رہا گیا۔

”حید بھائی....!“ قاسم نے پھر گھٹنی گھٹنی کی آواز میں اسے لپکا۔

”چپ رہو حید بھائی کے بچے۔“ حید جھلا گیا۔ وہ دیوار کے سہارے چلتا ہوا کرے کے دروازے پر ٹوٹا پھر رہا تھا۔

”بُوئے آئے گرجنے بر سے والے۔“ قاسم غرماکر بولا۔ ”خود مزے کر رہے ہیں...
ہاں.... نہیں تو....!“

”ابے کیا بتاہے مردود...؟“

”ٹھہر تو جاؤ باتا ہوں۔“ قاسم اندر ہیرے میں ادھر ادھر ہاتھ چلاتا ہوا آگے بڑھنے لگا
حمد کی بجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ دفتار سے یاد آگئی کہ اس کی جیب میں سگار لائٹر پڑا ہا
ہے۔ دوسرا ہی لمحے میں سگار لائٹر کی خصی سی لو اندر ہیرے میں جل گانے لگی۔

”ہمیں....!“ قاسم بوکھلا گیا۔ ”لل.... لوکی.... کدھر گئی؟“

”جہنم میں....!“ عید غرایا۔

”اہا تم تھیک سے بات کیوں نہیں کرتے آخر۔“ قاسم آستین چڑھاتا ہوا آگے بڑھا۔

”دوز رہتا.... نہیں تو اچھا ہے ہو گا۔ تمہاری وجہ سے وہ نکل گئی۔“

”نکل گئی....؟“ قاسم نے حیرت سے کہا۔

”تم شاید سور ہے تھے۔“ حمد نے کہا پھر اپاٹک اس کے منہ سے ایک تحریز دہ سی آواز نکلی۔
وہ دروازے کے قریب پڑی ہوئی ایک عجیب وضع کی چیز کی طرف دیکھ رہا تھا۔
وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر وہ اسے دیکھنے کے لئے جھکا۔ دوسرا ہے

لمحے میں اس کے منہ سے ہلکی سی چیز نکلی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ سگار لائٹر بجھ گیا۔ اس نے
اسے بدقت تمام دوبارہ روشن کیا۔ قاسم نے بھی آگے بڑھ کر اس چیز کا جائزہ لیا اور ہٹنے لگا۔
”اہا بوتل سے ڈرتے ہو.... واہ.... واہ.... مگر ہائی۔ یہ بوتل ہے یا گھری...
الا قسم گھری کی طرح نکل نکل کر رہی ہے۔“

”قاسم....!“ حمد کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”دروازہ توڑو... جلدی کرو۔“

”کیوں....؟“

”جلدی کرو... ادھر آؤ... اس دروازے میں نکل کر مارو۔“

”کیوں....؟“ عجیب آدمی ہو۔

”جلدی کرو سو... یہ بوتل یا گھری نہیں بلکہ نائم بم ہے۔“

”ہمیں بھم... ارے باپ رے۔“ قاسم بدھوا سی میں ایک کرسی کے پائے سے الجھ کر مت

کے بل فرش پر گرا۔

حمد بے تحاشہ ایک دروازے پر نکریں مار رہا تھا لیکن اس کے بس کاروگ نہیں تھا۔ کمرے
میں پھر اندر ہیرا چھا گیا۔ سگار لائٹر کی اسپرٹ کب تک چلتی۔

”او قاسم کے بچے۔“ وہ حلق پھاڑ کر چینا۔

”یارِ مذاق نہ کرو۔“ قاسم خوفزدہ آواز میں بولا۔ پھر اس نے ہٹنے کی کوشش کرتے ہوئے
کہا۔ ”نہیں جھوٹ برم کچھ نہیں بندل ہے بندل.... واہ حمد بھائی۔“

حمد نٹولتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ ”آؤ.... انھوں.... خدا کے لئے۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر
دروازے کی طرف کھینچنے لگا۔“

”کیوں.... یار پریشان مت کرو.... لائٹ جلوا۔.... مجھے نیند آرہی ہے۔“ قاسم نے بھاڑ سا
منہ پھاڑ کر جھائی لی۔

”قاسم.... اگر یہ بم پھٹ گیا تو ہمارے پر خپے اڑ جائیں گے۔“

”اہا.... مت اکو بناو۔“ قاسم پھر ہٹنے لگا۔

حمد اسے چھوڑ کر دوبارہ دروازے پر نکریں مارنے لگا تھا۔



جس وقت ”سیلس کلب“ میں ہنگامہ ہوا فریدی عمارت سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس نے
قاسم کو کامیاب ہوتے بھی دیکھا تھا اور اب اسے اس کے رد عمل کا انتظار تھا۔ ہنگامہ بڑھتا ہی گیا۔
لوگ عمارت سے نکل کر سڑک پر اکٹھا ہو گئے تھے اور ان میں سے کچھ قرب و جوار کی تاریک اور
سنن لگیوں میں گھستے پھر رہے تھے۔

اپاٹک اسی بھیڑ میں ایک جیپ کا اسٹارٹ ہوئی اور بھیڑ کی پرواہ کے بغیر اندر ہند ایک
 Traff چھانے لگی۔ لوگ چیختے ہوئے ادھر ادھر ہٹ گئے دوسرا ہے یہی لمحے میں فریدی نے ایک
 تاریک گلی میں گھس کر اپنی موٹر سائیکل سنبلی اور جیپ کا تعاقب کرنے لگا۔ پھر اسے چند لمحے
 پر نہیں کے موڑ گیراج کے باہر بھی رکنا پڑا۔ کیونکہ جیپ کا ڈرائیور اپنی گاڑی بہر چھوڑ کر
 گیراج کے اندر چلا گیا تھا۔

پھر اس نے گیراج کے اندر سے ایک موٹر سائیکل نکلتے دیکھی اس پر بیٹھے ہوئے آدمی کو

دیکھ کر وہ چونکا اور پھر اسے جیپ والے کا انتظار فضول معلوم ہونے لگا۔ دوسرے لمحے میں وہ بڑی موچھوں والے موڑ سائیکل سوار کا تعاقب کر رہا تھا۔ فریدی کی موڑ سائیکل میں بہت ہی نیس قسم کا سائلر لگا ہوا تھا۔ اس نے اس کی آواز زیادہ دوڑ سکن پھیل رہی تھی۔

تعاقب جاری رہا۔ تعاقب بہت بلندی میں معلوم ہوتا تھا۔ اس کی موڑ سائیکل طوفان کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔ فریدی نے اپنی موڑ سائیکل کی ہیئت لائش بجھادی تھی اور آگے والی موڑ سائیکل کی عقبی سرخ روشنی پر نظر جائے ہوئے تھا۔ ھوڑی دیر بعد اس نے محوس کیا کہ اگلی موڑ سائیکل لڑکاں جنگل کی طرف جا رہی ہے۔

فریدی نے مکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جینش دی۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ سنگ ہی لڑکاں جنگل میں کسی جگہ پچھا ہوا ہے اسی لئے اس نے اس دوران میں اپنا زیادہ تر وقت لڑکاں جنگل میں گذرا تھا۔ لیکن اس طرح گہ سنگ ہی کو اعلیٰ ہو جائے اور سیکی ایسا طریقہ تھا جس کی بناء پر سنگ ہی تک پہنچ بھی ممکن تھی۔ ورنہ اتنے بڑے اور گھنے جنگل سے کسی کو ڈھونڈ نکالنا مشکل ہی تھا اور آج کی اسکیم تو اس کی دانست میں بہت ہی شاذ ار تھی۔

سیلس کلب تک اس کی رسائی اسی حادثے کی وجہ سے ہوئی تھی جو لڑکاں جنگل سے واپس آتے وقت پیش آیا تھا۔ حملہ آوروں میں سے ایک چینی کا خاتمہ ہو گیا تھا تحقیقات کرنے پر اپنی کا تعلق سیلس کلب سے ظاہر ہوا۔ پھر سیلس کلب میں ایک ایسی لڑکی دریافت ہوئی جس کی شخصیت بڑی پور اسرار تھی۔ بظاہر وہ معمولی صورت میں کی ایک آوارہ ہی لڑکی تھی ایسی ہی جیسی اس قسم کے مقالات پر عموماً اپنی جاتی ہیں مگر وہ کمزی گرانی میں رکھی جاتی تھی۔

فریدی نے دو تین گھنٹے تک اس کے متعلق چہاں میں کی لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ پھر اس نے ایک اندر ہی چاں چلی۔ لڑکی کو مرکزی خیال بنا کر ایک پلاٹ مرتب کیا۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر وہ لڑکی سنگ ہی سے متعلق ہوئی تو اس طرح سنگ ہی تک رسائی ممکن ہو جائے گی۔ ابھی تک تو اس کے اندازے درست نکلے تھے اور پھر جیسے ہی تعاقب کی موڑ سائیکل نے لڑکاں جنگل کا رخ کیا اسے اپنی کامیابی کا سو فیصدی یقین ہو گیا۔

اب دونوں موڑ سائیکلیں جنگل کی وسطی سڑک پر دوڑ رہی تھیں۔ یہاں فریدی ناروں کی

چھاؤں سے بھی محروم ہو گیا تھا اس لئے اسی موڑ سائیکل کی ہیئت لائش روشن کرنی پڑی۔ کچھ دیر بعد اگلی موڑ سائیکل ایک پگڈنڈی پر مڑ گئی۔ فریدی کافی فاصلے پر تھا۔ اس نے رفتار بڑھائی لیکن دوسرے ہی لمحے میں جنگل پر سکوت طاری ہو گیا۔ اگلی موڑ سائیکل کا انجن بند ہو گیا تھا۔ فریدی نے موڑ سائیکل روکتے روکتے اس پگڈنڈی سے بھی آگے نکل گیا۔

اس نے موڑ سائیکل روک کر ایک طرف کھڑی کر دی۔ اگلی موڑ سائیکل کا انجن بند ہو جانے کے بعد موڑ سائیکل سمیت جنگل میں گھٹاخترے سے خالی نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ پگڈنڈی کی طرف بڑھنے لگا۔

سارا جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کبھی کبھی آس پاس کے درختوں پر کوئی بڑا پرندہ اپنے پر پڑ رکھتا اور پھر وہی یو جمل سکوت طاری ہو جاتا۔

فریدی پگڈنڈی پر مڑ ہی رہا تھا کہ اچانک آسمان سے اس پر کوئی چیز گردی ہلکی چھکلی بسی چیز..... لیکن اتنی بڑی کہ اس نے فریدی کے گرد احاطہ کر لیا اور پھر وہ اس میں لپٹتا ہوا زمین پر گر گیا۔

”جال....!“ اس کے ذہن نے دہر لیا اور جیپ میں پڑے ہوئے ریوالوں کے گرد اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

وہ جال میں بڑی طرح پھنس گیا تھا اور اب وہ غیر ارادی طور پر جال سمیت آگے کی طرف پھسل بھی رہا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ خود کو روک سکے لیکن شاید کئی آدمی یہک وقت اس پر اپنا زور صرف کر رہے تھے۔

آخر ایک جگہ اس کے سر میں ٹھوکر گلی شاید یہ کسی درخت کا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنالیاں با تھا اس کے گرد پھنسا دیا۔

وہ بہنے ہاتھ میں ریوال اور تیار تھا۔ دوسری طرف سے زور ہوتا رہا۔ لیکن جال اس جگہ سے ایک انجوں آگے کے نہ بڑھ سکا۔

پھر فریدی نے جال کی ڈور کے بالکل سیدھے میں کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ شاید کوئی جال کی تھی ہوئی ڈور کے سہارے اس طرف آ رہا تھا۔

فریدی کے ریوالوں سے شعلہ نکلا اور ایک جگہ خراش چین دوڑ سکنائے میں لہراتی چلی گئی۔

پھر فتحت کی قدموں کی آہمیں ملنے لگیں۔ فریدی نے پھر فائز کیا۔ اس بار ایک بہت زور کریہہ آواز گالی کی شکل میں سنائی دی۔ شاید وہ بھی زخمی ہو گیا تھا۔

آہمیں بند ہو گئیں لیکن کسی آدمی کی ہلکی بھلکی کراہیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ جال کے تاؤ کم ہو گیا تھا۔ شاید اس کی ڈور چھوڑ دی گئی تھی۔ فریدی نے جال کے پھندے توڑنے چاہے لیکن ایک ہاتھ سے یہ ناممکن تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے درخت کا تاجکار کھاتا۔

اچانک اسے اپنے قریب ہی ہلکی سی سر سراہٹ سنائی دی۔ اس نے پھر آواز کی سوت فائر کر دی۔ ایک چیز پھر گئی۔

”برساو... گولیاں برساو۔“ کوئی زور سے چینا۔ ”ادھر... اس طرف۔“

قبل اس کے کہ فریدی اس آواز پر بھی فائز کرتا۔ بیک وقت کئی فائز ہوئے اور ایک گولی تو اس درخت کے تنے پر بھی گلی جس سے فریدی جال سمیت چھٹا ہوا تھا۔

خطروہ اب بڑھ گیا تھا۔ فریدی نے سوچا اگر انہوں نے چاروں طرف سے گھیر کر فائز کر شروع کیا تو چھاؤ ناممکن ہو جائے گا۔

فائز پھر ہوئے اور اس بار وہ بال بال بچال۔ اس کا خدشہ درست نکلا تھا۔ اس بار اس کی پشت کو طرف سے بھی فائز ہوئے تھے۔

اس نے درخت کا تاج چھوڑ دیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ منہ کے بل زمین پر چلا آیا۔ جال کی ڈور دوبارہ تن گئی تھی اور اسے پھر کھیچا جانے لگا تھا۔

فریدی کے منہ سے ہلکی سی غراہٹ نکلی اور پھر اس نے چاروں طرف سے ہونے والے فائزوں کی پرواہ کئے بغیر جال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

اس کے بعد اسے ہلکی سے نکل بھاگنے کی تدبیر کرنی چاہئے تھی مگر اس پر توب خون سوا ہو گیا تھا۔ اس نے ایک درخت کے تنے کی آڑ لے کر اندر ھادھنڈ چاروں طرف گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ پھر وہ ریوالوں کے خالی چیبیر بھرنے کے لئے رکا ہی تھا کہ اس پر بیک وقت کو آدمی ٹوٹ پڑے۔

”مل گیا... مل گیا۔“ ان میں سے ایک چینا۔

حید علق چھاڑ چھاڑ کر جیخ رہا تھا لیکن قاسم کے کان پر جوں تک نہیں ریگ رہی تھی۔ نوکر شاگرد پیشے میں تھے لہذا ان تک اس کی آواز چھپنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ لڑکی کو لانے کے بعد خود اسی نے نوکروں کو چھٹی دے دی تھی۔

وہ پھر جھلا کر قاسم کی طرف پلتا۔

”اچھا... مرے سالے.... جہنم میں جاؤ۔“

”اے... گالی والی مت دینا۔“ قاسم غریباً۔

”ابے خدا کی قسم وہ نائم بم ہے۔“

”میرے ٹھیکنے پر....“ قاسم لاپرواں سے بولا۔

”تمہارے چیخڑے اڑ جائیں گے۔“

”پرواہ نہ کرو....!“ قاسم نہ کر بولا۔ ”میں تمہیں خوب سمجھتا ہوں.... اس میں بھی کوئی چال ہے۔ بتاؤ وہ لوٹیا کہاں ہے؟“

”لوٹیا کے پچھے۔“

”خاموش....!“ قاسم علق چھاڑ کر چینا۔ ”زبان سے گدی کھنچ لوں گا۔ تم خود لوٹیاں کے پچھے.... بلکہ چھوکری کے پلے۔“

حید پھر پلٹ کر دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹھنے لگا۔ اچانک دوسرے کمرے میں لاٹیں کی روشنی دھکائی دی۔

”کون ہے.... دروازہ کھولو....!“

”کون ہے....؟“ اس نے جواب میں ایک نوکر کی آواز سنی۔

”جلدی کرو.... کھولو....!“ حید چینا۔

دوسرے لمحے میں دروازہ کھل گیا اور حید کسی پاگل کتے کی طرح کمرے سے نکل کر چھنا ہوا ہلاگا۔ ”نکل آؤ.... باہر نکل آؤ.... خطرہ ہے۔“

اب قاسم کی کھوپڑی کی برف بھی کچھ پکھلی وہ سوچنے لگا اگر یہ مذاق ہوتا تو حید نوکروں کے مانے اس قسم کی حرکت نہ کرتا۔

”آگے بڑھو...؟“ کسی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔
 ”ہماری جانیں فالوں نہیں ہیں۔“ کسی دوسرے نے کہا۔ ”تم خود کیوں نہیں بڑھتے؟“
 ”چھا...!“ غرائی ہوئی آواز کے ساتھ ہی ایک فائر ہول۔ ایک چیخ ابھری اور شاید احتیاج
 رنے والا ہمیشہ کے لئے مختدرا ہو گیا۔
 کوئی کچھ نہ بولا اور نہ کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔
 ”لیا تھاری شامت آگئی۔“ غرائی ہوئی آواز پھر سنائی میں گونجی۔
 ”لیا کریں جناب انہیں۔“ کسی نے دلبی کی آواز میں کہا۔
 ”انہیں طرح مسلط تھی... اگر وہ بچ کر نکل گیا تو پھر ہم شہر میں قدم بھی نہ رکھ سکیں گے۔ تم
 بنتے تمل کر اس وقت کا کھیل بگڑا ہے۔“
 مخالف سمت سے پے در پے تین فائر ہوئے اور ادھر وہ جیجن بند ہو گئیں۔
 شاید بچج فریدی کا دماغ پھر گیا تھا۔ خطرات میں گھرے ہونے کے باوجود بھی وہ بار بار پلت
 پڑتا تھا۔ وہ فائر پھر ہوئے لیکن حملہ آوروں کی طرف سے اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ وہ سب بے
 تکاشہ زمین پر لیٹ گئے تھے۔
 پھر قریب ہی کے ایک درخت پر سے ان پر ثارچ کی روشنی پڑی اور ساتھ ہی دو فائر پھر
 ہوئے۔ دو جیجنیں.... اور پھر فریدی درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا دیر تک ان کے بھاگتے ہوئے
 قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔

مل گئی

دوسری صبح حید کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ کوئی کے دو کمرے ملے کے ڈھیر میں
 تبدیل ہو گئے تھے۔ قاسم ہسپتال میں تھا۔ اسے چوت تو نہیں آئی تھی لیکن دھاکے نے اس کے
 اعصاب پر نہ اثر ڈالا تھا۔ رات ہی کو اس کے مجھے کے چند ذمہ دار آفیسر بچنے گئے تھے اور انہوں
 نے اپنے سوالات سے ناک میں دم کر دیا تھا۔ لیکن حید نے انہیں اصل واقع کی ہوا بھی نہ لگنے
 دی۔ اس نے ان سے یہی کہا کہ وہ اس دھماکے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔ قاسم کے بارے
 میں بتایا کہ وہ کوئی میں تھا تھا اور قاسم کو تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنی زبان بند ہی رکھے۔

نوکر حید کے پیچے ہی دوڑتے پلے گئے تھے اور اب پھر انہیں چھا گیا تھا۔
 کمرے کے بنائی میں قاسم کو نام بم کی ”نک مک“ صاف سنائی دے رہی تھی۔ ہو سکتا ہے
 کہ یہ محض واہمہ ہی رہا ہو کیونکہ بم اس سے پانچ یا چھ گز کے فاصلے پر تھا۔
 ”ارے.... ببا پرے۔“ قاسم اچانک اچل کر بھاگا سب سے پہلے دیوار سے نکلا یا۔ پھر
 دروازے سے نکل کر دوسرے کمرے میں اونٹھے منہ فرش پر جا گرا۔ کمی مند
 ”حید بھائی۔“ وہ اپنی پوری قوت سے چینا اور پھر انھوں کو ٹوٹا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ کمی مند
 نک وہ مخفف کروں میں پچکراتا پھر ایکن اسے باہر نکلے کا کوئی راستہ نہیں ملا۔ ایک تو بد حواس ع
 اس پر بُری طرح مسلط تھی.... اور پھر انہیں.....
 پھر نہ جانے کیوں اسے چپ سی لگ گئی وہ اب حید کو آوازیں بھی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی
 حالت ایک اندر ہے گوئے اور بہرے آدمی کی حالت سے مشابہ تھی۔ ذہن میں صرف ایک خیال
 تھا کہ کسی طرح وہ جلد سے جلد باہر نکل جائے اور وہ باہر کیوں جانا چاہتا تھا؟ اس کا کوئی سوال ع
 نہیں تھا۔ اسے یاد ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ باہر کیوں نکلا چاہتا ہے۔
 دفتار ایک اتنا زبردست دھماکہ ہوا کہ قاسم کی آنکھوں کے سامنے زمین و آسمان کے چکدار
 چیزوں اڑنے لگے وہ لہرا کر دھم سے فرش پر گرد
 حید اور سارے نوکر باہر لان پر اونٹھے پڑے تھے۔
 آخر تھوڑی دیر بعد ان کے حواس درست ہوئے۔ قرب وجوار کی کوئی ٹھیوں سے لوگ نکل
 کر فریدی کی کوئی طرف آرہے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہاں خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

❀

فریدی کسی وحشی درمنے کی طرح ان لوگوں سے لڑ رہا تھا۔ پہلے دو ہی تین تھے مگر اب ان
 کی تعداد دس تک پہنچ گئی تھی۔
 ایک بار پھر وہ جھکائی دے کر ان کے زرنے سے نکل گیا۔ ابھی اس کے دوسرے ہو لشہر میں
 ایک بھرا ہوار یا الور باتی تھا۔ ایک تو اس نے اس جدوجہد کے دوران ہی میں کھو دیا تھا۔ ان
 الگ ہوتے ہی اس نے پے در پے دو فائر کئے اور پھر وہ انہیں میں دوڑتا چلا گیا۔
 جملہ آور ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے۔

اس حال کو پہنچ جانے کے بعد قاسم میں اتنی بہت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ حمید سے بحث کر اس نے چپ چاپ اس کے کہنے پر عمل کیا۔ ذی ائیں پیشی نے اس پر سوالات کی بوچھائی کیا؟ اس کے علاوہ اور کچھ نہ معلوم کر سکا کہ قاسم سورہ تھا۔ اچاک اس کی آنکھ کھلی اور اسے ایسا محظی ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ پھر اس کے بعد کے واقعات اس کی یادداشت سے جو ہو گئے۔ بیان یہ تھا اور زبان قاسم کی۔

یہ سب کچھ ہوا مگر فریدی کا کہیں پڑتا تھا۔ حمید کو سب سے زیادہ تشوش اسی کے متعلقی اسے یقین تھا کہ اسے بھی کوئی نہ کوئی حادثہ ضرور پیش آیا ہو گا کیونکہ مجرم اس کی ایکیم واقف ہو گئے تھے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ لڑکی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے فریدی کی کوئی تک کس طرح پہنچتے۔ حمید کو یقین تھا کہ پچھلی رات کسی نے بھی اس کی کار کا تاقاب نہیں کیا تھا پھر ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا تھا کہ مجرم پوری ایکیم سے قبل از وقت واقف ہو گئے تھے۔

فریدی کے لئے وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ مگر وہ اسے ڈھونڈتا بھی کہاں اس نے اپنی پورا ایکیم سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس کا کام بس اس لڑکی کے اخواء کے بعد ہی سے ختم ہو گیا تھا اور اس وقت تک لڑکی کو کوئی ہی میں روکے رکھنا تھا جب تک کہ فریدی ایکیم نہ آ جاتا۔ اس کے بعد کا کیا پروگرام تھا۔ یہ فریدی کو معلوم تھا یا خدا کو!

حمدید دن بھر ادھر اور بھکلتا رہا۔ لیکن فریدی کہیں نہ ملا۔ ایک بار اس نے "سیلس کلب" پر بھی چھلپا مارا۔ سیلس کلب کا لالک نہ اسرار طور پر کہیں غائب ہو گیا تھا۔ ملاز میں موجود نہ لیکن وہ اس کے متعلق کوئی ایسی بات نہ بتا سکے جس سے اس کی روپوٹی کی وجہ ظاہر ہو سکتی۔ پھر حمید نے اس لڑکی کے متعلق استفسار کیا۔ لیکن جواب میں وہی سب کچھ معلوم ہو رکا جس کا علم حمید کو پہلے ہی تھا۔ لیکن ملاز میں لڑکی کی شخصیت پر روشنی نہ ڈال سکے اور وہ ان دونوں آدمیوں سے بھی واقف نہیں تھے جو لڑکی کی گمراہی کرتے تھے۔ لڑکی ہی کی طرح وہ دونوں بھی ان کے لئے نہ اسرار گرتے۔

حمید کے ساتھ انپیٹر جگدیش اور چند کا نشیل تھے۔ انہوں نے پوری عمارت کی تلاشی کی۔ حمید نے اس کرے کو خاص طور سے دیکھا جس میں لڑکی اور اس کے دونوں گرمان مقیم تھے۔ ایک

خونی بگولے

49

بلد نمبر 15

یہ چیز الٹ پلٹ ڈالی لیکن کوئی ایسا سراغ نہ ملا جس سے مجرموں کی شخصیت پر روشنی پڑتی۔

آخر تھک ہار کر وہ ہسپتال کی طرف واپس آگیا۔ قاسم ابھی ہسپتال ہی میں تھا۔

حید کو دیکھ کر اس نے اسامنہ بتایا۔

"کب تک یہاں پڑا رہوں گا۔" اس نے کراہ کر کہا۔

"کیا تم یہاں سے چلنا چاہتے ہو؟"

"اور نہیں تو کیا یہاں زندگی بسر کرنے آیا ہوں۔ سالیاں مجھے دیکھ کر بنتی ہیں۔"

"وون....؟"

"یہی نر سیں! سالیاں....!"

"جب تو پھر تمہارے مزے ہی مزے ہیں۔" حید کے ہونٹوں پر پیکنی سی مسکرات نہودار ہوئی۔

شاید وہ آج صبح سے اس وقت تک پہلی بار مسکرا لیتا تھا۔

"میاں بس ختم کرو۔ خدا گوارت کرے ان عورتوں کو۔ اُن کی بدولت!"

"اچھا تم ٹھہر و..... میں تمہیں لے چلنے کا انتظام کرتا ہوں۔" حید نے کہا اور ڈاکٹر کے رے کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہسپتال سے گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔ قاسم اچھا خاصا تھا اور اب

اٹا کے اثرات اس کے اعصاب پر سے زائل ہو گئے لیکن وہ خائف اب بھی تھا۔

راتست میں زیادہ تر خاموشی رہی۔ صرف ایک بار قاسم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا تھا۔

"حید بھائی! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"کیوں.... کس لئے؟"

"میں تمہاری باتوں میں آکر بھی مصیبت میں پڑتا ہوں اور نہ آؤں تب بھی میرے لئے

لائنہ کوئی اقبال کھڑا ہو جاتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تمہارا کہنا مانسے پر مجھے گھر چھوڑنا پڑا۔ اور جب پچھلی رات میں نے طے کر لیا تھا کہ تمہاری

بات میں کھنہ آؤں گا تو مجھے چو ہوں کی سی موت نصیب ہوتے ہوتے رہ گئی۔"

حید بے اختیار مسکرا پڑا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ اس کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

”میری کار باہر موجود ہے۔“ حید نے سرد لبجھ میں کہا۔
”اوہ.... اچھا....!“ اس نے کہا اور پھر سلیز گرل کی طرف دیکھ کر ندامت آمیز لبجھ میں
لی۔ ”آپ کا بہت بہت شکریہ مجھے ذرا ایک کام یاد آگیا ہے میں جلد ہی واپس آ جاؤں گی۔“
اس نے بیک الٹھیا اور دروازے کی طرف مڑ گئی۔

حید اس کے آگے چل رہا تھا۔
مید نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور وہ دونوں اندر بیٹھ گئے۔ قاسم منہ چھاڑے انہیں
لکھ رہا تھا۔

”چلو... ڈرائیور کرو...!“ حید نے قاسم سے کہا۔
”پھر لے چلو گے انہیں؟“ قاسم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
”ہاں.... اور اس بار میں شرافت سے پیش نہیں آؤں گا۔“ حید نے کہا۔
لڑکی کچھ نہ بولی۔ اب اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار نہیں تھے۔ حید نے پھر اس کے
رازو میں پچھلی رات کی سی بے فکری اور لاپرواٹی محسوس کی۔
”وہ لوگ کہاں گئے؟“ حید نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔“
”لیکن اس وقت تمہارے حافظ کہاں ہیں؟“
”میں نہیں جانتی۔ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ میرا خال ہے کہ اب میں اس شہر کی سڑکوں پر
لوں کی طرح جیختی پھر دیں گی۔“
حید اسے گھونسنے لگا۔

لڑکی پھر بولی۔ ”ایسے بد معاشوں سے آج تک میرا سابقہ نہیں پڑا تھا۔“
”کیسے بد معاشوں؟“
”تم جیئے....!“ لڑکی بولی۔ ”انتہے دیدہ دلیر کہ علانیہ خود کو محمد سراج رسائی کا کوئی آفس
برکریں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں برادر راست کو تو انی پہنچایا جائے۔“ حید بھنا کر بولا۔
لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ”اگر تم لوگ اس کا مقصد بتا دو تو میں پاگل
نہیں سمجھتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟“

کیدی شہر کی ایک پر رونق شاہراہ سے گزر رہی تھی۔
اچاک حید چوک پڑا۔ اتفاقاً اس کی نظر ملبوسات کی ایک دوکان کی طرف اٹھ گئی تھی
اسے ہاں جو کچھ بھی نظر آیا وہ اسے چونکا دینے کے لئے کافی تھا۔

اس نے کیدی فٹ پاٹھ سے لگا کر روک دی۔
”کہاں چلے...؟“ قاسم بولا۔

”وہی لڑکی.... رات والی....!“
قاسم نے اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔

”یہ کیا حرکت....؟“ حید جھلا کر پلانا۔
”جانے دو حید بھائی! خدا کے لئے جانے دو۔“ قاسم بھرا تی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اب
اپنے قریب کوئی لڑکی نہیں دیکھنا چاہتا۔“

”الگ ہو...!“ حید اسے دھکا دے کر باہر نکل گیا۔
قاسم ٹھال ہو کر سیٹ پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ کچھ بڑی بھی رہا تھا۔ حید اس کی طرف دہ
دیے بغیر ملبوسات کی دوکان میں گھس گیا۔

لڑکی سلیز گرل کی طرف متوجہ تھی اور اس کے پیروں کے قریب چڑے کا ایک سفری
رکھا ہوا تھا۔ حید اس کے پیچے جا کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں کے درمیان فاصلہ اتنا کم رہ گیا تھا کہ
گرل چونکے بغیر نہ رہ سکی اور وہ لڑکی اس سے گفتگو کرنے میں اتنی محظی کہ اسے جی
موجود دی کی خبر نہ ہو سکی۔ لیکن پھر سلیز گرل کے چہرے پر استجواب کے آثار دیکھ کر مڑی
”اوہ....!“ اس کے منہ سے بیسانٹہ نکلا۔

حید نہ تو اپنی جگہ سے ہٹا اور نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہوئی اس کے ہونٹ بھینچے۔
تھے اور وہ برادر اسٹ لڑکی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”آپ کیا چاہتے ہیں؟“ اس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔
حید نے جواب میں جیب سے اپنالماقاتی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔
وہ چند لمحے اسے آنکھیں چھاڑے دیکھتی رہی پھر شنک ہوتھوں پر زبان پھیر کر بولی۔
نہیں سمجھتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”نہیں.... لیکن دو کمرے ذہیر ہو گئے ہیں۔“

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید نے قاسم سے کہا۔ ”مگر کی طرف چلو۔“

”ہمیں.... کو تو والی تو بجل رہے تھے۔“ قاسم نے کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر گلوگیر آواز

میں بولا۔ ”حید بھائی کو تو والی ہی چلو۔“

”میں جو کہہ رہا ہوں کرو.... ورنہ پھر کسی مصیبت میں پڑو گے۔“

”چھا بھائی....!“ قاسم مختصری سانس لے کر بولا۔

کیڈی چھٹی رہی۔

کچھ دیر بعد حمید پھر اس لڑکی سے مخاطب ہوا۔ ”مگر گلو خلاصی کا موقع ہاتھ آنے کے بعد

بھی تم اسی شہر میں کیوں موجود رہیں کیا تمہیں دوبادہ پکڑ لئے جانے کا خوف نہیں ہے؟“

”اگر آپ میرے چند سوالات کا تشفی بخش جواب دے دیں تو میں ہر قسم کی گنتگو کے لئے

تیار ہوں۔“

حمداد سے تیر نظرؤں سے دیکھ کر رہا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لڑکی ابھی کچھ اور بھی کہنا

چاہتی ہو۔

”قبل اس کے کہ تم کوئی بات بناو۔ میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ پولیس کی نظرؤں

میں تمہاری پوزیشن صاف نہیں ہے۔“

”کچھ بھی ہو لیکن میں ان سوالات کا جواب ہر حال میں چاہوں گی۔ رہی پولیس کی بات....“

تو مجھے آج تک دنیا کی کسی چیز سے خوف نہیں محسوس ہو۔“ لڑکی بولی۔

”ہوں....!“ حمید سے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”کیا پوچھنا چاہتی ہو؟“

”چلی بات تو یہ کہ مجھے اس طرح ان غواہ کرنے کا کیا مطلب تھا؟“

”تمہارے ذریعہ ہم چند خطرناک مجرموں تک پہنچا چاہتے تھے۔“

”کیا پولیس بھی اس قسم کے طریقہ اختیار کر سکتی ہے؟“

”تم ان باقوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔“

”مگر میں سمجھتا چاہتی ہوں۔ کیا آپ ان مجرموں کو براؤ راست نہیں پکڑ سکتے تھے؟“

”تمہیں ان معاملات سے کوئی سروکار نہ ہوتا چاہئے۔“

ہونے سے نک جاؤ۔“

”میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم یک بیک آزاد کیسے ہو گئیں؟“

”میں خود بھی نہیں جانتی.... آج صبح جب میں باہر نکلی تو میرے ساتھ کوئی بھی نہیں ز

بس اس کے علاوہ مجھے اور کسی بات کا علم نہیں۔“

”سیلس کلب کا الک اس وقت موجود تھا؟“

”نہیں! میں نے معمولی ملازمین کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا۔“

”وہ لوگ کون تھے جو تمہیں چھپلی رات ہمارے پاس سے لے گئے تھے؟“

”میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتی۔“

”پہلے کبھی نہیں دیکھا....؟“

”نہیں....!“

حمدید چند لمحے خاموشی سے اسے گھوڑا رہا پھر بولا۔ ”تم چھپلی رات کسی بڑے موچھ

والے کا تند کرہ کر رہی تھیں۔ کیا وہ کوئی چینی ہے؟“

”نہیں! وہ چینی تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔“ لڑکی بولی۔ ”چینیوں کے چہرے کی ساخت ہی ا

ہوتی ہے۔“

”کیا ان میں کبھی تمہیں کوئی چینی بھی نظر آیا ہے؟“

”کبھی نہیں.... مجھے یقین ہے کہ.... میں نے کسی چینی کو ان میں نہیں دیکھا۔“

”سیلس کلب میں....?“

”وہ تو دوسری بات ہے.... وہاں سینکڑوں گاہک آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان میں ہر نسل

قوم کے آدمی ہوتے ہیں۔“

”اچھا.... یہ تو متاؤ... کیا یہ ضروری ہے کہ میں تمہارے بیانات پر یقین ہی کروں۔“

”قطعی نہیں.... مجھے یقین ہے کہ آپ یقین نہ کریں گے۔“

”جانتی ہو.... چھپلی رات تمہارے ساتھی ہمارے بیان ایک نائم بم چھوڑ گئے تھے جو وہ

پھٹ گیا۔“

”درے....!“ لڑکی اچھل پڑی۔ پھر اس نے خوفزدہ سی آواز میں پوچھا۔ ”کوئی مراد تو نہیں۔“

"ہوتا چاہئے۔" لڑکی سخت لمحہ میں بولی۔ "کیونکہ میرا موجود بھی ان گور کو دھندوں میں ہوا ہے۔"

"مگر گور کو دھندوں میں...؟"

"ویکھئے! میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ اصل حالات کی مجھے خبر نہیں!"

"لیکن تم سمجھنا ہی کیوں چاہتی ہو۔ جب کہ تمہیں ابھی تک ان کی ذات سے کوئی نقص نہیں پہنچا اور پھر اب تم آزاد بھی ہو۔"

"آزاد...!" لڑکی نے تلخ لمحہ میں کہا اور سر ہلاکر رہ گئی۔

"کیوں... کیا تمہیں اس میں بھی شبہ ہے؟"

"ہاں اوجہات ہیں.... یہ بیک۔" اس نے اپنے سفری بیک کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

کل رات تک میرے پاس نہیں تھا۔ آج صبح جب میں سو کر اٹھی تو یہ مجھے اپنے سرہانے ملا۔ میں ایک کشیر قم موجود ہے اور میرے نام ایک تحریر بھی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اب:

آزاد ہوں اور جہاں چاہوں جاسکتی ہوں۔ خیر یہ سب تو پچھے بھی نہیں۔ ان میں سب سے زیاد تر اگیز چیز میرا الہنی پاسپورٹ ہے جو نیویارک کے لئے حاصل کیا گیا ہے لیکن میرے فرشتو کو بھی اس کے مقصد کا علم نہیں۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نیویارک جانے کی خواہش نہیں کی۔ پھر نہ صرف پاسپورٹ بلکہ دیرا بھی موجود ہے۔ کرنی میں پچھر قم امریکن سکون کی ٹھیکی ہے.... ذرا مجھے ان سب کا مقصد سمجھائے۔"

لڑکی نے بیک کھوکھ کر حید کے سامنے رکھ دیا۔

کینڈی کوٹھی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ حید کو پھاٹک پر ایک آدمی دکھائی دیا جس کا چہرہ پیرو سے ڈھکا ہوا تھا صرف آنکھیں ناک اور دہانہ نظر آرہا تھا۔ حید کے چہرے پر چھائی ہوئی مرد لیکھت غائب ہو گئی۔ کیونکہ وہ آدمی فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

قاتلہ کے روپ میں

تحوڑی دیر بعد وہ سب برآمدے میں بیٹھے ایک دوسرا کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ حید اپنی داستان سنا چکا تھا اور اب اسے توقع تھی کہ فریدی بھی کچھ کہے گا لیکن وہ خاموش ہے۔

رہا۔ اس کی نظر لڑکی کے چہرے پر تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تم پہاں آنے سے قبل کہاں تھیں؟"

قبل اس کے کہ لڑکی کوئی جواب دیتی حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اتنی دیر میں پہلی بار اس نے فریدی کی آواز سنی تھی۔

"کیا بات ہے؟" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"پچھے نہیں۔" حمید فوراً منسلک گیا۔ "ذرا مجھے ایک صاحبہ کو فون کرنا ہے۔"

پھر وہ ان تینوں کو برآمدے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آگیا۔ اس کے چہرے پر اندر وہی بیجان کے آثار تھے۔ اس نے میر کی دراز کھوکھ کر اپناریو والوں کا نکالا اور اسے جیب میں ڈال کر پھر واپس جانے کے لئے مڑھی رہا تھا کہ فون کی بھٹتی بھی۔

حمدی نے بُر اسامنہ بنا کر ریسور اٹھا لیا۔

"پہلو...!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا حمید ہو؟"

حمدی کے ذہن کو جھٹکا سالا گا اور اس کا پورا جسم کانپ کر رہا گیا۔ کیونکہ یہ سو فصدی فریدی کی آواز تھی۔

"پہلو کون ہے؟" دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔

"میں حمید ہوں۔"

"اہ... کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" حمید نے ہلکے سے قہقہے کی آواز سنی۔

"آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"اس کی فکر نہ کرو.... تم لوگوں پر جو کچھ گزرا ہے... مجھے معلوم ہے۔"

"مگر برآمدے میں ایک دوسرے افریدی موجود ہے لیکن پیچارے کو اپنی آواز پر قابو نہیں۔ لہذا میں اس کی آواز صاف کرنے جا رہا ہوں۔"

"ٹھہر...!" میں نے تمہیں اسی لئے فون کیا تھا کہ کہیں تم کوئی گز بڑھنا کرو۔ وہ انور ہے۔"

"اچھا...!" حمید ایک لمبی سانس لے کر رہا گیا۔ پھر اس نے مختصر الفاظ میں لڑکی کے متعلق اسے سب کچھ بتا دیا۔

"اچھا کھو... اس لڑکی کو اپنے ساتھ ہی رکھو۔ یہ کم بخت جو چال میرے ساتھ چل کچے

و گرام بارہے ہوں۔

لوکی نری طرح پھر گئی تھی۔ اس نے چیز کر کہا۔ ”مجھے جانے دو۔“

”بیہاں سے جانے کی صورت میں تم حوالات میں ہو گی۔“ حمید بولا۔

”مجھے اس کی پرواہ نہیں.... وہاں کم از کم میرے لئے الجھنیں تو نہ ہوں گی۔“

”الجھنیں تو نہ ہوں گی لیکن وہاں مجھے چیز شریف آدمیوں سے ملاقات ناممکن ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ میں تم پر حیرت انگیز انکشاف کروں گا۔“

لڑکی کے چہرے پر جلاہٹ کے ساتھ ہی نداہت کے آثار بھی اکھر آئے۔

پھر وہ پہنچنے لگی لیکن اس فحی میں رو دینے کا ساند از شامل تھا۔

”جلو جلو! بہت سی باتیں ہیں۔“ حمید اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ قاسم بڑی بے چینی سے بول بدلنے لگا تھا۔ دو تین بار کھنکارا بھی لیکن جب حمید کے ہاتھ پکڑنے پر وہ کھڑی ہی ہو گئی تو اس نے بڑی بے بھی سے افسر کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا وہ اسے فریدی ہی سمجھ رہا تھا اور اسے بحق تھی کہ وہ حمید کو اس حرکت سے باز رکھے گا۔

اور پھر جیسے ہی حمید لڑکی کو اندر لے جانے کے لئے مڑا قاسم پر کھانیوں کا دورہ پڑ گیا۔ لڑکی دل خواستہ حمید کے ساتھ چل رہی تھی۔

آخوندو ایک جگہ رک گئی۔

”لیکا کہنا چاہتے ہیں آپ....؟“

”چل آؤ.... میں تمہیں اس نام برم کی تباہ کاریاں دکھاؤں گا۔“

”مجھے یقین ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہو گا۔ وہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ انہوں نے مجھے حاصل سنے کے سلسلے میں دو تین خون کئے تھے۔“

وہ پھر حمید کے ساتھ چلنے لگی تھی۔ حمید نے وہ دونوں کمرے دکھائے جواب اینٹوں اور اسٹرک کا ذہر تھا۔

لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر اس نے پوچھا۔ ”ان صاحب کے چہرے پر پیالا کیسی مدھی ہوئی ہیں؟“

”چوٹیں ہیں....!“

ہیں وہی اب ان کے منہ پر ماروں گا۔ فکر نہ کرو۔ اور کے پاس پورا پرو گرام ہے۔ تمہارے قاسم کے پاسپورٹ بھی اسی کے پاس ہیں۔ اگر قاسم نے اپنا خیال بدیا تو اسے مجبور کر ضرورت نہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ اور سے الجھنے کی کوشش مت کرنا۔....۔

”گویا مجھے اس کے احکام کی تفیل کرنی پڑے گی۔“ حمید بگو کر بولا۔

”نہیں پیارے.... وقت ضرورت.... اچھا بس۔ فکر مت کرو۔ میں لڑکی کے منہ کرنے کے بعد پھر فون کروں گا۔ اُسے فی الحال روکے رہو۔“

”اچھا جناب....!“ حمید نے ٹھنڈی سائنس لی۔ ”حالانکہ اب قاسم چیز دیکھ کا یہ عالم لاکیوں کی شکل ہی دیکھ کر پسند چھوڑ دیتا ہے۔“

فریدی نے ایک مہلکے سے تھنچے کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمد بڑے اطمینان سے ٹھلاتا ہوا برآمدے میں واپس آگیا۔ بیہاں لڑکی فریدی کے سے الجھی ہوئی تھی۔

”تم رہمانا چنانچا ہاتھی ہو....؟“ حمید نے لڑکی سے پوچھا۔

وہ بڑی سرگردی سے اور سے بجٹ کر رہی تھی۔ اس بے شک سوال پر جھلا گئی۔

”میں اب صرف موت کا ناج ناچوں گی۔“

”بہت اچھا....!“ حمید مسکرا کر قاسم کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”اس ناج کے اسے بہتر ہم رقص تمہیں کھین نہ ملے گا۔“

اس نے ایک بار قاسم پر قہر آکوں نظر ڈالی اور پھر اور سے مخاطب ہو گئی۔ ”ہاں.... بات کا جواب دیجئے۔“

”تمہاری بات کا جواب یہ ہے کہ انھی ہم لوگ تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔“ اور

”مجھے جھوکنے جہنم میں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ آخر وہ لوگ مجھے سے کیا پاہتے ہیں۔“

”نہ میں جہنم میں جھوک سکتا ہوں۔“ حمید بولا۔ ”اور.... نہ....!“

انہوں نے حمید کو گھوڑ کر دیکھا اور حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ انہوں ہر معاملے

فریدی کی نقل اتنا نے کی کوشش کر رہا ہے۔

قاسم خاموش بیٹھا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب اس کو ذمہ کر۔

ہارنے ساتھ ہو گی۔ ”

”لیکا....؟“ حمید اپنی کوپڑی سہلانے لگا۔

”تو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو... سمجھ۔“

”سمجھ گیا۔ لیکن اگر وہ چلنے پر رضا مند نہ ہوتی تو...“ حمید نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے

انسی زبان میں کہا۔

”لیکا وہ اس وقت تمہارے قریب ہی موجود ہے؟“

”جی ہاں....!“

”اچھا.... اگر وہ تیار نہ ہو تو اس سے اتنا ضرور کہہ دینا کہ راجن کو ختم کرنے کے لئے نہیں
لہا استعمال کی گئی تھی۔“

”ڈر اوضاحت کجھنے.... میں نہیں سمجھا۔“ حمید نے کہا۔

لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید ریسیور کہ ریکی کی طرف مڑا۔ جو
بایک آرام کر سی میں پڑی ہوئی حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”ہاں.... آپ مجھ سے کہنا کیا چاہئے تھے؟“

”صرف اتنی سی بات کہ ایک بارہ دو کا کھاجانے کے باوجود بھی تم پر اعتماد کر لینے کو دل چاہتا ہے۔“

”میں آپ کو کس طرح یقین دلوں۔ مجھے مطلق علم نہیں کہ میرے جانے کے بعد کیا ہوں۔“

”اور نہ یہی جانتی ہو کہ اب کیا ہو گا۔“

”میں قطعی نہیں جانتی اور آپ کو آگاہ کر دینا چاہتی ہوں کہ اگر اب کچھ ہوا تو اس کی ذمہ
یہی مجھ پر نہیں ہو گی۔“

”میں نہیں سمجھا....!“

”جن حالات میں میری گلوغلاصی ہوتی ہے کیا وہ قابلِ اطمینان ہیں؟“

”ہرگز نہیں....!“

”پھر ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ان لوگوں کی کوئی چال ہو۔“

”تمہیں اس کا اعتراف ہے؟“

”لڑکی چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔“ ”ہاں مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میری

”لیکا.... وہ بھیاں تھا تھے۔“ لڑکی نے خوفزدہ انداز میں بلے کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں.... بہر حال یہ سب کچھ تمہارے ہی سلسلے میں ہوا ہے۔“

”آخر آپ لوگوں کو مجھ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟“

جواب میں حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر کچھ دیر ٹھہر کر بولا۔ ”آؤ وہاپس چلیں۔“

اب حمید سے اپنے کمرے میں لا یا۔ قاسم اور انور شاید اب بھی برآمدے ہی میں تھے۔

”تم پہلے کس قسم کے لوگوں میں تھیں۔“ حمید نے اس سے پوچھا۔

”میں نے پہلی رات آپ کو جو کچھ بھی بتایا تھا اس میں رتی برابر بھی جھوٹ نہیں۔ کچھ بھی

ہو وہ لوگ اتنے خطرناک نہیں تھے وہ جوئے کے اڑائے چلاتے تھے اور میرا کام یہ تھا کہ میں ش

کے دولت مند لوگوں کو ان اذوں سک پہنچانی تھی۔ لیکن آخر یہ لوگ مجھ سے کیا کام لینا چاہئے

تھے؟ میں کچھ پاکل ہو جاؤں گی۔“

”تم پھر بیٹنے لگیں.... اچھا ہتاو... چھوڑوان باتوں کو۔“

”میں بیکنے لگی ہوں؟“ لڑکی نے استغفار میں پوچھا اور پھر اس پر جلاہٹ طاری ہو گئی۔

حمد کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بھی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

”ہیلو....!“

”وون ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ حمید نے آواز پہچان لی۔ دوسری طرف سے

بولنے والا فریدی ہی تھا۔

”حمد....!“

”اچھا.... ہاں دیکھو تم نے لڑکی کے پاسپورٹ کے متعلق یہی کہا تھا کہ وہ نیویارک کیلئے ہے۔“

”جی ہاں.... اور ویرزا بھی ہے۔“

”پاسپورٹ صرف امریکہ کے لئے یا میں الاقوامی ہے؟“

”صرف امریکہ کے لئے.... اور ویرزا صرف نیویارک کے لئے ہے۔“

”خوب.... یہ بڑی دلچسپ بات ہے اور ہاں کل تم لوگ بھی نیویارک کیلئے روانہ ہو جاؤ گے۔“

”پیول....؟“ حمید جلاہٹ۔

”بکواس مت کرو۔ انور کے پاس تم لوگوں کے میں الاقوامی پاسپورٹ موجود ہیں لیکن لڑکی

سچھ میں بھی آتا ہے.... آخر آپ مجھے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں چھانٹنے کی کوشش کیوں
کر رہے ہیں؟"

"تینیں ایسی کوئی بات نہیں۔ آہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ گفتگو کبھی ختم نہ ہو۔"

حیدنے بڑی لمبی سانس کسپنچی تھی لیکن قبل اس کے کہہ کوئی دوسرا جملہ کہتا انور اور قام
بھی وہاں آگئے۔

"اچھا باقی آئندہ۔" حمید سرہلا کر بولا اور اسے گھورنے لگا۔

"وزیر ایک بات منے گا۔" حمید نے انور سے کہا اور قام سے یہ کہتا ہوا کہ وہ دیبا
ٹھہرے کرتے سے باہر نکل گیا۔ انور اس کے پیچھے تھا۔ حید اسے دسرے کمرے میں لايا۔

"شاید آپ کا گلا بھی گھوشا گیا تھا جھپٹی رات کو....!"

"کیوں....؟" انور نے کہا۔

"آواز کچھ اسی طرح بھیک مانگ رہی ہے۔"

"کیا مکواس ہے....؟" انور جھلا گیا۔

"سنوبیا! میں حمید ہوں۔ تمہیں فریدی بننا مبارک..... لیکن اگر میری شان میں ذرہ براہ
بھی گستاخی سرزد ہوئی تو تمہاری ناک اکھاڑا لوں گا۔"

بات بڑھ جاتی لیکن میلی فون کی گھنٹی آڑے آئی۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر اس کرے
میں آئے جہاں لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ حید نے بڑھ کر رسیور اٹھایا لیکن پھر اس نے اسے انور کا
طرف بڑھادیا۔ شدید کال اسی کے لئے تھی۔

انور گفتگو کے دوران میں زیادہ تر "ہوں....ہاں" کرتا رہا۔

وہ شام بڑی خوشنگوار گزری۔ کی بار حید اور انور میں جھٹپیں بھی ہوئیں لیکن بات زیادہ
نہیں بڑھنے پائی۔ قام پر البتہ قبرستان کا سناٹا طاری تھا۔

رات کو سارے خطرناک کتے کپاؤ نہیں آزاد چھوڑ دیئے گئے۔

حید چونکہ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے آٹھ ہی بجے سے خرائی لینے شروع
کر دیئے۔ اس کے بعد پھر قام بھی سو گیا۔ انور جا گتا رہا۔ وہ بار بار کوٹھی کے مختلف حصوں کے
چکر کاٹتا اور پھر ڈرائیکٹ روم میں آبیٹھتا۔

لڑکی ایک کمرے میں تھا سوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ انور کے جائیتے رہنے کا مقصد لڑکی کی
مرانی رہا ہو۔ کیونکہ وہ ہر چکر میں اس کے کمرے کے سامنے ضرور رکتا تھا۔ بیر ونی برآمدے میں
بانے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ کیونکہ باہر انہائی خطرناک قسم کے کتوں کا راجح تھا۔
کرسی کی پشت سے نکل کر انور نے سگریٹ سلگائی اور ابھی دو ہی تین کش لئے تھے کہ اسے
فریب راہداری میں کسی کے قدموں کی آہت سنائی دی۔

سگریٹ کو ایش مرنے میں رگڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

اس وقت کوٹھی کے کسی حصے میں بھی اندر ہیرا نہیں تھا حتیٰ کہ حید اور قام نے بھی سوتے
وقت اپنے کردوں کے بلب نہیں بجائے تھے۔

انور کو راہداری میں وہ لڑکی نظر آئی وہ آہتہ آہتہ چل رہی تھی لیکن.... اس کی آنکھیں
بند تھیں۔ شانے پیچے کی طرف ڈھلکے ہوئے تھے اور ہونزوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔ ایسی
مسکراہٹ جس کے لئے تغییبہ کی تلاش بے سود! زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جا سکتا تھا کہ وہ اس وقت
ایک ایسی معصوم بچی معلوم ہو رہی تھی جو سوتے میں مسکرا پڑی ہو۔ مگر یہ تغییبہ بھی اذہوری
تھی۔ کیونکہ بچیوں کی مسکراہٹ میں جنسیت کا لگاؤ نہیں ہوتا۔

وہ انور کے قریب سے نکل گئی۔ راہداری روشن تھی ممکن ہے انور سے اس کا فاصلہ ایک فٹ
سے بھی کم رہا ہو۔ لیکن لڑکی کی حالت میں ذرہ براہر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔

پھر اچانک انور کی نظر اس خیز پر پڑی جو لڑکی کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے
آگے بڑھا۔ لیکن پھر رک گیا۔ کیونکہ لڑکی بھی حید کے کمرے کے دروازے پر رک گئی تھی۔
اس نے بینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور کمرے میں چلی گئی انور بھی بجلی کی سی تیزی سے ساتھ کمرے
میں داخل ہو گیا۔

حید چلتا پڑا سو رہا تھا۔ لڑکی ٹھیک اس کے پلٹک کے پاس رک گئی۔ پھر اس کا خیز والا ہاتھ
بلند ہوا لیکن وہ دوسرا سے ہی لمحے میں انور کی گرفت میں تھا۔

لڑکی کراہ کر پلٹی اور پھر اس کی آنکھیں بھل گئیں۔ سرخ سرخ ڈرائی فریز... آنکھیں.... خیز
فرش پر گر گیا۔ حید مردوں سے شرط باندھ کر سویا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر اسے خبر نکلنے ہوئی۔
اچانک لڑکی کے منہ سے ایک خوفزدہ سی جیج نکلی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فرش پر پڑے

ہوئے خیبر کو دیکھنے لگی۔
”نبیں.... نبیں۔“
وہ سکیاں لیئے گلی۔

”وہ.... وہ.... دونوں تصویریں.... تھیں.... میں اب.... ہوش میں.... ہوں.
بالکل.... ہوش میں ہوں.... وہ تصویریں تھیں.... خیبر بھی بیک میں تھا۔“

دوسری اڑکی

جیسے ہی ہوائی جہاز کے پہلوں نے زمین چھوڑی۔ قاسم کے حلق سے یہک وقت کی قدم آوازیں نکل کر رہے گئیں۔ یہ اس کا پہلا ہوائی سفر تھا اور ایر ہوش جو ایک کافی خوبصورت لڑکی اسے شروع ہی سے تسلیاں دیتی رہی تھی لیکن جیسے ہی ہوائی جہاز اور اٹھا قاسم کو ایسا محظی ہوا جیسے اس کی کھوپڑی نیچے ہی رہ گئی ہو.... ہوش قریب سے گذر رہی تھی۔ حید نے قاسم طرف اشارہ کر کے اس سے کہا

”بھائی کو کچھ چاہئے۔“

”کیا چاہئے آپ کو....؟“ ہوش نے قاسم کی طرف جمک کر پوچھا۔

”پپ.... پپ.... حید اشوث۔“ قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

نہ صرف ہوش بلکہ آس پاس کے دوسرا لوگ بھی ہنسنے لگے۔ حید نے قاسم کے شاپ پر چکلی دی اور وہ اس طرح اچھل پڑا جیسے اس کی پیٹھ پر سانپ چڑھ گیا ہو۔ قاسم اور انور حید آگے ڈالی سیٹوں پر تھے اور وہ پہ اسرار لا کی حید کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ انور بھی فریدی کی ٹھکل میں تھا۔ لیکن اب کے چہرے پر پیشاں نہیں تھیں۔ البتہ یہاں وہاں کچھ ایسے نشانات ضرور نظر آرہے تھے جیسے خون جم کر کھڑن پڑ گئی ہو، سر پر ابھی تک پٹی تھی۔ لڑکی نے اپنی نیویار کر روانگی کے متعلق حیرت سے ضرور ساختا لیکن اس نے اس سے انکار نہیں کیا تھا۔ لہذا حید کو جملہ بھی نہیں دھرم اپنا تھا جو انکار کی صورت میں فریدی کے کہنے کے مطابق دھرنا تھا یہ سب کچھ تو تھا ہی لیکن بھیلی رات کا واقعہ نویست کے اعتبار سے ایسا نہیں تھا کہ اسے نظر انداز کیا جاسکتا۔ انور نے جو شاید فریدی کے ٹھکانے سے واقع تھا اسے اس وقت فون پر اس واقعہ کی اطلاع دے

دی تھی۔ اس پر فریدی نے جو رویہ اختیار کیا تھا اسے اس واقعے سے بھی زیادہ تعجب خیز کہنا چاہئے۔ اس نے اس واقعے کو کوئی اہمیت نہ دی اور انہیں تاکید کردی کہ لڑکی سے اس کے متعلق فتنی کچھ نہ پوچھا جائے۔ دوسرے دن ان کے ساتھ لڑکی کی روائی ضروری ہے۔

حید بڑی لمحن میں تھا۔ نہ اس جملے پر حیرت تھی اور نہ فریدی کے رو یہ پر۔ تعجب تو اسے اس خیبر پر تھا جس سے حملے کا دراہ کیا گیا تھا۔ اس خیبر سے آدمی تو بہت بڑی چیز ہے ایک نہما سا پرندہ بھی نہیں ہلاک کیا جاسکتا تھا۔ کیونکہ وہ چکدار میں کا ایک ٹوائے ٹریگر (خیبر نما کھلنا) تھا لیکن لڑکی اس طرح بد حواس ہو گئی تھی جیسے وہ حق اقدام قتل کے سلسلے میں پکڑی گئی ہو اور پھر اس کے وہ بے ربط تھے.... حید رات ہی سے کھول رہا تھا لیکن فریدی نے کہہ دیا تھا کہ اس سے کسی قدم کی بازا پر س کی ہی نہ جائے اور شاید لڑکی بھی ان کے اس رو یہ پر حیران تھی اور اس پر سے یہ حیرت انگیز سفر وہ اس وقت گم سم پیٹھی کچھ سوچ رہتی تھی۔ آنکھیں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں جیسے وہ اندر ہیرے میں کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

ہوائی جہاز بلندی پر چیخ کر سیدھا ہو گیا۔

قاسم کے منہ سے بھر ایک بے ہنگم سی آواز نکلی۔

”کیا میں کچھ گفتگو کر سکتی ہوں۔“ لڑکی نے حید سے پوچھا۔

”ضرور.... یقیناً....!“

”نیویار کچھنے کے بعد میر اکیا حشر ہو گا؟“

”حشر... میں نہیں سمجھا.... بھی میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ لڑکی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کا چہرہ ہر قدم کے جذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔

”ہم وہاں بہترین قدم کی جگہوں پر اعلیٰ قدم کی تفریق میں حصہ لیں گے۔“ حید بولا۔

”ہو سکتا ہے کہ میں وہاں چھپنے سے قبل ہی پاگل ہو جاؤں۔“

”تم دیسے ہی مجھے پاگل معلوم ہوتی ہو۔“

”میں رات والے واقعے کے متعلق گفتگو کرتا چاہتی ہوں۔“

”اوہ....!“ حید نے قہقهہ لگایا۔ ”ہم اس مذاق سے کافی محفوظ ہوئے تھے۔“

”نہیں.... نہیں.... وہ مذاق نہیں تھا۔“

64

”پھر....؟“ حمید نے اپنے لبجے میں حیرت کے آثار پیدا کئے۔
”میں کس طرح بتاؤں.... میری سمجھ میں آتا۔ میں نے شاید آپ سے اپنے مرض کا ذکر
کیا تھا کہ میں نیند کی حالت میں چلتی ہوں۔“

”خُم نے بتایا تھا۔“

”لیکن....!“

قبل اس کے کہ لڑکی جملہ پورا کرتی۔ انور پلٹ کربولا۔ ”بہتر ہو گا اگر ہم یہاں اس قسم کو
لگانگوٹونے کریں۔“

لڑکی نے حمید کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

”پروانہ کرو۔“ حمید نے کہا۔ ”زندگی اسی کا نام ہے۔“

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اب اس کے چہرے پر لمحن کے آثار نظر آ رہے تھے۔

”کب پہنچیں گے؟“ قاسم نے انور سے پوچھا۔

”فکر نہ کرو.... کبھی نہ کبھی پہنچنے کی جائیں گے۔ تم خاموش بیٹھے رہو۔ ورنہ طبیعت خراب
ہو جائے گی۔“

قاسم نے پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ اسے چھینک آگئی۔

”میں نہ کہتا تھا۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”منہ بند ہی رکھو ورنہ چھیکتے چھینکتے براحال ہو جائے گا۔“

قاسم نے تاک سکوڑ کر منہ پر رو مال رکھ لیا۔

”یہ صاحب کچھ عجیب ہیں۔“ لڑکی نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے آہتے سے کہا۔

”ہاں تمہارا خیال درست ہے۔“ حمید بولا۔ ”درست یہ افریقہ کے جنگلوں سے پکڑ کر لایا گیا تھا۔“

لڑکی مسکرانے لگی۔

”تم شاید مذاق سمجھتی ہو۔ یہ حقیقت ہے۔ پانچ سال کا تھا اور دور سے بن ماں کا بچہ معلوم
ہوتا تھا۔ اسے آدمی بنانے کے سلسلے میں میں ہزاروں روپے خرچ کئے گئے ہیں اگر تم اس وقت اس
کا نام پوچھتیں جب یہ آدھا سیاں تھا تو جانتی ہو کیا تھا؟“

”کیا تھا تھا....؟“

نمبر 15

65

خونی بگولے

”مگاں....!“

”میا مطلب....؟“

”قاسِم کو کامن کہتا تھا۔“

”نہیں جھوٹ۔“ لڑکی ہنس کر بولی۔ پھر اس نے بڑی سنجیدگی سے دوبارہ قاسِم کا جائزہ لیا۔

”میں سب سن رہا ہوں۔“ قاسِم مڑے بغیر غریا۔

”باکل آہستہ بولو تب بھی سن لیتا ہے۔“ حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر لڑکی سے بولا
لڑکی ہنسنے لگی۔

”اب اگر اسے پچھلے واقعات یاد دلاو۔ تو تم رامان جاتا ہے۔“

”لیکوں خواہ خواہ پر بیشان کر رہے ہیں آپ نہیں؟“ لڑکی بولی۔

”نہیں! نہیں کرنے دو پر بیشان۔“ قاسِم پلٹ کر بولا۔ ”میں بھی سمجھ لوں گا کبھی۔“

”وکھو....! اب کتنی صاف اردو بولتا ہے۔“ حمید نے قاسِم کی طرف زیکھے بغیر لڑکی سے کہا۔
قاسم اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر پھر سیدھا ہو گیا۔

”تم سنوئی مت....!“ انور نے قاسِم سے کہا۔ ”سمجھ لو کتا جو نک رہا ہے۔“

”شکر ہے کہ ہماری سیٹ محفوظ ہے۔“ حمید لڑکی سے بولا۔ پھر ایک سختی سانس لے کر
گا۔ ”دیکھو کہنے کا مقصد یہ تھا کہ دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں۔ کل کا بن ماں آج ہوائی
لئے سفر کر رہا ہے۔ حیرت انگیز بات ہے اسی طرح تم بلا مقصود امریکہ کا سفر کر رہی ہو اس لئے
اگر ماں پر نہ تو حیرت ہونی چاہئے اور نہ پر بیشانی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آج تک
میں معلوم ہوا کہ یہ کس قسم کے جانوروں کی اولاد ہے۔ شروع میں ڈاکڑوں نے کہا تھا کہ
لماساخت ہاتھیوں جیسی ہے۔ پھر رائے بدلتی دی۔ اس پر خاصہ نگاہ ہوں۔“

”اے تری ہنگامے کی....!“ قاسِم نے پلٹ کر گھونسہ چلایا۔ حمید چیچھے کی طرف تن گیا
کے بازو میں کافی چوٹ آئی.... وہ جھلا کر اٹھ ہی رہا تھا کہ انور نے اس کی کر پکڑ لی۔

”میا کر رہے ہو....؟ بیٹھو....!“

”میخ نہیں کرتے آپ....!“ قاسِم غصیل آواز میں بولا۔

”اب نہیں بولے گا.... بیٹھو تو۔“

قاسم بگزے ہوئے سانچی کی طرح "فون فون" کرتا ہوا بیٹھ گیا۔ انور حمید کی طرف مزکر "تم باز نہیں آؤ گے۔ خدا کے لئے اپنی زبان قابو میں رکھو۔" دوسرے مسافر انہیں حیرت سے دیکھنے لگے۔ اتنے میں ایئر ہو شس بوکھلائی ہوئی تا پاس پہنچا اور اس نے ہوائی جہاز میں سفر کرنے کے قواعد کے متعلق بتانا شروع کیا۔ "میری رائے ہے کہ آپ کافی چیجے۔ اس سے بڑا سکون ملتا ہے۔" اس نے اسے مشورہ "مناسب ہے۔" حمید بولا۔ ایئر ہو شس چلی گئی اور حمید پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن شاید اس کی طبیعت اب کچھ بگزا نے لگی تھی کیونکہ اس کا بھی یہ پہلا ہی فضائی سفر تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی اور اس کا سر سیٹ کی پشت سے ٹک گیا تھا۔

ادھر قاسم کے لئے کافی آگئی تھی اس نے جیسے ہی کپ ختم کیا اسے تے کرنے کے تھی بھی لینی پڑی اور پھر ایسا معلوم ہونے لگی جسے جہاز میں کوئی بگزا ہوا رہا تھا۔ دوسرے مسافر پریشان ہو گئے۔

قاسم ساتھ ہی "توبہ توبہ" بھی کرتا جا رہا تھا۔ اسے اپنے سارے پچھلے گناہ یاد آگئے بڑی مشکلوں سے یہ طوفان تھما۔ قاسم بدحواس ہو کر اپنی سیٹ میں پڑ گیا۔ دوسرے مسافر بُرے بُرے سے منہ بدار ہے۔ حمید نے بھی سیٹ کی پشت سے ٹک کر آنکھیں بند کر لیں۔ طبیعت کی جوانی پر رفتہ رفتہ حسی کی کھر مسلط ہوتی جا رہی تھی لیکن اس کا ذہن اب بھی جاگ رہا تھا۔ سکون ہوتے ہی اسے پچھلی رات کے واقعات یاد آنے لگے اگر انور لڑکی کو بروقت نُوك نہ دیتا تو ممکن تھا کہ اس کی ابھن تو دور ہو ہی جاتی۔ آخراں حرکت کا مقصد کیا تھا۔ لڑکی نے ہوش میں آنے کے بعد جو ربط جملے کہے تھے کیا جتھیا ان میں کوئی خاص بات پو شیدہ تھی؟ اگر اس کا مقصد قتل ہی کرنا پھر اس خبر نما کھلونے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ پھر اگر وہ نیند ہی کی حالت میں تھی تو جس کیوں...؟ اس نے قاسم کے کمرے کا رخ کیوں نہیں کیا تھا۔ انور بھی فریدی کے بھیں دیہن موجود تھا۔ اس پر یہ حملہ کیوں نہ ہوا؟ اور پھر اس پر فریدی کا رو دیے؟ وہ تو اس واقعے سے زیادہ غیر واضح اور ابھن میں بتلا کر دینے والا تھا۔ پتہ نہیں وہ لڑکی کیا بلا تھی اور فریدی نے

بجھ رہا تھا۔

حمید سوچتا اور او گھٹا رہا۔

راتستے بھر اس کی بے چینی بڑھتی ہی رہی۔ لیکن اسے ایک بار بھی لڑکی سے اس کے متعلق فلکو کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ انور بُری طرح سر پر سوار تھا۔ اگر حالات ایسے نہ ہوتے تو وہ بھی کام نور سے الجھ پڑا ہو تا لیکن اسے فریدی کے کہنے کا پاس تھا۔ پتہ نہیں اس کی اسکم کیا تھی۔

بیویارک پہنچ کر حمید کو ایک دوسرے حیرت انگیز واقعے سے دوچار ہونا پڑا جیسے ہی وہ ایئر پورٹ پر اترے ایک خوبصورت تند رست اور انتہائی اسارت فلم کی امریکن لڑکی ان کی طرف پڑھی۔

"اگر میں غلطی نہیں کر رہی تو تم ہی کرع فریدی ہو۔" اس نے انور سے کہا۔

"اوہ...!" انور اس سے گرجوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "کیا میں مس روزا شپرڈ کو نہیں پہنچانوں گا۔"

"پہنچان لیا تم نے... ہاہا...!" لڑکی نے قہقهہ لگایا۔ پھر یک یہک سمجھیدہ ہو کر بولی۔ "تمہارے سر میں کیا ہوا ہے؟"

"چوٹ....!" انور نے مکرا کر کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "مس شپرڈ سے ملو۔ میری اور ان کی دوستی بہت پرانی ہے لیکن ہم نے ایک دوسرے کو پہلے پہل دیکھا ہے یہ میرے ساتھی کیپن حمید ہیں۔"

"اوہ! بُری خوشی ہوئی۔" روزانے حمید سے مصافحہ کیا۔

"اوہ یہ سُرث قاسم میرے دوست اور یہ مس ریکھا۔ کیپن حمید کی سیکریٹری۔"

روزانے قاسم کو حیرت سے دیکھا لیکن اس وقت قاسم کے چہرے سے تینی برس رہی تھی اور اس کا پھرہ اتنے بڑے ڈیل ڈول پر بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی پہلا کی چونی پر ایک حصیر کدو رکھ دیا گیا ہوں۔

حمدید روزا کو بُری توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ دل ہی دل میں فریدی لوئر ابھلا بھی کہہ رہا تھا۔ فریدی جو خود کو عورت کے معاملے میں انتہائی خلک ظاہر کرتا تھا۔ روز انور سے بن ہنس کر باتیں کرتی رہی اور حمید کے سینے پر سانپ لوٹتے رہے۔

جید او نگھنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی نیند گہری ہو گئی۔
پھر پتہ نہیں وہ خود ہی جا گایا کسی نے اسے بچھوڑ کر جگایا۔
کار رک گئی تھی اور بقیہ لوگ بیچے اتر رہے تھے۔ حمید نے بھی جلدی سے ان کی تقدیم کی۔
چاں کا کار رکی تھی وہ ایک چھوٹا سا باعچپہ تھا اور اس کے وسط میں ایک مختصر سی دو منزلہ
مارٹ نظر آرہی تھی۔

وہ عمارت کی طرف چل پڑے۔ روزا ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔ اور پھر اس عمارت میں
اٹل ہوتے ہی حمید کے ذہن کو اتنا تازہ بردست جھکتا کہ اسے چھٹی کا دو دھیاں آگیا۔
اس کے سامنے سنگ ہی کھڑا اسکر اڑا تھا اور اسی کے قریب وہ امریکن ماہر آثار قدیمہ بھی
بوجوہ تھا جس کی پارٹی نے مردہ شہزادی کے طوق کے لئے سنگ ہی سے پاتا ہو چکی تھی۔
لیکن..... ان دونوں کے انداز سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے اب وہ بہت گہرے دوست ہوں۔

نئی مصیبت

حمد اور اسکے ہم سفر اس طرح کھڑے تھے جیسے ان کے جسموں کا سارا خون مخدود ہو گیا ہو۔
”کرنل فریدی.... اور کمپٹن حمید۔“ سنگ ہی طنزیہ انداز میں جھک کر بولا۔ ”وہاں آپ نے
مجھے شرف میزبانی بخشے سے انکار کر دیا تھا لیکن میں آپ کا منکور ہوں کہ آپ نے ہزاروں میل
کی دوری پر مجھے سرفراز فرمایا۔ آپ کھڑے کیوں ہیں؟ تشریف رکھئے تا۔۔۔ آپ کا یہ خادم ہیاں
بہت عزز سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ڈاکٹر؟“ سنگ ہی نے بوڑھے ماہر آثار قدیمہ کی طرف دیکھا۔ پھر
اس کی نظر قاسم پر پڑی۔ وہ اس کے ڈیل ڈول کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

”آپ کی تعریف....؟“ اس نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے حمید سے پوچھا۔
”میرا خیال ہے کہ پہلے تم اس سے تعارف حاصل کرو۔“ حمید نے ریکھا کی طرف اشارہ کیا۔
سنگ ہی نے ہلاکا ساقہ پھٹکا کر کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ یہ تم لوگوں کے لئے درود سربی۔“
”نہیں! یہ ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ ہم اسے تمہارے پاس پہنچا دیں۔“
”شکریہ.... شکریہ۔“ سنگ ہی سر ہلا کر بولا۔ پھر اس نے اور سے کہا۔ ”کرنل صاحب
اپ کیوں خاموش ہیں....؟“

”قاسم کیا خیال ہے؟“ اس نے قاسم کو آنکھ مار کر کہا۔
”خیال انک گیا ہے۔“ قاسم کمزور سی آواز میں بولا۔
”کیا مطلب...؟“

”کچھ بجھائی نہیں دیتا۔“ قاسم نے اپنے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔
حمد نے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

نیویارک کی سر بغلک عمارتوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ذرا ہی دیر میں اس کا
چکر اگیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔

اس کی ہم سفر لڑکی ریکھا اس سے بھی زیادہ بہوت نظر آرہی تھی۔
وہ وینگ ردم میں آئے۔ امریکن لڑکی روزا انور کو باتوں میں الجھائے ہوئے تھی۔ وہ تھوڑا
دیر کے لئے وہاں سے بھی تو حمید نے انور کو الگ بلا کر اس کے متعلق استفسار کیا۔

”میں کچھ نہیں جانتا۔“ انور بولا۔ ”فریدی صاحب نے وہاں مجھے اس لڑکی کی ایک تصویر دی
اور نام بتایا تھا۔ یہ بھی کہا تھا کہ یہ نیویارک میں ہمیں ملے گی اور ہمارا قیام اسی کے بیہاں سے ہو گا۔“
”آخر فریدی صاحب اسے کیسے جانتے ہیں؟“ حمید نے کہا۔ ”اوہ پھر تمہیں دیکھ کر اس۔
اس طرح گفتگو شروع کی تھی جیسے وہ فریدی صاحب کو جانتی تو ہو مگر ملنے کا اتفاق بھی ہی بارہ ہوا ہو۔“
”شاید وہ دونوں پن فرینڈز ہیں۔“

بات بیہیں تک پہنچی تھی کہ روزا اپنے آگئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نہایت شاندار کار میں
بیٹھنے ہوئے نیویارک کی کشادہ سڑکوں سے گزر رہے تھے۔

قاسم کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی اور روزا کو اس طرح آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر دیکھ رہا
جیسے وہ اچانک آسمان سے اس کار میں پیکی ہو۔ ریکھا آنکھیں بند کئے سوچ رہی تھی۔ شاید وہ رو
کے مقابلے میں احساسِ کتری کا شکار ہو گئی تھی۔

کار کا سفر طویل ہی معلوم ہو رہا تھا کیونکہ متواتر ایک گھنٹہ چلنے کے بعد بھی وہ کسی عمارت
کے سامنے نہ رکی۔

پھر نیویارک کی اوپنی عمارتوں والا حصہ بہت پیچھے رہ گیا۔
اب ان کے گرد دپیش ہرے پھرے باغات اور کھیتوں کے نہ فتح ہونے والے ملے تھے۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ واقعی تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔“ انور مسکرا کر بولا۔
”بہت زیادہ... کرتل... بہت زیادہ۔“

”ختم کروایہ باشیں۔“ ڈاکٹر شپرڈ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر اس نے روزا کی طرف دیکھ کر کہا۔
اسی وقت شہر واپس جاؤ۔“ ڈاکٹر شپرڈ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ میرے مہمان ہیں۔ میں انہیں یہاں چھوڑ کر کے
جاسکتی ہوں۔“

”نہیں بے بی۔“ سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ یہ دراصل میرے مہمان ہیں۔“
”میں نہیں کبھی مسٹر سنگ۔“

”اب سے چھ ماہ پیش تھا ہمارے ذیلی مشرق میں تھے۔“
”ہاں!...!“

”ان لوگوں نے وہاں ان کے ہاتھوں میں ہھکڑیاں ڈالی تھیں۔“
”کرتل فریدی نے...؟“ روزا کے لجھ میں حیرت تھی۔

”ہاں!...!“

”کیوں ذیلی...؟“

”تم جاؤ... تمہیں ان باتوں سے کوئی سر و کار نہ ہونا چاہیے۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے سخت لمحے میں کہا
”میں نہیں جاسکتی...“ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔ تم جانتے تھے کہ میں نے کرتل سے
خط و کتابت کے ذریعہ دوستی کی ہے۔ جب اس نے مجھے ایریگرام کے ذریعہ مطلع کیا کہ وہ نینیار ک
آرہا ہے تو تم ہی نے مجھے اس کو اپنے یہاں مد عکر نے کی ترغیب دی تھی۔ آخر تم نے مجھے پہلے ہی
کیوں نہیں بتایا۔“

”مکاروں کو مکاری ہی سے مارتے ہیں بے بی۔“ سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا
”آہا!...!“ قاسم باتھ نچا کر دھاڑا۔ ”تم سالے جھینکر کی اوالا... ہمیں مارو گے۔“ پھر اس
نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”مجھے روکئے گا نہیں۔“

”بڑے جیا لے معلوم ہوتے ہو۔“ سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ ”ذرالاپنے چاروں طرف بھی ایک
نظر ڈال لو۔“

انہوں نے چاروں طرف اچھتی ہوئی نظر ڈال۔ تین آدمی خائف ہجھوں پر ہائی گنٹس لئے
رہے تھے۔

”یہ نہیں ہو سکتا۔“ روزا چیخ کر آگے بڑھی۔

”جلی جاؤ...!“ ڈاکٹر شپرڈ غریبا۔

”ڈیڑی! تم ایک مہز آدمی ہو۔“ روزا بے بی سے بولی ”میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتی تھی۔ یہ
اہواج ہے۔ میرے خدا... ڈاکٹر شپرڈ اور قاتل...!“

”پوتھر...!“ سنگ ہی بولا۔ ”بے بی کو یہاں سے ہنا دو۔“

”میں نہیں جاؤں گی۔“

”روزی...!“ ڈاکٹر نے کسی کو پکارا۔ دوسرا بے بی لمحے میں ایک پستہ قدار مضبوط جسم کا
ریکن کر کے میں داخل ہوا۔

”روزی کو... شہر لے جاؤ۔“

”میں نہیں...!“

”شت اپ...!“ ڈاکٹر حلق پھاڑ کر چینا۔ اس کی آنکھیں برداہ راست روزا کی آنکھوں میں
بی ہوئی تھیں اور روزا کے پیر کانپ رہے تھے۔

”پڑھی...!“ روزا نے اس کا شانہ چھوڑ کر کہا۔
روزا چین اور احتجاج کرتی چلی گئی۔

جید نے انور کی طرف دیکھا بودم بخود کھڑا ہوا تعالیٰ سے حیرت تھی کہ انور اتنا خاموش کیوں
ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سنگ ہی طوق تو حاصل کر ہی پکا ہے۔ پھر اب کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے
ٹھوں کو زندہ ہی رکھے۔ فریدی سے اس بات کا خدشہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا تعاقب کرے
۔ لہذا اپنی داشت میں فریدی پر قضا پالینے کے بعد وہ چوک نہیں سکتا۔

”ہاں کرتل اب بتاؤ۔“ سنگ ہی اطمینان سے بیٹھ کر سگریٹ سلاکتا ہوا بولا۔ ”میں یہاں
لکھوں گا کہ تم کتنے طاقت ور ہو۔“

اچانک انور کی آنکھوں سے بد حواہی جھاکنے لگی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور ہکلا
۔ رہ گیا۔ اس پر ڈاکٹر شپرڈ اور سنگ ہی دونوں ہنس پڑے۔

حیدر دل ہی دل میں جل بھن کر رہا گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ انور کا گلاد بادے کم بڑا جب فریدی کی پوری نقل نہیں اتار سکتا تو ایسے آدمی کو اپنی جگہ دینے کی ضرورت ہی کیا تھا ری سوچ کر حیدر کو فریدی پر غصہ آگیا۔

”مجھ سے پوچھو کیا چاہتے ہو.....؟“ حیدر نے سنگ ہی سے گرج کر کہا۔

”ہاں انہیں سے پوچھ لو۔“ انور رو دینے والی آواز میں بولا۔ ”میں تو ایک غریب آدمی ہوا تیری طرح پھنس گیا ہوں۔“

”شٹ اپ.....!“ حیدر نے انور کو دھکایا۔

”تم بھی مار لو بھائی۔“ انور بچ جو رونے لگا۔

”ہائیں... فریدی صاحب۔“ قاسم گٹریڈا کر بولا۔

”فریدی صاحب کی ایسی کی تیسی۔“ انور اپنا سر پیٹنے لگا۔ ”میں برباد ہو گیا۔ سنگ ہی اور زان پھردا انہیں حرمت سے دیکھ رہے تھے۔“

”ابے او مردو دی کیا کر رہا ہے۔“ حیدر دو میں دھاڑا۔

سنگ ہی نہ صرف اردو سمجھتا تھا بلکہ اپنی خاصی بول بھی لیتا تھا۔ حیدر کی زبان سے۔ آفسر کے لئے اس قسم کے جملے سنتے ہی وہاچھل کر کھڑا ہو گیا۔

وہ آنکھیں بچاڑ بچاڑ کر انور کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا انور سے صرف دو ذکر کے فالصے پر رک گیا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی اور اندر کو حصی ہوئی چھکلی آنکھیں انور کی آنکھاں میں بھماک رہی تھیں۔

”حیدر بھائی پاگل ہو گئے ہو کیا.....؟“ قاسم حیدر کے قریب سرک کر بدبدایا۔

دفتار سنگ ہی ڈاکٹر شپرڈ کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹ بھنپنے ہوئے تھے اور نتفے اس طرح پھول رہے تھے جیسے اس کی سانس رک گئی ہو۔

”یہ فریدی نہیں ہے۔“ اس نے ڈاکٹر شپرڈ سے کہا۔

”میا.....؟“ ڈاکٹر شپرڈ بھی اسی طرح اچھلا جیسے کری کے دانت نکل آئے ہوں۔

”ہاں..... یہ فریدی نہیں ہے۔“ سنگ ہی پلٹ کر انور کا گریبان پکڑتا ہوا بولا۔ ” بتاؤ! تم کا ہو....؟“

”مم.... میں.... ایک قیدی ہوں۔“ انور گزگزایا۔ ”فریدی نے مجھے اس شرط پر جیل سے بھائی دلائی تھی کہ میں اس کی محل میں اس کے آدمیوں کے ساتھ نبیمار ک جاؤں گا۔“

”یہ تو بہت براہوں۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

”ہاں.... ہواتو۔“ سنگ ہی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ اس کی پیشانی پر تکنیس ابھر آئی تھیں۔

پھر وہ حیدر کی طرف پڑا۔

”فریدی کی کہاں ہے؟“

”میں نہیں جانتا۔“ حیدر نے لاپرواں سے اپنے شافون کو جبکش دی۔

”میں بہت بڑی طرح پیش آؤں گا۔“

حیدر اس کی بات سنی آن سی کر کے ڈاکٹر شپرڈ سے بولا۔

”ڈاکٹر تم مجھے بڑے بے قوف آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

”کیوں....؟“ ڈاکٹر شپرڈ بھنا گیا۔

”کیپشن لو تھر کا انجام پیش نظر ہوتے ہوئے بھی تم نے ایسے خطرناک آدمی سے گھے جوڑ رلایا۔ یاد رکھو۔“ سنگ ہی ایسا کہتا ہے جو آنکھ بند کر کے مملہ کرتا ہے۔“

”تم اپنی فکر کرو لڑ کے۔“ سنگ ہی غرایا۔

”پواہن کرو.....!“ حیدر مسکرایا۔ ”شاید تم وہ رات بھول گئے جب تم نے کیپشن لو تھر سا کی دھنی میں میری جان لینے کی کوشش کی تھی۔ کیا تمہیں میری فولادی انگلیاں یاد نہیں؟“

”نکوس بند کرو.....! موت تم سے زیادہ دور نہیں۔“

”ہم لوگ موت کے ہمسائے ہیں مسٹر سنگ.....!“ حیدر تھیک آمیز مسکرہٹ کیا تھوڑا بولا۔

”آنہیں تو ختم ہی کرو۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے غصیل آواز میں کہا۔

”ختم تو کئے ہی جائیں گے۔“ سنگ ہی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”لیکن ذرا نہبڑو۔ طوق ہی ناکمل ہے۔“

”ہاں نہیں ہے۔“ شپرڈ بڑی بڑیا۔

”طوق ناکمل کیوں ہے۔“ حیدر نے حرمت سے پوچھا۔

”زبان بند کرو.....!“ سنگ ہی جھلا کر بولا۔

¹ اک اور پس پادھنے کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول ”نیلی لکیر“ جلد نمبر 14 ملاحظہ فرمائیں۔

فپر ذینوں مسلح آدمیوں میں سے ایک کو الگ بلکہ آہستہ پچھ کرنے کا۔
”میں نے تمہیں پہلی بار غصے میں دیکھا ہے۔“ حید نے تھیک آمیر لمحہ میں سگ ہی۔
کہا۔ ”شاید یہ اس لکھتے کا نتیجہ ہے۔“
”لکھتے....!“ سگ ہی اپنا مود بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”ابھی قی خ و لکھتے
سوال ہی نہیں.... یہ ایک لمبادا ہے.... فریدی بھی کیا یاد کرے گا۔ مگر اتنا بتا ہوں کہ
دونوں کے ستارے بہت اچھے ہیں۔“

”مانسے ہونا.... ہم لوگ ستارے نہیں بلکہ سورج رکھتے ہیں.... مگر سگ ہی۔ تم نے طو
کے نامکمل ہونے کے متعلق کیا بات کمی تھی؟“
”پچھ نہیں اکوئی خاص بات نہیں.... تم لوگ واقعی ہمارے مہماں ہو۔“

”تو کیا تم مجھ سے کیس معاملے میں گفتگو ہی نہ کرو گے؟“ حید نے کہا۔
”کیوں.... کیسی گفتگو؟“

”طوق کے متعلق۔“

”آپنی زندگیوں کے متعلق گفتگو کرنا چاہو تو میں تیار ہوں۔“
”میں نہیں سمجھا۔“

”کیا تمہیں زندگی عزیز نہیں ہے؟“
”ہے کیوں نہیں؟“

”پھر ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔“

”ہمیں تمہارے خزانے سے غرض نہیں۔“ حید نے کہا۔ ”میرا اخیال ہے کہ طوق کی وجہ
ہی تمہارے لئے اہم ہو سکتی ہے۔“

”میں اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔“

”تو پھر ہماری زندگیوں کے متعلق بھی تمہارا لگر مند بہنا نہشول ہیتی ہے۔ ہم اسے مل
حکومت کے پرد کے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔“

سگ ہی چند لمحے خاموش رہا پھر سکرا کر بولا۔
”تم شاید اس لئے مطمئن ہو کہ فریدی میری گرفت میں نہیں آیا لیکن اس خیال میں نہ

”تمہارا لک نہیں.... بیہاں تم سگ ہی پر سبقت نہیں لے جاسکتے۔ تم نہیں جانتے کہ میں ان
مراف میں کتنا بااثر ہوں۔“

”میں ہاں.... میں ہاں.... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ قاسم اپنا پیٹ دباتا ہوا بولا اسے
راصل بہت شدت سے بھوک گئی ہوئی تھی اور نہ جانے کیوں اسے بالکل خوف نہیں محوس
درہاتا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سب کچھ محض مذاق ہو۔

”یہ کون ہے؟“ سگ ہی نے ایک بار پھر قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھ کر پوچھا۔
”تم اپنے اثر و سورج کی بات کر رہے تھے۔“ حید نے اسے نوکا۔
”پچھ نہیں....!“ سگ ہی جھلاہٹ میں ہاتھ ہلا کر بولا۔
ہال گھوں سے مسلئے آدمی ان کی طرف بڑھے۔

”کھکو....!“ ان میں سے ایک دروازے کی طرف نای گن کی نال بے اشارہ کرتا ہوا غیر یاد
وہ سب دروازے کی طرف چلتے گئے۔

”تم یہیں ظہرو و....!“ سگ ہی نے ریکھا سے کہا۔
”وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف جماں رہا تھا۔
اس نے بڑی بے نی سے حید کی طرف دیکھا۔

”سگ ہی....!“ حید بھی چلتے چلتے رک کر بولا۔ ”تمہارا مقصد تو پورا ہوئی چکا ہے اب اسے
سے ہی سماحت رہنے دو۔“

”لیکا مقصد....؟“ سگ ہی نے حرمت سے کہا۔ ”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ یہ میری شخصی
اکی محబہ ہے.... میں اسے جاہتا ہوں.... ریکھاڑا لگ! اب تم مجھ سے جدا نہیں ہو گی۔“
”میں نے آپ کو پہلے بھی نہیں دیکھا۔“ ریکھا خوفزدہ آواز میں بولی۔

”تم چلتے....!“ ایک مسلح امریکن نے حید کو دھکا دیا اور وہ چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔
تحوڑی دیر بعد وہ ایک کمرے کے فرش پر بیٹھے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے
دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

یہ کمرہ غالباً گھر کے اسٹور کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ چاروں طرف مختلف قسم کی
بل کے انبار تھے اور دزمیان میں تحوڑی سی جگہ غالی تھی وہیں یہ ذینوں بیٹھے اپنے اپنے مستقبل

میں جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

”یہ تم نے کیا کیا انور....؟“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

”یہ بھی اسکم ہی کا ایک حصہ تھا۔“

”میں لخت بھیجا ہوں اس اسکم پر.... جس سے مجھے بے خبر رکھا گیا۔ تم کیا مجھ سے زیادہ ہو؟“

”یہ فریدی صاحب کا نظریہ ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”میرا پنا نہیں۔“

”یعنی تم مجھ سے زیادہ ہو۔“

”یقیناً....!“

”میں تمہیں اپنے جوتے کی خاک کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔“

”مت سمجھو۔“

”ارے باب رئے۔“ وفتح قاسم اچھل پڑا اور پھر وہ باقاعدہ اچھلنے کو دنے لگا۔ ایک ہری چوہیا اس کی پتوں کے پانچھے سے نکل کر بھاگی۔

”ارے خدا تجھے غارت کرے۔“ وہ زور سے دہڑ کر اس کے پیچھے جھٹا لیکن وہ ڈبوں کے میں غائب ہو گئی۔ پھر انہوں نے قاسم کو ہٹتے سن۔ وہ تمیز سے اُن کی طرف ملٹ کا آہستہ بولا۔ ”درجنوں ڈبے.... خدا کی قسم.... مرہ آگیا۔“

”کیا ہوا....؟“

”مچھلیوں اور پھلوں کے ڈبے.... خوب ڈٹ کر کھاؤ مری جان.... آہم۔“

قاسم ڈبوں پر ٹوٹ پڑا۔

پُراسرارِ مشرقی

روزار استے میں کافی دیر تک سکیاں لیتی رہی۔ رو جر خاموشی سے کارڈ رائیو کر رہا تھا۔

نے ایک بار بھی نہ تو اس کی طرف دیکھا اور نہ اٹھا رہ بھر دی کے سلسلے میں کچھ کہا۔

”رو جر....!“ آخر روز اسی نے اسے مخاطب کیا۔ ”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں ذینی سمجھتی تھی۔“

”وہ تو سب ٹھیک ہو رہا ہے لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا کہ ڈاکٹر اس دو غلے پر

اشٹاک کریں۔“

”لیکن وہ ہے کون....؟“

”سُنگ ہی.... ایک جلاوطن چینی.... جس نے اپنے ملک کی حکومت کا تختہ اللہ کی سازش کی تھی۔“

”ذینی اس سے کس معاملے میں اشتراک کر رہے ہیں۔“

”یہ انہیں سے پوچھنے تو بہتر ہے۔ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔“

”اچھا تو ہمیں بتاؤ کہ اس ایشیائی سراغ رسان سے وہ کیوں الجھ رہے ہیں؟“

”میں کچھ نہیں بتا سکتا میں۔“

روزا کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

”مجھے ذینی نے دھوکا دیا ہے.... اسے میں کبھی نہ بھولوں گی۔ وہ اب میں سمجھی۔ انہوں نے اسی لئے مجھے فریدی سے قلمی دوستی پیدا کرنے پر اکسیلا تھا۔“

”مسی.... میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔“

روزا کچھ نہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”مجھے سکھتھے ایونو میں وائیلڈ کٹس کے سامنے اتار دیتا۔“

”بہت اچھا....!“ رو جر بولا۔ ”گرداؤ کرنے تو....!“

”وہ انہوں نے گھر نہیں شہر کہا تھا.... جو میں کہہ رہی ہوں کرو۔“

رو جر نے گاڑی سکھتھے ایونو کی طرف موڑ دی۔

اور پھر روزا وائیلڈ کٹس (Wild Cats) کے سامنے اتر گئی یہ ایک شاندار ہوٹل تھا۔

وہ چند لمحے باہر ہی کھڑی رہی۔

رو جر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اسے اس کی روائی کا انتظار تھا۔ وہ تو اس یونی بلہ مقصد پاہر کی تھی اور پھر جیسے ہی وہ اندر جانے کے لئے مڑی اسے ایک مشرقی آدمی دکھائی دیا جو اس کے قریب ہی کھڑا اسے تیری طرح گھور رہا تھا۔ روزا کم گئی اسے اس کی آنکھوں میں بر قی روی میں محض ہو رہی تھی۔ یہ ادھیز عمر کا ایک تند رست اور وجیہہ آدمی تھا اور اس کے کانڈوں پر یہ میں اس سیاہ مرگ کا نیواں لیٹھا ہوا تھا۔

نیویارک جیسے شہر میں کسی ایسے آدمی کا دکھائی دے جانا معمولی بات نہیں تھی۔ جلد ہی اور اس کے گرد اکٹھا ہو گئے وہ ایک مہذب اور بالسیقہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس کے شانے پر ہواندھلا... یہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔

روز اس کی نظر کی تاب نہ لا کر ہو ٹل میں چل گئی۔

وہ نہ اسرار مشرقی آدمی بھی داخلے کے دروازے کی طرف مرا۔ باہر کھڑا ہو، احاطہ شاید سے واقف تھا... اس نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیہ سی جنسش دی اور اس سے نیوالے لیڈ پر اسرار مشرقی ہو ٹل میں داخل ہو۔ اس کے پیچے گئی ہوئی بھیز نیوالے کے ساتھ بہ رہ گئی تھی۔ پھر چند ہی لمحات کے بعد روزا نے اسے اپنی میر کے قریب ہی دیکھا۔

وہ اس سے اس کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

"جخ... جی ہاں... بیٹھنے۔" روزا ہکلائی۔

"شکریے....!" مشرقی نے بیٹھنے ہوئے کہا۔ "میں دراصل آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں کیا پوچھیں گے....؟" روزا کا دل دھڑکنے لگا۔

"اوہ.... کوئی خاص بات نہیں.... میں نے ایک پورٹ پر آج صبح آپ کے ساتھ ایشیائی آدمی دیکھتے تھے اور اگر میں غلطی پر نہیں ہوں، تو ان میں میر ایک دوست بھی تھا۔" "کون....؟"

"وہ غالباً کرن فریدی تھا۔"

"اوہ.... تو کیا آپ کرتل کے دوست ہیں؟" روزا نے پر جوش لجھ میں پوچھا۔

"ہاں... میں اس کا دوست ہوں۔"

"تب تو آپ جلدی سمجھ کر کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"وہ اس وقت آپ ایشیت (Up State) میں ہے اور اس کے ساتھ بھی ہی.... میں آپ پستہ تاکتی ہوں لیکن جلدی سمجھنے۔" روزا اسے پتہ بتانے لگی۔

وہ خاموشی سے منtarہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "آخرہ لوگ کون ہیں جنہوں نے اسے

طرح روکا ہے؟"

"میں نہیں جانتی.... آپ جلدی سمجھنے.... جائیے۔"

"مگر وہ تو آپ کے ساتھ تھے۔"

"اوہ.... میں دھوکا کھا گئی۔"

"اچھا تو آپ تکی باتیں میرے ایک ساتھی کے سامنے دہرا دیجئے۔ اس کے بعد پھر ہم کچھ کر سکیں گے۔"

"دیکھنے اس کا وقت نہیں ہے... میں کہتی ہوں جلدی سمجھنے.... اٹھنے میں بھی ساتھ چلوں گی۔" "شکریے.... بہت بہت شکریے۔" مشرقی المحتا ہوا بولا۔

دونوں باہر آئے اور حافظ نے نیوالے سے واپس کر دیا۔ اب وہ پھر اس کے کاندھے پر سوار ہو گیا۔ مشرقی آدمی ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھ گیا۔ لڑکی گھوم کر بائیں کھڑکی سے اسکے پاس جا بیٹھی۔ کار چل پڑی۔

"آپ کہاں چل رہے ہیں....؟" روزا دفتہ چوک کر بولی۔ "زیادہ دوڑ نہیں.... بل اس آپ میرے ساتھی کے سامنے....!"

"آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔" روزا جھینجھلا گئی۔ "دیکھنے.... اس کے بغیر کام نہیں بننے گا۔"

"آپ اس معاملے کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں۔" "مجھے پورا پورا احساس ہے۔"

روزا خاموش ہو گئی۔ لیکن اس کے چہرے پر زہنی ابھسن کے آثار تھے۔

آخر کار گاڑی ایک سولہ منزل عمارت کے سامنے رک گئی اور وہ لفت کے ذریعہ دسویں منزل پر پہنچ۔ مشرقی نے ایک فلیٹ کے دروازے کا ہینڈل گھما کر کھولا۔

"آئیے....!" اس نے روزا سے کہا۔

"وقت بر باد ہو رہا ہے....!" روزا جلدی سے بولی۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کی زندگیاں نظرے میں نہ پڑ جائیں۔"

"افوس کہ میرا ساتھی کہیں باہر گیا ہوا ہے۔" مشرقی نے چاروں طرف دیکھ کر مایوسانہ

لنجھ میں کما۔

روز اسے تیر نظروں سے گھورنے لگی۔ پھر دغناں کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔ مشریع نو لا اس کے کانڈوں سے اتر کر گود میں آگیا تھا اور روز ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے وہ نیوالا کینہ تو ز نظر دوں سے گھورتا ہو۔

اس کے جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ پیشانی پر پینے کی نسخی سی بوندیں بھوٹ آئیں۔ "کیوں کیا بات ہے۔" مشرقی نے اس کی طرف دیکھنے بغیر پوچھا۔ وہ گفتگو کے دوران عموماً خاطب کے چہرے سے اپنی نظریں ہٹائے ہی رکھتا تھا۔

"دیکھئے....!" روزا تھوک ٹکل کر بولی۔ "میں سمجھتی ہوں۔ آپ نے مجھے بطور یہاں پکڑ لیا ہے۔ لیکن میں حل斐ہ کہتی ہوں کہ آپ کے دوستوں کی صیبیت کی وجہ میں ہدایتہ طلبی ہوں اور آپ خود سوچئے اگر میں اس سازش میں شریک ہوتی تو آپ سے ان لوگوں کا تذکر کیوں کرتی۔"

"ممکن ہے کہ تم مجھے بھی دہیں پہنچانا چاہتی ہو۔" مشرقی سر دلنجھ میں بولا۔

"ہرگز نہیں.... میں آپ کو کس طرح یقین دلا دوں۔ اچھا یہ بہتر ہے گا کہ آپ فی الحال مجھے اپنی قید ہی میں رکھئے اور خود پولیس کے ساتھ میرے بتائے ہوئے پتے پر جائیے... حقیقت کھل جائے گی۔"

"تمہیں سازش کا علم نہیں تھا۔"

"ہرگز نہیں.... ذیلی ہی ایسے آدمی نہیں ہیں۔ انہیں اس دوستلے چینی نے بہکایا ہے۔" وفنا قریب ہی کہیں ایک ہلکی سی آواز کیستھ کوئی دروازہ کھلا اور قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ "اوو.... شاید میرا ساتھی آگیا ہے۔" مشرقی کہتا ہوا امزد۔

اور دوسرے ہی لمحے میں روزا کے منہ سے ہلکی سی چیز نکل گئی۔ اس کے سامنے فریڈی کا مسکرا رہا تھا۔

"اوہ.... کرٹل....!" وہ اس کی طرف بڑھی۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم وہاں سے نکل آئے۔" یہ تو میرا ساتھی ہے جس سے ملانے کے لئے میں تمہیں لا یا تھا۔" مشرقی جلدی سے بولا۔ "کیا مطلب...؟" روزا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"بیٹھ جاؤ مس شپرڈ....!" فریدی بولا۔

روز اچ پاچ پیٹھے گئی۔

"میاں گہی ڈاکٹر شپرڈ کے ساتھ ہی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن.... کیا تم دہیں سے نہیں آ رہے ہو....؟"

"نہیں.... میں تو کل رات سے یہاں ہوں۔"

"کرٹل.... میں بہت پریشان ہوں.... اور ساتھ ہی شرمندہ بھی۔ میری پوری داستان سن لو.... پھر طور کے تیر پھینکنا۔"

"میں طفر نہیں کر رہا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم نے مجھ سے قلمی دوستی کیوں کی تھی؟"

"میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"قلمی دوستی کے لئے تم نے مجھے ہی کیوں منتخب کیا؟"

"تمہارے کارٹ موس کی بنا پر....!"

"نہیک اسی لمحے میں نے یہاں بھی تمہارے اعتباً کو بھیں نہیں پہنچائی۔ ڈاکٹر شپرڈ اور سانگھی دنوں کچھ تھوڑے سے یوں قوف بھی ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ یہ بھول جاتے ہیں کہ فریدی اتنی معمولی کی چالوں میں نہیں آ سکتا۔ مس شپرڈ جس فریدی کو تم نے مہمان بنا لیا ہے وہ میرا ایک معمولی سا آدمی ہے سمجھیں۔"

روز اچند لمحے اسے مستقرہ نظر دوں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "میرے خدا میں سمجھی.... کیا تمہیں اس سازش کا علم پہلے ہی سے تھا؟ مگر آخر کیسے؟ تم ہزاروں میل کی دوری پر تھے۔ میں

ہر دو ڈیٹھی کے ساتھ رہتی ہوں.... پھر بھی مجھے کچھ نہ معلوم ہو سکا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "تمہارا پہلا ہی خط موصول ہونے پر میں تمہارے نام کے ساتھ "شپرڈ" دیکھ کر مٹھکا تھا.... اور پھر میں نے یہاں تمہارے متعلق انکوارری کرائی تھی جس سے معلوم ہوا کہ تم ڈاکٹر شپرڈ کی لڑکی ہو۔"

"اور تم مختار ہو گئے۔" روزا بولی۔ "لیکن تمہارا اور ڈیٹھی کا کیا معاملہ ہے۔ کیا یہ حق ہے کہ تم نے ان کے ہھڑکیاں لگائی تھیں؟"

”یہ بالکل درست ہے۔“ فریدی سگار بلکا کر بولا۔ ”میں نے بلاشبہ ایسا کیا تھا۔ انہوں معمولی مجرموں کی طرح میرے شہر میں اودھ مچائی تھی اور سنگ ہی نے ان کے کئی آدمیوں ختم بھی کر دیا تھا۔“

”کیوں.... کس لئے؟“

”ذاکر شپڑ جیسے عالم کیلئے یہ حرکت باعث تھگ ہے لیکن دولت کی لائچ کسی کو بھی چھوڑتی۔ تمہیں یاد ہو چکا کہ یہاں کے طفہم پہاڑ کی چوٹی پر انکانسل کی ایک شہزادی کی لاش ملی تھی“

”اوہ.... ہاں تجھے یاد ہے۔ ذیلی بھی اسے دیکھنے کے لئے گئے تھے۔“

”لاش سنگ ہی اور اس کے ایک ساتھی نے دریافت کی تھی اور سنگ ہی نے اس شہزادی کے گلے سے ایک زیور اتنا تھا وہ زیور ذاکر شپڑ بھی حاصل کرنا چاہیے تھے اسی سنگ ہی کے پیچے گلے ہوئے میرے ملک تک گئے۔“

”زیور... کیا وہ بہت قیمتی ہے؟“

”بہت زیادہ! ان لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں کسی بہت بڑے خزانے کا سراغ پوشیدہ زیور میں نے ان لوگوں سے حاصل کر لیا تھا اور وہ میرے یہاں کے سرکاری خزانے میں سنگ ہی اسے دوبارہ لے اُڑا۔ اب ذاکر شپڑ اور سنگ ہی میں سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ وہ دونوں خیکی تلاش میں جائیں گے اور اب میری ایک بیش گوئی بھی سن لو۔ اگر سنگ ہی کو واقعی کوئی مل گیا تو وہ تمہارے باپ کو دیں قتل کر دے گا۔“

روزانہ اسٹیل میں آگئی۔

”ایک بیٹی کی حیثیت سے تمہارا فرض ہے کہ تم انہیں اس سے باز رکھو۔“

”وہ میری نہیں سنیں گے۔“ روزاخونیزہ آواز میں بولی۔

”اگر وہ نہیں سنیں گے تو میری بیش گوئی اٹل ہے۔“

”بھر میں کیا کروں.....؟“

”ایک تجویز ہے میرے ذہن میں۔ مگر شاید تم اس پر عمل نہ کر سکو۔“

”میں ہر تجویز پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ مگر تم مجھ پر اعتماد کیوں کرنے لگے؟“

”اگر مجھے تم پر اعتماد نہ ہو تو میں تم سے اس کے متعلق گفتگو ہی نہ کرتا۔“

”چھوڑ کیا ہے؟“

”مچھے ان کے پروگراموں سے مطلع کرتی رہو۔“

”اور آپ کے آدمیوں کا کیا ہو گا؟ میرا خیال ہے کہ وہ خطرے میں ہوں گے۔“

”ای صورت میں جب انہیں یہ علم نہ ہو کہ فریدی ابھی تک ان کی گرفت میں نہیں آیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب تک ان پر یہ راز کھل گیا ہو گا لہذا ابھی صورت میں میرے آدمی حفاظت ہیں۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”پھر بھی مجھے لینا۔... میں بتاؤں گا... مگر ابھی نہیں اپنی الحال یہ معلوم کرنے کی کوشش روکہ ہے اب کہاں جانے کا ارادہ رکھتا ہے؟ میرے متعلق کسی سے بھی کوئی گفتگو نہ کر دیگی۔ لہ میرے ساتھیوں کی جس بیجا پر برابر احتجاج کرتی رہو گی۔ غالباً سمجھ گئی ہو گی۔“

”بالکل سمجھ گئی۔“

”میں ہمیشہ نہیں بلوں گا.... اگر میں موجود نہ ہوں تو.... وہ ٹھہر دے... میں تعارف کرانا تو بھول گیا۔... یہ میرے بزرگ مسٹر طارق سے ہیں.... اور آپ تو انہیں جانتے ہی ہیں۔“

”میں یہاں کے نہیں جانتا۔“ طارق مسکرا کر۔

”تو ہماری تھوڑی دیر بعد روزا رخصت ہو گئی۔“

”لہکی قابل اعتماد معلوم ہوتی ہے۔“ طارق نے ایک طویل سامن لینے کے بعد کہا۔

”یقیناً.... بہر حال میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ اسے یہاں تک لائے۔“

”تکلفات کو چھوڑو.... تمہارا یہ خزانہ میرے لئے ایڈوپٹر کا ایک نیادوارہ کھول رہا ہے.... لکھر مت کرو.... میں جنوبی امریکہ کا کیڑا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میری ساری زندگی ہی دفینوں کی تلاش میں گذری ہے۔“

”میں جانتا ہوں... اسی لئے میں نے تعاون کی درخواست کی تھی۔“

”درخواست؟ کیا کہہ رہے ہو! میرے بیٹے... اے یہ تو میرا اپنا ہی کام ہے۔ مگر تم اپنے باپ سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوتے ہو۔ وہ کبھی کسی کا احترام نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی بڑا عظیم آدمی خدا دوستوں پر جان دینے والا مجھ پر ان کے کئی بڑے احتمالات ہیں۔“

”آپ نے طوق کی تحریر سے کیا اندازہ لگایا؟“ فریدی نے موضوع بدل دیا۔

”طارق کی نہ اسرار شخصیت کی داستان“ پر اسرار کنوں ”میں ملاحظہ فرمائے۔

”کوئی خاص بات نہیں! الجہ جگل اور پہاڑوں کے متعلق اشارے ہیں میرا خیال سنگ اور شپرڈ بہت کچھ جانتے ہیں۔“

ہوٹل میں ہنگامہ

ایک ہفتہ بعد فریدی اور طارق جوبی امریکہ کے ایک ملک ایکویڈر کے صدر مقام کے ایک سرائے میں بیٹھے کافی پر ہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک خوفزدہ لاکا بھی تھا۔ وہ تجھلی ہی رات کو ہواں جہاز سے یہاں پہنچے تھے۔ ان کی رہنمائی اس نو خیز لارکے نے کی تھی۔

یہ لذکاروزا شپرڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ روزا نہیں پہنچے سات دنوں میں سنگ ہی وغیرہ کی خبریں برابر پہنچاتی رہی تھیں۔ اس نہیں بتایا تھا کہ سنگ ہی کی پارٹی کیتوں کے لئے روانہ ہو رہی ہے۔ طارق لڑکی کو ہمراہ لانے پر نہیں تھا۔ مگر فریدی نے اس کی درخواست منظور کر لی تھی۔ روزا اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ شاید وہ بہت زیادہ تھک جانے کی وجہ بوجی تھی۔

طارق اور فریدی بھی اپنی اصلی شکلوں میں نہیں تھے۔ طارق مقامی باشدوں کے کی نہ پیشوں کے روپ میں تھا اور اس کا سیاہ نیلا ہر وقت اس کے کانٹھے پر سوار رہتا تھا۔ فریدی نے یہاں کے مقامی لوگوں ہی کی سی وضع اختیار کر لی تھی۔

وہ دو نوں کافی دیر سے خاموش بیٹھے کافی سے مشغول کر رہے تھے۔ سردی کی شدت نے انہیں کم کپڑے پہننے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیتوں حالانکہ تھیک خط استوا پر واقع ہے۔ مگر سطح سمندر سے ہزار فٹ بلند ہونے کی بنا پر سال بھر سر در رہتا ہے۔

”میرا خیال صحیح تھا۔“ فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

”کیسا خیال؟“

”بھی کہ وہ پہاڑ اور جگل برازیل کے خطے کے نہیں ہو سکتے۔ انکا نسل کے قدیم لوگ اس سر زمین کے علاوہ کسی دوسرے ملک سے واتفاق نہیں تھے۔ لہذا ذھانی تین ہزار میل کا فاصلہ“

، برازیل پہنچنا قرین قیاس نہیں۔“

”تمہارا خیال تھیک ہے.... میں پھر کہتا ہوں کہ وہ لوگ بہت کچھ جانتے ہیں۔ سنگ ہی نے ای لئے ڈاکٹر شپرڈ پر ڈورے ڈالے ہیں۔ شپرڈ ساری دنیا میں تھا آدمی ہے جو تصویری ہوں کو قریب قریب بالکل صحیح پڑھ سکتا ہے۔“

”اب ہمیں ان پر گہری نظر رکھنی چاہئے۔“ فریدی بولا۔

”مگر تم اس لڑکی کو کیوں ساتھ لائے ہو؟ خواہ مخواہ ایک رکاذ ساتھ لئے پھر رہے ہو۔“

”آپ جانتے ہیں کہ میرے تین آدمی اُس کے ساتھ ہیں اور انہیں ساتھ لئے پھر نے کا رہی ہے کہ میں انہیں رہا کرانے کی کوشش کروں۔ اس طرح سنگ ہی مجھ پر ہاتھ ڈالنا چاہتا۔ اور میرے ساتھ ڈاکٹر شپرڈ کی لڑکی ہے جسے میں بطور یہ غمال اپنے پاس رکھوں گا۔ ابھی اس کی موقع پر میں ان لوگوں کو یہ بھی یہ بات جتا دوں گا.... ورنہ ہو سکتا ہے کہ وہ میرے ہوں کو ختم ہی کر دیں۔“

”تھیک ہے۔“ طارق اپنے بیوے کو کانٹھے سے اہدا کر گوڈ میں بٹھاتا ہوا بولا۔ ”اب کیا کرتا ہے؟“

”ویکھے.... یہ میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اگر طوق ہاتھ آگیا تو میں خزانے وغیرہ پکڑ میں نہیں پڑوں گا.... میرا سب سے پہلا کام یہ ہو گا میں اسے چل کی حکومت کے پروردیل۔“

”اگر یہی کرتا ہے تو میرا خیال ہے کہ یہاں کی پولیس اس کے لئے بہت کارگر ثابت ہو گی۔“

”سنگ ہی کی دال نہیں گلے گی۔ شانی امریکہ کی بات اور تھی۔“

”یہ قطعی نامناسب ہے میرے بزرگ۔“

”کیوں....؟“

”یہاں کی حکومت کو اگر اس کا علم ہو گیا تو پھر وہ طوق میرے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔“

”کیوں....؟“

”آپ جانتے ہیں کہ انکا نسل کے لوگوں کی اصل سر زمین بیکی ہے۔ یہاں کی حکومت اور مست چلی سے ابھی تک اس لاش کے متعلق بھگڑا چل رہا ہے۔ رواتتی خزانے کے تذکرے ل ہمیں عام ہوں گے۔“

”لیکن.... یہاں اب انگلش کے لوگوں کی حکومت نہیں.... حاکم ایسینی لوگ طارق نے کہا۔

”کچھ بھی ہو وہ طوق یہاں کی قوی ملکیت ہے۔ لیکن چونکہ وہ چلی سے چرایا گیا تھا ہماری حکومت سے وہیں پہنچانا چاہتی ہے۔“

طارق کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ”سگ ہی کے ساتھ پچیس آدمی ہیں۔“

”میں نے آدمیوں کی تعداد کی کبھی پرواہ نہیں کی۔“ فریدی سگار سلاکا ہوا بولا۔ باکل اپنے باپ کی طرح خندی بھی ہو۔ طارق ہنسنے لگا۔



سگ ہی کی پارٹی کیتوں کے ایک شاندار ہوٹل میں مقام تھی۔

حید قاسم اور انور بظاہر آزاد نظر آتے تھے لیکن ان میں سے ہر ایک بخوبی جانتا تھا کہ معمولی سی لغزش بھی اسے موت کے منہ میں پہنچا سکتی ہے۔ سگ ہی کا رویہ ان کے دوستانہ تھا۔ لیکن کم از کم حید اس کی فطرت نے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کم بھی کوئی ایسی حرکت کر سکتا ہے جس کا گمان نکلنے ہو۔

وہ نہ اسرار لڑکی بھی پارٹی کے ساتھ تھی اور اب قاسم اس میں خاصی وچھپی لینے لیکن حید کی بھجھ میں اب تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ آخر ان میں اس لڑکی کی موجود مقصود ہو سکتا ہے۔

اور اب بھی فریدی ہی کے میک اپ میں تھا۔ سگ ہی نے ایک بار بھی اس سے یہ کہ وہ اسے اس کی اصلی شعلہ میں دیکھنا چاہتا ہے۔

ہوٹل کی ایسینی خادماں میں قاسم کے لئے بڑی کشش رکھتی تھیں کیونکہ وہ سب تدریس مضبوط ہاتھ پر کی عورتیں تھیں۔

قاسم، انور اور حید ایک ہی کرے میں تھے لیکن ان کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ اس کے بھی حید نے کئی بار یہ رائے ظاہر کی کہ لا بھڑ کر نکل ہی چلنا مناسب ہو گا۔ لیکن انور نے منتظر نہیں کیا۔ وہ ہربات پر سیکی جواب دیتا تھا کہ ”یہ بھی ایکیم ہی کا ایک حصہ ہے۔“

اور حید کو لفظ ”ایکیم“ سے اتنی چڑھتی ہو گئی تھی کہ اسے سنتے ہی اس کی زبان کی نوک

لندی ہی گالیاں مچھلے لگتی تھیں۔

وہ اس وقت بھی انور سے لا جھٹکر بیٹھا تھا۔ ہوٹل میں کئی قسم کی تفریحات موجود تھیں لیکن آج وہ شدت سے بو رہا۔

انور اور قاسم شاید ذائقہ نگہ ہاں میں تھے۔

حید کافی دیر سے کرے میں بیٹھا نکل بھاگنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی ہوس نہ ہو سکا کہ ریکھا کب کرے میں داخل ہوئی۔ حید کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

”آپ یہاں تھا ہیں؟“

وہ ریکھا کی آواز پر چونکہ کر مرزا۔

”آؤ.... آؤ....!“ اس نے کہا۔

”میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔“

”کرو! ہمارے پاس فی الحال باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔“

”میں اس دن جہاز پر آپ کو بتانا چاہتی تھی کہ میں نے ایک بات آپ سے چھپائی تھی۔ اس کا مقصد خود میری بھجھ میں بھی نہیں آیا تھا۔“

”ہوں.... میں سننا پسند کروں گا۔“

”شروع میں جب وہ مجھے صدر آباد سے لائے تھے تو مجھے آپ دونوں کی تصویریں دکھائی گئی تھیں۔ وہ دوسرے صاحب یعنی فریدی کی.... اور تصویر دکھاتے وقت میں کلب کا مالک مجھ سے کہا کرتا تھا کہ ان دونوں کو مارڈالا.... زندہ نہ چھوڑتا.... اس کا یہ زور کا معمول تھا.... وہ ان دو جلوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتا تھا.... میں پہلے تو اسے اس کا مقصد پوچھنا چاہا لیکن اس نے ان جلوں کے علاوہ کبھی اور کچھ نہیں کہا۔“

”تو غالباً اب مقصد تم پر واضح ہو گیا ہو گا۔“ حید نے مسکرا کر کہا۔

”قطیعی نہیں.... بالکل نہیں.... اگر وہ میری ایک کمزوری یا یاری سے فائدہ اٹھا کر آپ دونوں کو میرے ہاتھوں قتل کرنا چاہتے تھے تو پھر اس خبر نما کھلونے کا کیا مقصد تھا۔ اس صورت میں تو انہیں اصلی خبیریاریو اور اس بیک میں رکھنا چاہئے تھا۔“

”ٹھیک کہتی ہو۔“ حید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”پھر وہ تمہارا پاسپورٹ.... اور ان لوگوں سے

بڑا... اس کے متعلق کسی کو بھی نہ بتانا.... میرے دونوں ساتھیوں سے بھی اس کا تذکرہ رئے کی ضرورت نہیں۔“

”اچھا... لیکن نتیجہ کے آپ ذمہ دار ہوں گے میں تو اس قدر بخگ آگئی ہوں کہ سب کچھ رُزروں گی۔“

”میں پھر کہتا ہوں کہ تم نتیجہ کی فکر مت کرو۔“ حمید بولا۔

”لیکن مجھے کرنا کیا ہو گا...؟“

”چخا... توڑ پھوڑ... تمہارے دل میں کسی بھی چیز کیلئے ذرہ برابر درد نہ ہونا چاہئے.... انگ ہال میں ایسی سینکڑوں چیزیں ہیں۔ میزیں الٹ دینا۔ جو چیز ہاتھ میں آجائے وہی مجمع پر ٹھیک رہتا۔“

”بڑا مشکل کام ہے۔“

”جانا چاہنے کے لئے سب کچھ آسان ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس سفر میں تمہاری شمولیت ایسا مقصد ہے۔“

”کیا مقصد ہے؟“ ریکھا تھوک نگل کر بولی۔

”کیا تم نے دفیتوں کی بھیث کے متعلق کبھی کچھ نہیں سنایا...؟“

”میں نے سنایا ہے... لیکن...!“

”لیکن ویکن کچھ نہیں.... کیا تم اپنے والدین کی... اکتوبر لاکی ہو...؟“

”نہیں.... قطعی نہیں۔“

”پھر کوئی اور بات ہو گی.... ہاں ٹھیک ہے.... دفینے کی بھیث نہیں.... مجھے اس قبلیے کے متعلق تاوادی نہیں رہا جس کے افراد عورت کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔“

”نہیں....!“ ریکھا کانپ کر ہندیانی انداز میں چیخی۔

”اُسے چپ چپ.... غل غماڑہ مت چاؤ۔“ وہ تمہیں اس قبیلے کو رشت کے طور پر پیش رکے اس کی سرحد پار اتر جائیں گے ورنہ تم خود سوچو کر ایسے سفر میں عورت کا کیا کام... پھر یہ نہیں وہ تمہیں مسلم بھون کر کھائیں یا کچاہی چباکیں.... خدا کی پناہ۔“

”نہیں.... نہیں....!“ ریکھا تھری طرح کانپ رہی تھی۔ ”میں تمہارا کہنا نہیں گی....!“

نیویارک ہی میں ملاقات ہوئی۔ خیر یہ بھی کچھ نہیں.... تشویش کی بات تو یہ ہے کہ یہ تمہیں کیوں ساتھ لے پھر رہے ہیں۔“

”وہ سور کا بچہ چینی کہتا ہے کہ تم میری رانی ہو۔ میں ایک بہت بڑے خزانے کی طلاق ہوں۔ اس کے ملتے ہی تم سے شادی کرلوں گا۔“

”لیکن رانی کے لئے ضروری تو نہیں کہ وہ بھی اس کے ساتھ جھک مارتی پھرے۔“

”پھر بتائیے میں کیا کروں...؟“

”مزہ کرو... وہ تمہیں رانی بنائے گا۔“

”مجھے اس کی صورت سے گھن آتی ہے۔“

”صورت دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے... خزانہ...!“

”جنہم میں گیا خزانہ.... میں پاگل ہو جاؤں گی۔“

”خدا کے لئے اب ہو بھی جاؤ۔ بہت دنوں سے کن رہا ہوں ورنہ پھر میری کپٹانی بن رانی بنانے کی حیثیت تو نہیں رکھتا۔“ وغیرہ وغیرہ...!“ حمید خاموش ہو گیا۔

پھر یک اس طرح اچھل پڑا جیسے موجودہ مخلکات کا کوئی حل سامنے آگئا ہو۔ ریکھا سے حرمت سے دیکھنے لگی۔

”بس کام بن گیا۔“ حمید چنکی بجا کر بولا۔ ”ذر اور قریب آؤ۔ کیا تم بچ پاگل بن سکتی۔“

”حمید صاحب! میر امداد نہ اڑائیے۔“

”بھیجنے کی کوشش کرو.... اگر تم پاگل بن جاؤ تو سارا کام بن جائے۔ آج رات کا کھانا ک وقت ڈائینگ ہال میں ہلڑا چاڈو۔ سگ ہی رازداری سے کام لے رہا ہے اور اس کا گردہ بڑا منظم اگر تم پاگل بن گئیں تو لوگوں کی توجہ تمہاری طرف میزوں ہو جائے گی اور یہ چیز پوری پا بدوہ اسی میں بنتا کر دے گی۔ تمہیں پاگل خانے تک پہنچانے کے لئے پولیس آجائے گی اور بعد میں سب دیکھ لوں گا.... بولو منظور ہے۔“

ریکھا نے فوراً جواب نہیں دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”تجویز“ ہے لیکن اگر میں بچ پاگل خانے پہنچ گئی تو....؟“

”اُسے میں سنچال لوں گا کہتا تو ہوں.... تم یہ بھی جانتی ہو کہ ہم لوگ کون ہیں۔“

”بھاگو....“ حمید قاسم اور انور کو جھجوڑ کر بولا۔ ”ورنہ ایک بھی کالاز نہ بنے گا۔“
واقعی ان پر چاروں طرف سے یورش ہو گئی تھی۔

سُنگھی کے ساتھیوں نے فائز کئے۔
اس پر اور زیادہ اودھ میں پجھ گیا۔

وہ تینوں کیا تھی کہ طرح دروازے سُنگھی کئے چکیں گے۔

قاسم اس وقت پجھ گئے ان کی ڈھان بنا ہوا تھا۔ اگر وہ لوگوں کو اچھا لکھاں کر راستہ بناتا تو وہ
نیامت سُنگھی کے قریب نہیں پہنچ سکتے تھے۔

باہر نکل کر وہ ایک طرف دوڑتے چلے گئے لیکن وہ اپنے پیچھے بھی قدموں کی آواز سن رہے
تھے۔ تعاقب کرنے والا شاید تھا اور وہ ایک سمنان راستے پر دوڑ رہے تھے۔
”ٹھہر و.... ٹھہر و....“ تعاقب کرنے والا اردو میں چیخنا۔ ”میں دشمن نہیں ہوں.... رک
باو.... ورنہ مارے جاؤ گے۔“

وہ رک کر مڑے اور انور نے آنے والے پر نارنج کی روشنی ڈالی۔ ان کے سامنے ایک دراز قد
ڈڑھا لگرا تھا اور اس کے کانوں پر ایک بڑا سانیوالا سوار تھا۔

حسن الافق

”نارنج بجھا دو....!“ نووار دنے کہا۔

”وسرے ہی لمحے میں تھیل کی گئی۔“

حمدی سوچ رہا تھا کہ کیا یہ فریدی ہے۔ مگر نہیں اگر اس کی یادداشت دھوکا نہیں دے رہی ہے
وہاں سے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔

”میرے ساتھ آؤ....!“ نووار بولा۔

”آپ کون ہیں....؟“ انور نے پوچھا۔

”دشمن نہیں ہوں.... جو کچھ میں کہوں کرتے جاؤ.... ورنہ مصیبت میں پڑو گے.... میں
یہی کا دوست ہوں۔“

”ایک طرف اندر ہیرے میں چلنے لگے۔ ہوٹل اب بھی زیادہ دور نہیں تھا۔ اس لئے انہیں

رات بہت سرد تھی۔

لیکن اس بڑے ہوٹل کا ڈائنسنگ ہال سنترل، ہیٹنگ کی وجہ سے گرمیا ہوا تھا۔ ہر طرف میں
قہقہے فضائیں ابھر رہے تھے اور آرکسٹرانے پہلے سروں میں ایک لطیف نغمہ جھیٹ رکھا تھا۔
ہال میں کہیں بھی کوئی میر خالی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

ریکھا کی میز پر سُنگھی... بڑی موچھوں والا خوفناک آدمی اور شپرڈ تھے۔
اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر انور، قاسم اور حمید تین مختلف میزوں پر تھے ان میں۔

ایک کے ساتھ سُنگھی کے تین تین مسلخ آدمی بھی میٹھے ہوئے تھے وہ بظاہر شریف صورت
لیکن ان میں سے شاید ہی کوئی رہا ہو جس کے جب میں اعشار یہ تین آٹھ کاریوں اور نہ موجودہ
اچانک ہال میں ریکھا کی جیج گوئی۔ اس نے شور بے کی پلیٹ ڈاکٹر شپرڈ کے منہ پر کھینچ

تھی۔ پھر اس نے میر بھی الٹ دی۔ وہ ہسپٹر یا اندراز میں جیج رہی تھی اور ساتھ ہی اس
دونوں ہاتھ بھی چل رہے تھے جو خالی نہیں ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر بار کوئی نہ کوئی چیز کا
کسی کے لگتی ضرور تھی۔ گلاس.... پچھے.... کانے.... چھیریاں.... پٹیں.... گلدان نہ
تیرتے پھر رہے تھے۔

پھر اتنا شور ہوا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

”یہ کامل عورت کون ہے؟“

”نشے میں ہے۔“

”مارو.... پکڑو....!“

”سارے کالوں کو پکڑلو۔“

”پولیس.... پولیس....!“

”ارے میری ناک....!“

”ارے میرا سر....!“

”مارو.... پکڑو....!“

”پولیس.... پولیس....!“

شور و غل کی آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں۔

"ٹھہر و....!" تھوڑی دور چلے کے بعد نوار نے کہا۔ "تم سب ایک دوسرے کے پکڑلو.... اور ایک ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر.... ادھر نشیب میں پلے آؤ.... روشن ضرورت نہیں۔"

راستہ برا خراب تھا۔ وہ سب نشیب میں اترنے لگے۔

نوار داد آگے تھا۔ دھناؤس کے نخالے نے ایک بہت ہی تیز اور کریبہ قسم کی آواز نکالی۔ اور پھر حید کویک بیک یاد آگیا اس نے اس آدمی کو کھاں دیکھا تھا۔

"طارق صاحب" اس نے آہستہ سے کہا۔ "دیر تے پچانے پر مجھے افسوس ہے۔"

"مینک اپ کے باوجود بھی پچان لیا۔" طارق نے ہلاکا ساقہ تھہہ لکایا۔

"آپ کی آنکھیں جو ہزاروں میں پچانی جاسکتی ہیں۔"

"لیکن یہ یک بیک ہوا کیا؟" طارق نے پوچھا۔

"لوکی پاگل ہو گئی۔" قسم بڑا لیا۔ "وہ بہت دنوں سے کہہ رہی تھی کہ میں پاگل ہو جاؤں گے" "ڈراما رچ روشن سمجھے۔" طارق بولا۔ "میں ٹھیک ہی آیا ہوں۔ غالباً غار کا دہانہ تھی ہے۔ نارچ روشن کی گئی۔ پھر دوسرے لمحے وہ ایک غار میں اتر رہے تھے۔ غار بہت زیادہ نہیں تھا۔ مگر پھر بھی باہر کی سردی کے مقابلے میں نبتاب آرام دہ معلوم ہوتا تھا۔

"آپ لوگ میں سے شاید ہی کوئی بچا ہو۔ انہوں نے فائرگ کر کے اچھا نہیں کیا۔" اور ان لوگوں میں سے شاید ہی کوئی بچا ہو۔

طارق چلا گیا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش میٹھے رہے۔

پھر انور نے پوچھا۔

"یہ کون تھا....؟"

"طارق....!" حید نے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "فریدی صاحب کے والد دوستوں میں سے ہے اور انتہائی بُر اسرار... سارا جنوبی امریکہ اس کا چھانا ہوا ہے... یہاں زبانوں پر اسے قدرت حاصل ہے۔"

"کرتا کیا ہے؟"

"سیاحی اور دفینوں کا چکر.... کافی دولت مند ہے.... مستقل قیام نو یارک میں رہتا ہے۔ رفیدی صاحب کی دور اندیشی کی داد دینی پڑتی ہے.... اس مہم کے لئے طارق سے زیادہ ناپ آدمی ملناد شوار تھا۔"

"پڑھ نہیں اس پیچاری کیا کیا ستر ہوا۔" قسم بڑا لیا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "مگر اس طارق کے کاندھے پر میں کیوں سوار ہتی ہے؟"

"میں نہیں... نیلا تھا....!" حید نے کہا۔ "اس نسل کا نیلا صرف انہیں اطراف میں پالا جاتا ہے.... اسے یہاں شکا کی کہتے ہیں.... کچھ تو میں اسے متبرک سمجھ کر پوچھتی ہیں۔"

حید نے پاپ سلاکا لیا تھا۔
وہ پھر خاموش ہو گئے۔

کچھ دیر بعد انور نے کہا۔ "آخر یہ یک بیک ہوا کیا؟"

"یہ ساری باتیں تمہاری سمجھ سے بہت اوپنجی ہیں۔" حید نے اکڑ کر کہا۔

"کیا مطلب....؟"

"اسی لئے تو نہیں بتانا چاہتا کہ تمہیں مطلب بھی سمجھنا پڑے گا۔"

"تو کیا یہ تمہاری حرکت تھی؟"

"حرکت....!" حید جھنجلا کر بولا۔ "اگر میں یہ حرکت نہ کرتا تو تم جہنم رسید ہو چکے ہوتے میں تمہیں اتنا چند نہیں سمجھتا تھا۔"

"ہوں.... تم سمجھتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے۔" انور تیز لمحے میں بولا۔

"تمہیں بیوہ کیا ہے۔" حید آہستہ سے بولا۔ "اب میر ادمانگ مت چاٹو۔"

"مجھے نیند آرہی ہے۔" قسم نے جماہی لے کر کہا۔ "اگر کسی نے شور چھایا تو گلا گھونٹ دوں.... انور بھائی! تم رشیدہ صاحبہ کو بھی ساتھ کیوں نہیں لائے۔"

انور خاموش ہو گیا۔

حید فس پڑا۔

"رشیدہ....!" اس نے کہا۔ "میاں اب بھی تمہیں اس سے عشق ہے۔"

"اُرے لا حول.... ہپ... کیا گڑ بڑ.... حید بھائی.... میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتا۔"

قاسم بوکھلا گیا۔

اور اس پر بھی کچھ نہ بولا۔ شاید وہ حمید سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

تحوڑی دیر بعد انہوں نے غار کے دہانے پر قدموں کی آوازیں سنیں اور سنپل کر بیٹھا۔ باہر سے تاریخ کی روشنی اندر ریگ آئی۔ آنے والے تین تھے۔ تاریخ پھر بجھا دی گئی۔ کچھ نہ دیکھ سکے۔

”جگہ تو خاصی ہے۔“ انہوں نے اندر میرے میں فریدی کی آواز سنی۔

پھر کسی نے دیا سلامی جلا کر دوسو میال روشن کر دیں ان کے سامنے تین آدمی تھے۔ ایک تو طارق تھا جسے حمید نے اس کی غیر معمولی طور پر چکدار آنکھوں کی بناء پر پہچان لیا تھا۔

دوسری ایک فریدی تھا لیکن نہ تو اسے حمید پہچان سکا اور نہ انور۔ ویسے وہ قیاس کہہ سکتے وہ فریدی ہی ہو گا۔ تیسرا ایک نوجنہ لڑکا تھا جس کی عمر ظاہر سول سال سے زیادہ نہیں معلوم تھی۔ ان کے سروں پر نندے کے بیٹت تھے اور جسموں پر ہاتھ کے بنے ہوئے اونی البار کے جوتے بھی بدوضع اور بے ہنگم تھے۔

”جو کچھ بھی ہوا بہت بُرا ہوا طارق صاحب۔“ فریدی پتھر کے بڑے ٹکڑے پر بیٹھتا ہوا! ”اور اس کی تمام ترمذہ داری حمید پر ہے۔“ الور بول پڑا۔

”کیوں حمید نے کیا کیا۔۔۔؟“

”اُسی سے پوچھئے۔۔۔!“

”تو تمہیں بتا دوں۔۔۔!“ فریدی جھنجھلایا ہوا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ لڑکی بن رہی تھی۔“ انور نے کہا۔

”لہذا۔۔۔ یہ حمید کی حرکت ہے۔۔۔!“ حمید طغیری لمحے میں بولا۔ ”وہ شیطان بن کر قاب میں طول کر گیا تھا۔“

”نہیں جتاب۔“ قاسم نے کہا۔ ”وہ تو عرصے سے کہہ رہی تھی کہ میں پاگل ہو جاؤں فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید نے سوچا تھا کہ جس وقت میں اپنا یہ کارنامہ فریدی کے سامنے دہراوں گا تو وہ

کر رکھے گا۔ لیکن اب نقشہ بدلتے دیکھ کر اس نے خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا۔

”کچھ بھی ہو۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”یہ اچھا نہیں ہوا۔ ابھی تک وہ میری نظروں میں تھے۔۔۔ مگر اب میں بالکل اندر ہیرے میں ہوں۔ اب چونکہ انہیں یہاں والوں کی نظروں سے بھی پوشیدہ رہنا پڑے گا اس لئے وہ بہت زیادہ احتیاط سے کام لیں گے سنگ ہی اور اس کے خاص آدمی صاف نکل گئے۔۔۔ دو فساد کے دوران میں ہلاک ہوئے اور آٹھ پکڑ لئے گئے ہیں۔۔۔ ان میں قریب قریب سارے آدمی امریکن ہیں۔۔۔ سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے۔۔۔ نہ تو کوئی پکڑا جاسکا۔۔۔ اور شمارا ہی گیا۔“

”اور واکٹر۔۔۔؟“ انور نے پوچھا۔

”وہ بھی نکل گیا۔۔۔ اور سب سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ لڑکی کا بال بھی بیکانہ ہو سکا۔۔۔ وہ اس کے چاروں طرف چنان کی طرح جم گئے تھے۔“

”آخر یہ لڑکی ہے کیا بلہ۔۔۔؟“ حمید بڑھ رہا۔

فریدی نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

”مجھے دراصل تم لوگوں کی فکر تھی ورنہ سنگ ہی میری نظروں سے او جھل نہیں ہو سکتا تھا۔“

”لیکن آخر ہمیں اس طرح جھوک دینے کا مقصد کیا تھا۔۔۔؟“ حمید نے پوچھا۔

”اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ میں ان لوگوں پر نظر کھ سکوں۔ شاید تم واقع نہیں ہو کہ

مجھے سنگ ہی کی ایکیوں کا علم قریب قریب پہلے ہی سے تھا۔“

ہر فریدی نے اپنی اور روزا کی قلمی دوستی کے متعلق سب کچھ دہراتے ہوئے کہا۔ ”مجھے پہلے ہی شہر ہوا تھا کہ سنگ ہی اور واکٹر ہپرڈ مل گئے ہیں۔“

”ٹپٹے مانتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن اگر وہ ہمیں ٹھکانے لگادیتے تو؟“

”مجھے کچھ دنوں بعد صبر آ جاتا۔“ فریدی نے انہائی سنجیدگی سے کہا اور روزا کے علاوہ سب نہ پڑے۔

گنگلوچونکہ اردو میں ہورہی تھی اس لئے وہ بے تعاقانہ انداز میں الگ بیٹھی ادھر اور ہر دیکھ رہی تھی۔

اُس سوال کا جواب سنجیدگی سے دیجئے۔“ حمید دوسروں کے قہیوں کی پرواہ نہ کرتے

بزیدت گاہ کے راستوں کی گردنی شروع ہو جائے گی۔ فی الحال بہاں سے ان کا نکانا ممکن ہے۔“

پچھے دیر کے لئے پھر سکوت طاری ہو گیا۔ ہر شخص اپنے طور پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

”کوئی کی زیارت گاہ...!“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے طارق کے چہرے پر نظر جا کر ہے۔ ”اس کی کیا اہمیت ہے؟“

”مررتی اترانی میں ایک قدیم زیارت گاہ ہے۔ لوگ تفریح بھی وہاں جاتے ہیں لیکن اس کے بعد سے ان خطرناک جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ جن کی طرف رخ کرنے کی بھی ہتھیں پڑتی۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر مکمل پھر خاموشی رہی۔

اچانک قاسم نے ایک انگڑائی لی اور بھرائی ہوئی آواز میں کچھ بڑا تباہ ہوا روزا کو گھوڑے لگا۔

”اب یہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔“ فریدی بولا۔ پھر اس نے حید وغیرہ کو خالص کر کے ہے۔ ”رات تھیں اسی غار میں بُر کرنی پڑے گی۔“

”آپ لوگوں میں سے تو کسی نہ کسی کو یہاں پھرنا ہی پڑے گا۔“ حید نے روزا کے چہرے پر طرح جائے ہوئے کہا۔

”شش....!“ اچانک فریدی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ غالباً یہ خاموش رہنے کا اشارہ تھا۔ وہ چند لمحے کچھ سختا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”کوئی ادھر آ رہا ہے۔“ پھر اس نے ہاتھ کے ملکے سے دونوں موی شعیں بجھا دیں۔

لپیٹہ لوگوں نے کسی تمہری کی آہٹ نہیں سنی تھی۔

حید نے اسے فریدی کی دھشت ہی سمجھا تھا۔

لیکن چند ہی لمحات کے بعد سے اپنا خیال بدل دیا۔ پڑا۔ وہ کئی قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔

لیکن چلنے والے بہت دور معلوم ہو رہے تھے۔ پھر آہٹیں آہستہ آہستہ قریب ہوئی گئیں۔

”خواہ وہ کوئی بھی ہوں ان تینوں کو چھپ جانا چاہئے۔“ طارق نے کہا۔ ”ادھر واہنی طرف لے کافی گھر انشیب ہے.... جلدی کرو۔“

فریدی نے تاریخ روشن کر لی اور قاسم، انور اور حید نشیب میں اتر گئے۔ پھر فریدی نے موی شعیں دوبارہ روشن کر دیں۔

ہوئے بولा۔

”سبجدیدہ ترین جواب یہ ہے کہ تمہیں زندہ رہنا تو ہے نہیں۔ کبھی نہ کبھی مرنا ہی پڑے گا،“

”اچھا تو یہی بتا دیجئے کہ ہم لوگ زندہ کیوں ہیں.....؟“

”بے حیائی ہے تمہاری۔“ فریدی بولا اور ایک بار پھر قہقہہ پڑا۔ لیکن حید نے فریدی کو قسم کے مود میں پہلی بار دیکھا تھا۔ بہر حال اسے یہ سختی میں دیر نہیں لگی کہ فریدی سامنے اس کے متعلق گنتگو کرنے سے احتراز کر رہا ہے۔

روزا بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگی تھی۔ اس نے فریدی سے کہا۔ ”تاو میں کیا کر

ڈیٹی خطرے میں ہیں۔“

”نہ صرف حید بلکہ انور اور قاسم بھی اس کی آواز سن کر جو مک پڑے۔“

”جب میری نظر ان لوگوں پر نہیں پڑ سکتی تو تمہیں مطمئن ہی رہنا چاہئے۔“ فریدی کہا۔ ”لگبڑا نہیں.... سگ ہی اس وقت تک ان کی حفاظت کرے گا جب تک کہ اپنے مقصد کا میاب نہ ہو جائے۔“

”کب حید کو اچھی طرح یقین ہو گیا کہ وہ روزا شپرڈ ہی ہے اور اپنے باپ کے لئے فکر ممدھ ہے۔“

اس نیل سے اس کا دل باغ باغ ہو گیا کہ اب بھی ایک خوبصورت لڑکی اس کی ہم سفر ہو گی

اچانک اس نے طارق سے پوچھا۔

”کوئی کی زیارت گاہ کہاں ہے؟“

”کیوں....؟“ طارق اس کی طرف ملا۔

”سگ ہی اپنی پارٹی سمیت دیں جانے کے لئے انتظایات کر رہا تھا۔“

”کوئی کی زیارت گاہ۔“ طارق اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت زیادہ پر جوش نظر آ رہا تھا

جلد ہی پھر پر سکون دکھائی دیتے گے۔ پھر آہستہ سے بیٹھتا ہوا بولا۔ ”کیا؟ اس کا علم عام ط

لوگوں کو تھائی میر امطلب ہے کہ ہوٹل والے اس سے واقف تھے؟“

”سب کو علم تھا.... اس نے کئی درجن بار بروار مہیا کئے تھے۔“

”تب تو ہر گز ادھر نہیں جا سکتے۔“ طارق نے کہا۔

”کیوں....؟“

آنے والے شاید غار کے دہانہ پر رک گے۔
پھر کسی نے باہر سے چیز کر کچھ کہا... جس کا جواب طارق نے اندر سے دیا۔ لیکن،
فریدی کے لئے نبی تھی۔
تمن آدمی غار میں داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور یہ بیٹا
باشندے معلوم ہوتے تھے۔
طارق کو دیکھ کر وہ ٹھنک گئے۔

اور پھر فریدی نے محسوس کیا چیزے وہ اس سے خاف ہوں... اس کا احترام
ہوں... وہ ٹھوڑی دیر تک طارق سے گفتگو کرتے رہے پھر باہر نکل گئے۔
جب قدموں کی آوازیں بہت دور ہو گئیں تو طارق فریدی کی طرف مڑا۔
”وہ سگ اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کر رہے ہیں۔“
”لیکن... آپ کے ساتھ ان کا رویہ...!“
”اوہ....!“ طارق مسکرا کر اپنے نیولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”یہ شکا کی
ہے... یہاں کے مقامی باشندے اسے مقدس سمجھتے ہیں... اور صرف ان کا نام ہی پیشوہ
پال سکتا ہے... میں نے انہیں بتایا کہ ہم مسافر ہیں اور سردی سے بچنے کے لئے ہم نے اس
پناہی ہے... اس پر انہوں نے ہمارا میزبان بننے کی خواہش ظاہر کی مگر میں نے انکار کر دیا۔“
”مگر میں حید وغیرہ کے لئے سوچ رہا ہوں... انہیں کس طرح پہلیا جائے... سگ
پارٹی میں ان کا بھی شارہوتا تھا۔“

”میک اپ....!“ طارق بولا۔
”ہو سکتا ہے... مگر قاسم ایک اچھا خاص اشتہار ہے... ہوٹل ہی میں وہ نظریوں پر پڑھ گیا
”یہ مجھ پر چھوڑ دو...“ جب تک شکا کی میرے شانے پر سوار ہے، تفکر ہونے کی خر
نبیش... تم اسی وقت جا کر سڑائے سے میک اپ کا سامان لے آؤ... اور ہاں اپنے ساتھ
کہہ دو کہ وہ جہاں ہیں فی الحال وہیں رہیں... یہاں نہ آئیں... ہو سکتا ہے کہ دوسرا نوٹ
تلاش میں آرہی ہو... مگر نہیں... شہر و... اگر راستے میں کسی سے مذہبیت ہو گئی تو...
”اوہ....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”آپ میری فکر نہ سمجھئے... میں یہاں کی زبان نہ
لے کر ہم یہاں آگئے ہیں... ہم آپ کے دشمن نہیں... ریو اور اس لئے نکالا گیا تھا کہ کہیں

کیا ہوا... گونگے دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں آپ کا یہاں موجود رہنا بہت
روری ہے۔“

پھر فریدی باہر جانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ دو تین آدمی بے تھا شاگار میں گھس آئے... وہ
س طرح ہانپ رہے تھے جیسے اب تک کوئی درندہ ان کا تعاقب کر تاہم ہو۔
ان میں سے ایک نے ریو اور نکال کر فریدی وغیرہ کی طرف تاں لیا اور ساتھ ہی اپنے
دنوں پر انگلی رکھ لی۔

ریو اور نکالنے والا سگ ہی تھا۔

فریدی نے یقینہ دو آدمیوں کو بھی پہچان لیا۔
ان میں سے ایک تو ڈاکٹر شپرڈ تھا اور دوسرا بڑی موچھوں والا بھاری بھر کم آدمی... جو
نگ ہی کے ساتھ مشرق ہی سے آیا تھا۔ اس کے کاندھے پر یکھا غالباً یہ پوش پڑی تھی۔
فریدی روزا کا ہاتھ تھاے ہوئے تھا۔ اس نے اس کی طرف جھک کر آہستہ سے کھا۔
”خیروار... تمہارا انداز بالکل بے تعلقانہ ہوتا چاہئے۔“

شکار اور شکاری

طارق مقامی زبان میں کچھ بڑوانے لگا۔
”سگ! ریو اور رکھ لو...!“ ڈاکٹر شپرڈ نے انگریزی میں کہا۔ ”یہ لوگ بے ضرر قسم کے سماں
تیل... غالباً شب ببری کے لئے یہاں رکے ہیں، انہیں خوفزدہ کرنے کی بجائے اپناء دگار بناو۔“
پھر اس نے آدمی اپنی اور آدمی انگریزی میں طارق سے گفتگو کرنے کی کوشش کی۔

طارق بے دھڑک اپنی بولنے لگا۔

یہ زبان فریدی بھی سمجھتا تھا۔

طارق نے کہا۔ ”میں کوئی کی زیارت گاہ کا ایک پچاری ہوں۔ میری طرف دشمن کی نگاہ سے
دیکھ کر روندہ نہ رہ سکو گے... تم ہو کون؟“

”ہم مسافر ہیں۔“ شپرڈ بولا۔ ”ہمارے چند دشمن ہمارے تعاقب میں میں ان سے بچنے کے
لئے ہم یہاں آگئے ہیں... ہم آپ کے دشمن نہیں... ریو اور اس لئے نکالا گیا تھا کہ کہیں

آپ لوگ شورنہ مجاہدیں۔ ”

”اچھا یہ بات ہے۔“ فریدی اپنی میں بولا۔ ”تم بالکل پریشان نہ ہو۔۔۔ ابھی ابھی تو تم آدمیوں کو پناہ دیتے ہے۔ وہ بالکل گونگے ہیں۔ یا پھر ہم ان کی زبانیں نہیں سمجھ سکتے۔“

”کہاں ہیں....؟“ ڈاکٹر شپرڈ جلدی بولا۔

”ٹھہر دے۔۔۔ میں انہیں لا تاہوں۔“ فریدی نے کہا اور نشیب میں اتر گیا۔

اس کے جاتے ہی ڈاکٹر شپرڈ نے گفتگو کا حصل سنگھی کو انگریزی میں بتادیا۔

طارق اس دوران میں انہیں اس طرح گھوڑتا رہا ہے۔ وہ دو عدد گونگے آدمیوں کو عین کی آوازیں نکلتے سن رہا ہو۔

”تم لوگ انگریزی سمجھتے ہو؟“ دفعتاً ڈاکٹر نے طارق کی طرف مڑ کر اپنی میں سوال کیا۔

طارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔

ڈاکٹر شپرڈ کے چہرے پر سرت کے آثار ابھر آئے۔ اس نے سنگھی سے انگریزی کہا۔ ”قدرت مہیان معلوم ہوتی ہے۔۔۔ اگر اس بوڑھے سے کسی طرح یہ نیلا حاصل جائے تو ساری مشکلیں آسان ہو جائیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔۔۔ سنگھی پلکیں جھپکاتا ہو بولا۔“

”یہ مقدس نہلا ہے۔۔۔ اسے بیہاں کے نہ ہی پیشواؤں کے علاوہ اور کوئی نہیں پال سکتا بوڑھا بھی کوئی نہ ہی پیشوام معلوم ہوتا ہے۔“

”لیکن مشکلیں کس طرح آسان ہوں گی۔“

”ہم میں سے کوئی ایک یہ نہلا اپنے ساتھ رکھے گا اور ہم بیخرو خوبی کوئی کی زیارت گا۔ پہنچ جائیں گے۔“

”محض اس نہلے کی وجہ سے۔“ سنگھی نے تحریر آمیز انداز میں پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ ہم سب بیہاں کے مقامی زائرین کی سی وضع اختیار کر لیں گے۔ ہم میں سے ایک نہ ہی پیشوابن جائے گا۔“

”خیال اچھا ہے۔۔۔؟“ سنگھی سر ہلا کر رہ گیا۔

فریدی۔۔۔ حمید، انور، قاسم کو ساتھ لے کر واپس آگیا۔

”آقاہ۔۔۔!“ سنگھی طریقہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”آپ لوگ ہیں۔ مجھے موقع نہیں تھی۔“

”وبارہ ملاقات ہو سکے گی۔“

حیدر نے اس پر یو اور نکلنے کی بڑی اچھی ایکنگ کی حالانکہ اس کے پاس رنیوالر نہیں تھا۔ بن اس کا ہاتھ جیب میں جانے سے پہلے سنگھی کا ریو اور نکل آیا۔

”ہرگز نہیں۔۔۔!“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”تم اب بھی میرے قبیلے میں ہو۔“

حیدر، انور اور قاسم نے اپنے ہاتھ اور اٹھا لئے۔

”میں نہیں سمجھا یہ کیا معاملہ ہے۔“ طارق اپنی زبان میں بڑا لایا۔

”اوہ مقدس بزرگ۔۔۔!“ ڈاکٹر شپرڈ بولا۔ ”یہ ہمارے ادنیٰ غلام ہمارے خلاف ہو گئے ہیں۔“

”عن اس بات پر کہ ہم کوئی کی عظیم روح سبوتا کی خدمت میں حاضری کیلئے جا رہے ہیں۔“

”مگر تم آسمانی مذہب کے پیروکار معلوم ہوتے ہو۔“

”پھر کیا ہوا۔۔۔ ہم سبوتا سے عقیدت رکھتے ہیں۔۔۔ وہ سبوتا جو پتھروں کی خالق ہے۔۔۔“

کسی گود سے چشمے پھوٹتے ہیں۔۔۔ جس نے آگ اگنے والے پہلا پر اپنا سایہ ڈال کر ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دیا۔۔۔ جس نے آگ کے دیوتا جادس کو اس کے تحت سے کھنچ کر نیچے پھینک دیا

نا۔۔۔ ہم اس پر اسے بھیٹھ چڑھائیں گے۔“

ڈاکٹر شپرڈ نے بڑی موچھوں والے آدمی کے کانہ سے پر پڑی ہوئی بیویش لڑکی کی طرف شارہ کیا۔

”کیا یہ کچھ ہے۔۔۔؟“ طارق نے تالی بجا کر کہا اور آسمان کی طرف اپنے ہاتھ جوڑ لئے۔

”حقیقت ہے مقدس بزرگ۔۔۔!“ ڈاکٹر شپرڈ نے کہا۔ ”یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ بیمار ہنماہیں اس طرح غیر متوقع طور پر مل گیا۔“

”تمہارے دشمن ہمارے دشمن ہیں۔“ فریدی بولا۔ پھر حیدر وغیرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ان کے لئے جو کچھ کہو کیا جائے۔“

”ہم انہیں بھی سبوتا جیسی عظیم روح پر قربان کریں گے۔“

”واہواہ۔۔۔!“ طارق نے اس بارہ تین مرتبہ تالی بجا اور اپنے ہاتھ پہلے ہی کی طرح آسمان ناطرف اٹھا کر جوڑ لئے۔

فریدی نے انور، حمید اور قاسم کی نائیاں کھول کر ان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔
”ہمارے ستارے پھر موافق معلوم ہوتے ہیں۔“ سنگھی نے شپڑے سے انگریزی میں کہا
”اب تم لوگ آرام سے بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے ان لوگوں سے ایکی میں کہا
”ہم تمہاری اچھی طرح حفاظت کریں گے۔“ وہ سب بیٹھ گئے۔
برڈی موچھوں والے نے لڑکی کو زمین پر لادیا۔

”مگر....“ ذاکر شپڑے سنگھی کی طرف مڑ کر بولا۔ ”مگر مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ تو
انہیں ہمارے متعلق کچھ بتائے دیں۔“
”اوہ.... تامکن...!“ سنگھی نے مسکرا کر کہا۔ ”یہ لوگ اپنی کے علاوہ شاید اور کوئی با
نیں سمجھ سکیں گے.... کیا خیال ہے؟“
”ہے تو ایسا ہی!“ شپڑے سر بلکر بولا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے طارق
مخاطب کیا۔ ”مقدس بزرگ! ہم لوگ شاید آپ کی مقدس زیارت گاہ مکنہ پہنچ سکیں۔“
”کیوں؟ کس لئے؟“ طارق نے حیرت سے کہا۔

”ان تینوں آدمیوں کی بدولت ہم پر ایک بہت بڑی مصیبت نازل ہوئی ہے۔“
”کیا ہوا....؟“ طارق نے پہ وقار انداز میں آہستہ سے پوچھا۔

”ہم لوگ یہاں ایک ہوٹل میں مقیم تھے.... گاٹکش ہوٹل.... ان تینوں نے اس لئی
شراب پلا کر وہاں ہنگامہ پر پا کر ایا۔ اس پر یہاں کے لوگوں نے ہمارے آٹھ آدمی پکوئے لئے اور دو
جان سے مار دیا.... ہوٹل والوں کو معلوم تھا کہ ہم کوئی کی زیارت گاہ کی طرف جائیں گے...
اب آپ جانتے ہیں کہ کیا ہوا گا.... وہ لوگ تمام راستوں کی گمراہی شروع کر دیں گے.... آہ...
شاید ہم زیارت سے محروم رہ جائیں۔“

”ہرگز نہیں....!“ طارق جوش میں کھڑا ہو گیا۔ ”کوئی کی عظیم روح سبتو اپنے پوچھا
ماہیں نہیں کرے گی۔“
”کیا ہم سبتو کے حضور میں حاضر ہو سکیں گے۔“
”ضرور.... قطی....!“
”لیکن وہ لوگ ہمیں بیچانتے ہی قتل کر دیں گے۔“

”کوئی کی عظیم روح انہیں انداز کر دے گی۔“ فریدی بولا۔ ”تمہارے ساتھ مقدس
نہیں ہوں گے۔“

طارق کے چہرے پر نہ جانے کہاں کا تقدیس بچھت پڑا ہے۔ وہ سر ہلا کر بڑے شاہانہ انداز میں
لگا۔ ”میرے بچے شاہانہ یہاں کے رسم و رواج سے اتفاق نہیں ہیں.... خصوصاً انہیں کوئی
عظیم روح کی خدمت میں حاضری دینے کا طریقہ نہیں معلوم....!“

”ہم نہیں سمجھے مقدس بزرگ....!“ ذاکر شپڑے سنگھل کر بیٹھ گیا۔
”مزاریں اپنے چہرے ڈھانک کر زیارت گاہ مکن جاتے ہیں۔ صرف ان کی آنکھیں کھل رہتی ہیں۔“
”مگر مقدس بزرگ.... وہ لوگ چہرے کھلوالیں گے۔“

”ہرگز نہیں....!“ طارق پھر جوش میں آگیا۔ ”تمہارے ساتھ سبتو کا پیاری.... موگٹوں میں
گا.... وہ ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے.... تمہاری طرف اٹھئے ہوئے ہاتھ خشک ہو جائیں گے۔“
”زندہ باد.... زندہ باد.... مقدس بزرگ زندہ باد....!“

سنگھی خاموش بیٹھا ہیو شریکھاکی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد ذاکر شپڑے
ہے انگریزی میں کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں بقیہ لوگوں کو بھی ڈھونڈنا چاہئے۔“
”ضرور ضرور....!“ ذاکر شپڑے بولا۔ ”یہاں تو معاملات حیرت انگیز طور پر طے ہو رہے
ہاں.... بوڑھا پیاری ہمیں زیارت گاہ مکن پہنچانے کا ذمہ لیتا ہے.... میں نے اس سے کہا ہے کہ
اس لوگی کو سبتو پر قربان کریں گے۔“

”اوہ.... تو کیا وہاں آدمیوں کی قربانی دی جاتی ہے؟“ سنگھی بوكھائے ہوئے لجھ میں بولا۔
”ہاں میرا خیال ہے کہ چوری چھپے اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ ویسے یہاں انسانیوں نے بڑے
نت قوانین بدار کئے ہیں۔“

”تو اسے یقیناً خوٹی ہوئی ہو گی۔“
”بہت زیادہ.... اچھا باب ہمیں اٹھنا چاہئے۔“ ذاکر شپڑے نے کہا۔ ”لڑکی اور تینوں سوروں کو
ٹکڑا چھوڑتے ہیں۔“

”لبے.... تو خود سور....!“ قاسم غرا کر بولا۔ اس نے لفظ ”لبے“ اردو میں کہا تھا اور بقیہ
غماٹ انگریزی میں۔

ایڈو پنیر جس میں قدم قدم پر موت سے ملاقات ہو جانے کے امکانات ہوں۔ ہاں اگر تم چاہو تو تمہیں نبیارک واپس بھجو اسکتا ہوں۔“
”نہیں..... میں واپس نہیں جاؤں گی۔“

حمدیہ ایک لمبی آہ بھر کر رہ گیا۔ پھر اس نے قاسم سے کہا۔ ”تم بھی تو ذرا ایک آہ بھرن پاپیا۔“
فریدی اسے گھورنے لگا۔ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ انور بدستور خاموش بیخمار ہے۔
”لیکن حضور!“ حمیدہ نے فریدی سے کہا۔ ”ہم کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔“
”صحیح ہے....!“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔
”ہائے.... میرے توہاتھ ٹوٹے جادہ ہے ہیں۔“ قاسم کراہ کر زنانہ لمحے میں بولا اور اس پر کوہی نہیں آگئی۔

”آپ نے تو کہا تھا کہ میں صرف طوق حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“ حمیدہ نے کہا۔
”قطیعی.... میرالاب بھی یہی خیال ہے۔“ فریدی بولا۔
”تو پھر اس نگ ہی اب قریب قریب آپ کے قبضے میں ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ وہ طوق اس
گئے میں پڑا ہوا ہے۔“

”میں جانتا ہوں لیکن طارق خزانے کے لئے صرف ہے۔“
”لیکن میں طارق کے لئے اپنی گردان نہیں کٹو اسکتا۔“
”تم سب اگر واپس جانا چاہو تو جاسکتے ہوں مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ اچھا دیکھو شاید وہ ہوش
آرہی ہے۔ خاموش رہو لیکن اسے صحیح حالات کا علم نہ ہونا چاہئے۔ کیا مجھ تم نے اسے
ب پلاٹی تھی؟“

”ہر گز نہیں ایسے سو فصدی جھوٹ ہے۔“ حمیدہ بولا۔
ریکھا کا جسم حرکت کر رہا تھا اور پھر وہ یک بیک اٹھ بیٹھی۔ سب سے پہلے اس کی نظر حمیدہ پر پڑی۔
”آپ....!“ اس کے ہونٹ کا پک کر رہ گئے۔

”ہاں ریکھا...!“ سنگ ہی نے ہمیں دوبارہ پکڑ لیا ہے، لیکن وہ اب خود بھی خطرے میں ہے۔
لپاٹی کے دو آدمی مارے گئے اور آٹھ پکڑ ملنے گئے۔ سنگ تمہیں کسی نہ کسی طرح نکال لایا۔“
”بہت نہ ہو۔“ ریکھا چاروں طرف دیکھتی ہوئی اور فریدی پر نظر پڑتے ہی یک بیک

”چپ چپ“ حمیدہ نے طنزیہ لمحے میں کھلڈا۔ اس وقت ان کے متدارے عروج پر ہیں۔
خاموش رہو۔ بولنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ ڈاکٹر شپرڈ کی بادات کیسے چڑھے
”یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟“ طارق نے ڈاکٹر شپرڈ سے ایجنٹی میں پوچھا۔

”اوہ.... یہ مردوں....!“ ڈاکٹر نے دانت پیس کر کھلدا۔ ”آپ کو اور آپ کے ساتھ
گالیاں دے رہے ہیں۔“

”اوہ.... اچھا....!“ طارق مسکرا کر بولا۔ ”فکر نہ کرو.... قربان گاہ کے عظیم تینے ازا
زبان پاک کر دیں گے.... کوئی کی عظیم روح سب کچھ سن رہی ہے.... سب دیکھ رہی ہے۔
”اچھا مقدس بزرگ! ہم یہ قربانیاں آپ کی خدمت میں پیش کر کے اپنے بقیہ ساتھ
تلash میں جا رہے ہیں۔“

”کب تک واپس آجائے؟“ طارق نے مشقانہ لمحے میں پوچھا۔
”صحیح سے پہلے ہی۔“

”کوئی کی عظیم روح تمہاری حفاظت کرے.... اگر کہو تو میں تمہارے ہمراہ چلوں۔“
”آہ.... بہت بڑا احسان.... مقدس موگنومی.... تمہارے پاؤں ہماری گردنوں پر،“
گے.... اے عظیم روح کے عظیم بیٹے۔“

”اچھا تو.... اپنے کمبولو سے اپنا لباس اچھی طرح نسلک لو.... چہرہ چھپاؤ.... کوئی
عظیم روح تمہاری مدد کرے گی۔“

طارق کھڑا ہو گیا۔ نبولا پھر اس کے کانٹھے پر سوار ہو گیا تھا۔
پھر تینوں طارق کے ساتھ باہر نکل گئے۔

ریکھا بھی بیہوش پڑی تھی۔ ان کے جاتے ہی سب سے پہلے روز ایوں۔
”یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”اب تو بالکل ٹھیک ہو رہا ہے۔ نہیں پکن۔“ فریدی اس کا شاند تھپکتا ہوا بولا۔ ”اب اس طر
میں فریب سے تمہارے باب کی گنگانی کر سکوں گا۔“

”لیکن یہ کھلیں بیٹھیں کیوں نہیں ختم کر دیتے۔ اس سے طوق چھین لو۔“
”نہیں.... اب میں نے اسکیم بدلتی ہے۔ ایڈو پنیر میری سب سے بڑی تفریغ ہے اور؛“

چونکہ کر حید سے پوچھا۔ ”وہ سب کہاں ہیں... اور ہم۔“

”ہم تو اس غار میں ہیں۔“ قاسم بول پڑا۔ ”اور وہ سالے جنگ مارنے گئے ہیں۔“

فریدی ریکھا کو بہت دلچسپی اور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

فریدی کے علاوہ اور سب پر غنودگی کا حملہ ہو چکا تھا۔

صح ہونے سے قبل ہی طارق واپس آگیا۔ اس نے یہ اطلاع دی کہ اب تک سنگ ہی

صرف دس آدمی مل سکے ہیں۔ پانچ اب بھی غائب ہیں۔

”ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا سنگ کے سارے آدمیوں کو

ہم کے مقصد کا علم ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ نہیں۔“ حید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور سوتی ہوئی ریکھا کی طرز

اشارہ کر کے پوچھا۔ ”یہ جانتی ہے! ڈاکٹر شپرڈ جانتا ہے اور وہ بڑی موچھوں والا جو حقیقتاً میلہ

کلب کامالک ہے جسے لوگ عام طور پر کلب کامالک سمجھتے ہیں وہاں میں کلب کا نیجہ تھا۔“

”مجھے علم ہے... نریش ہی کلب کامالک ہے۔“

”ہاں تو یہی تمہیں ہستیاں اس راستے سے واقف ہیں۔“

”ان لوگوں کی روائی کب ہوگی؟“ فریدی نے طارق سے پوچھا۔

”آج.... میں نے سارے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔“ طارق نے کہا اور اپنے نیوں

پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

رواگی

دوسرے دن وہ سب غار ہی میں چھپے رہے اور طارق روگنگی کے انتظامات مکمل کر دارہ۔

سنگ ہی کے بقیہ پانچ آدمیوں کا پتہ نہ چل سکا۔ صرف دس آدمی اس کے ساتھیوں میں

رہ گئے تھے۔ چاروں خود تھے۔ ڈاکٹر شپرڈ، نریش، ریکھا اور سنگ ہی۔

حید، انور اور قاسم کی حیثیت قیدیوں کی سی تھی۔ لیکن اب ان کے ہاتھ کھول دیئے گئے تھے۔

اور یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ایسے حالات میں وہ خود ہی جھانگنے کی ہمت نہ کر سکیں گے۔

ریکھا بالکل دم بخود تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جاتے میں بھی سور ہی ہو۔ سنگ ہی ا

لاما..... بار برداری کے کام آئے والا ایک جانور جو ادا شے سے کچھ چھوٹا اور بھی کردن والا

تھا۔ اونٹ سے وہ صرف اس لئے مختلف ہے کہ اس کے کہنے نہیں ہوتے۔

لے اس کی حرکت کے بارے میں استفسار بھی کیا، لیکن ریکھا اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہ
ے سکی کہ اس کے متعلق کچھ یاد ہی نہیں۔

سنگ ہی نے بچرہ مزید سوالات نہیں کئے اور اس کے ساتھ اس کا رد یہ بھی بڑا اچھا رہا۔
شام تک طارق نے سارے انتظامات مکمل کر لئے۔ بار برداری کے لئے جانور اور آدمی ہے
سالنیں مل گئے۔ قاسم لا موب سا کو دیکھ کر بہت ہملا۔ نہ جانے کیوں وہ اسے مخفکہ خیز معلوم
رہے تھے۔

تیری صحیح وہاں سے کوئی کی زیارت گاہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان سب نے اون کے لئے
اپنے ہمیں رکھے تھے اور ان کے چہرے آنکھوں تک ڈھکے ہوئے تھے۔

طارق سب سے آگے تھا اور صرف اس کا چہرہ کھلا رہا تھا۔

میں آدمیوں کا یہ قافلہ چکردار راستوں سے کیتی کے نشیب میں اتر رہا تھا۔

سفید بادلوں کے ٹکوڑے کبھی ان کے سروں پر سایہ ڈالتے... اور کبھی آتاب پھکنے لگتا۔
عن دھوپ ہو جانے کے باوجود بھی انہیں اپنے چاروں طرف دھندہ ہی دھندہ نظر آتی۔

طارق جو جو بولی امریکہ کا بہت پرانا سیاح تھا نہیں ایک ایسے راستے سے لے جا رہا تھا جو صرف
ٹیکے خاص پیچاریوں کے لئے وقف تھا۔ لیکن انہیں وہاں بھی جگہ جگہ حکومت کے مسلح
میوں سے ٹکرنا پڑا۔ خیریت یہ ہوتی کہ ابھی تک انہیں کوئی ایسی ٹوٹی نہیں ملی تھی جس میں
لی یورپیوں بھی ہوتا۔ یہ سب بہاں کے قدیم باشدے ہی تھے اس لئے طارق کا نیوالا کافی بااثر
ہت ہوا اور کسی نے طارق کے پیچھے چلتے ہوئے قافلے کی طرف نظر انھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ
بساے دیکھ کر احترازاً اپنی گرد نہیں ہی جھکاتے رہے... روزا کا ہاتھ فریدی کے ہاتھ میں
.... اور حید کے سینے پر سانپ الوٹ رہے تھے۔

”ٹک گئی ہو گی بیچاری....!“ قاسم نے روزا کی طرف دیکھ کر حید سے کہا۔
”لدوادوں تمہارے اوپر....؟“ حید بولا۔

”کرے داہ....!“ قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہا گیا۔

”اچھا میں کوشش کروں گا۔“

”نہ.... نہیں....!“

لاما..... بار برداری کے کام آئے والا ایک جانور جو ادا شے سے کچھ چھوٹا اور بھی کردن والا
تھا۔ اونٹ سے وہ صرف اس لئے مختلف ہے کہ اس کے کہنے نہیں ہوتے۔

دوسری طرف روز افریدی سے کہہ رہی تھی۔ "شاید ڈینی کا ذہنی توازن بگو گیا ہے۔"
"نہیں ایسا تو نہیں ہے۔"

"آخر اس سفر کا نجام کیا ہو گا؟"

"ا بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔... جب تھک جاؤ تو پتا دینا۔"

"تو اس سے کیا ہو گا.... سب ہی پیدل چل رہے ہیں۔"

"نہیں تمہارے لئے انتظام ہو جائے گا۔"

"میں لاما پر تو ہر گز نہ بیخون گی.... وہ لڑکی بیچاری شاید تھک گئی ہے۔" روزا نے ریکھا
طرف اشارہ کیا۔

"یہ لڑکی۔ اس نے مجھے عرصہ سے الجھن میں بٹلا کر کھا ہے۔"

"کیوں....؟" روزا چونک کر فریدی کو گھومنے لگی۔

"میں ابھی سنگ کی پارٹی میں اس کی موجودگی کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔"

"تم کبھی نہیں سمجھ سکو گے۔" روزا آہستہ سے بولی۔

"کیوں....؟"

"کیونکہ یہ ایک لڑکی کا معاملہ ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ دفتارہ بہت زیادہ سمجھیدہ نظر آنے لگا تھا۔ روزا نے اس کی طرف دیکھ پھر اور کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکی۔ وہ ان تھوڑے ہی دنوں میں فریدی کی نظر سے اچھی طریقہ ہو گئی تھی۔

فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ "تمہیں اس لڑکی کے حالات کا علم نہیں۔ بہت عرصہ کی بات۔ کہ یہ ایک کافی دولت مند آدمی کی سیکریٹری تھی۔ چند غیرناک آدمیوں نے اسی کے ہاتھوں اُن زہر دلوادیا اور پھر انہوں نے کچھ ایسے حالات پیدا کئے کہ پولیس اس پر شہر بھی نہ کر سکی....!"

میں اس لڑکی کو ان لوگوں کا غلام بننا پڑا.... اور وہ اس سے ذمیل سے ذمیل کام لینے لگے۔ پھر سنگ ہی کے آدمیوں کے ہمچھے چڑھ گئی.... لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ہوا کیوں؟؟

سنگ کے ساتھیوں کو اسے حاصل کرنے کے سلسلے میں کافی کشت و خون کا سامنا کرنا پڑا تھا۔"

"عورتوں نے لئے پورے پورے ملک تباہ ہو گئے ہیں۔" روزا مسکرا کر بولی۔

"تم پر دمان بڑی طرح سوار ہے۔"

"میں نے ہمیشہ بڑے شاندار خواب دیکھے ہیں۔"

"بڑی بات ہے.... جب یہ خواب حقیقتوں سے مکرا کر ٹوٹتے ہیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔"

"تمہیں اس کا تجربہ ہے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے بھی خواب نہیں دیکھے۔"

"میں کہتی ہوں.... یہ بہت بڑی بات ہے.... اگر آدمی ان خوابوں سے بھی محروم

اے تو پھر زندگی میں رہ ہی کیا جائے گا۔"

"لیکن خواب تمہیں کچھ سمرت بخشتے ہیں؟"

"میں کچھ اور جھوٹی کے چکر میں نہیں پڑتی۔ لیکن مجھے خوابوں سے برا سکون ملتا ہے۔"

فریدی کچھ کہنے تھی والا تھا کہ کسی بات پر حمید اور قاسم لڑپڑے۔ قاسم اس پر جھلا کر جھپٹا ہی اچھل کر رہا ہاگا۔

"خبردار گولی مار دوں گا۔" سنگ ہی چیخ کر بولا اور پھر وہ سب ایک جگہ اکٹھا ہو گئے۔

فریدی قہر آؤ دلظوروں سے حمید کو گھوڑ رہا تھا۔

"میں انہیں مٹھکانے ہی کیوں نہ لگا دوں۔" سنگ ہی نے ڈاکٹر شپرڈ سے کہا۔

"ہر گز نہیں.... تم انہیں کوئی قربانی کے لئے وقف کر چکے ہو.... اگر تم نے اس کا ارادہ ملاہر کیا تو معاملات قابو سے باہر ہو جائیں گے۔"

"یہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے۔"

"اوه.... تو انہیں یہاں تک لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں نے تو وہیں کہا تھا۔" وہ پھر چلنے لگے۔

اس بار حمید قاسم کا ساتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔

سنگ ہی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر ڈاکٹر شپرڈ سے بولا۔ "میں نے یہ جنجنگ محض اسی تھی کہ فریدی کھل کر سامنے آجائے۔ مگر ابھی تک تو اس سے مدد بھیز نہیں ہوئی۔"

"میرا خیال ہے کہ شاید وہ ادھر آنے کی ہمت ہی نہ کر سکے۔" ڈاکٹر شپرڈ بولا۔

"خام خیال ہے.... میں ہر ہر یکندہ اس کا منتظر ہوں۔"

"یہاں شاید وہ کامیاب نہ ہو سکے۔" ڈاکٹر شپرڈ نے کہا۔
سنگ ہی پکھہ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر ٹکنیس ابھر آئی تھیں۔
"سنوا ڈاکٹر...!" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں کمی اتنا نہیں سوچا۔
"کس چیز کے متعلق۔"

"فریدی! میرے سینے میں دل کی جگہ پھر کا گلاہے.... لیکن... لیکن" سنگ ہی یک خاموش ہو گیا۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے۔" ڈاکٹر شپرڈ نے تھوڑی دیر بعد اسے نوکا۔

"میں تمہیں ایک رات کا واقعہ سناؤں.... میرے آدمیوں نے فریدی پر حملہ کیا وہ
لیکن ایک کو جان سے مار کر صاف نکل نہیں اور اسی آدمی کی لاش سے وہ میرے ٹھکانے
پہنچا... اگر میں پہلے ہی سے بوشیاں ہو گیا ہوتا تو...!"

سنگ ہی نے ریکھا کے اغوا کے واقعات دہرانے اور پھر بولا۔ "مجھے یقین تھا کہ فریدی
نہ کوئی چال ضرور چلے گا لہذا میں نے وہی کیا جس کی وہ توقع رکھتا تھا۔ اسے بھی یقین تھا کہ
کوئی نہ کوئی آدمی مجھے اس واقعے کی اطلاع ضرور دے گا۔ لہذا میں نے پہلے ہی سے ساری
مرتب کرنی۔ میرے ایک آدمی نے لڑکال جنگل کا رخ بکیا اور فریدی اس کا تاقب کرنے لگا۔
اس وقت بھی وہ تھا اسی تھا لیکن جانتے ہو کیا ہوا؟ اس نے میرے آٹھ آدمی ختم کر دیے۔
پورے آٹھ... اور ایک واقعہ تو خود تھا اسی نظر دوں سے بھی گزر چکا ہے.... اس نے کتنی میں
سے اپنی گردن بچالی... حالانکہ تمہیں پورا یقین تھا کہ وہ دام میں آگیا ہے.... آخر تھا اسی
نے روز اسپرڈ کے نام سے خط و کتاب کیوں کی تھی؟"

"اسے اصل واقعات کا علم نہیں تھا۔"

"لیکن تم تو مقصد سے واقع تھے۔"

"مگر میں کسی دوسرے نام سے خط و کتابت کرنے کی ترغیب دیتا تو وہ اس کا مقصد ضرور پوچھتی۔
"غیر جو ہوا ہوا۔ مجھے اب بھی بہتر حالات کی توقع نہیں۔ جب تک فریدی قابو ملنا
آجائے... ہمیں مطمئن نہ ہونا چاہئے۔"

"چھوڑو... ہٹاؤ... میں بلاوجہ الجھن میں نہیں پڑتا۔" ڈاکٹر شپرڈ ہاتھ ہلا کر بولا۔

وہ دونوں طارق کے پیچھے تھے۔ طارق ان کی گفتگو صاف سن رہا تھا۔ لیکن اس نے ایک بار بھی
مزکر ان کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کے چلنے کا انداز بالکل ایک گونگے اور بہرے آدمی کا ساتھا۔
فریدی اور روزا قافلے کے پیچھے تھے۔ آخری آدمیوں سے ان کا فاصلہ کم از کم سو گز ضرور ہو گا۔
سفید بادلوں کے پرے کے پرے شمال کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ بھی وہ ٹکلی چوٹیوں
والے سرفلک درختوں کے درمیان سے گذرتے ہوئے معلوم ہوتے اور بھی ایسا لگتا جیسے وہ ان
چوٹیوں سے الجھ کر رک گئے ہوں۔ اس وقت ہلکی ہٹکی بہت خوشنگوار معلوم ہو رہی تھی۔

فریدی بہت زیادہ محتاط نظر آ رہا تھا۔ اس نے تقریباً پانچ یا چھ سوچنے سے اپنے مخصوص سگار
نہیں پے تھے لیکن اس کے باوجود بھی کوئی اس کی ظاہری حالت سے یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس
کے ذہن پر تمباکو کے نٹے کی طلب مسلط ہے۔
"میں واقعی تھک گئی ہوں۔" اچانک روزانے کراہ کر کہا۔
"اچھا میں انتظار کرتا ہوں۔"

"کیا انتظار کرو گے.... میں لاما پر ہرگز نہیں بیٹھوں گی۔"

"میں تمہارے لئے ہاتھی مہیا کروں گا... وہ دیو کا پچھہ دیکھا ہے تا تم نے! تم اس کی پیٹھ پر
بزر کر دو گی۔"

"کیا...؟ نہیں ہرگز نہیں۔"

"تو پھر ہاؤ کیا کروں....!" فریدی جھنجھلا گیا۔ "میں نے تو کہا تھا کہ واپس چل جاؤ۔"

"خفا کیوں ہوتے ہو.... اب نہ کہوں گی کہ تھک گئی ہوں۔"

"اکو...!" فریدی زمین پر بیٹھتا ہوا بولा۔ "لدو میرے ہی اوپر لدو۔"

"نہیں ٹھیک ہے.... میں چل تو رہی ہوں۔"

"چلو! درنے گروں مردڑ کر کسی کھٹڈ میں پھیک دوں گا۔" فریدی نے آنکھیں نکال کر کہا اور
روزانگ کی کاپ گئی۔ قیل کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

"ڈر گئیں....؟" فریدی نے اپنی پشت پر سنبھال کر اٹھتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"دیکھو.... فریدی ڈیزیریہ کتنا مرد اعلوم ہوتا ہے.... نہیں مجھے نیچے اٹار دو۔"

"تم اس وقت لڑکی نہیں بلکہ لڑکے ہو.... ڈیمولڈی کے چھوٹے بھائی بیگ پا گئی ہو۔"

روز اہنے لگی۔

پکھ دیر بعد اس نے کہا۔ "اس طرح تم بھی تھک جاؤ گے۔"

"میں تین دن تک تمہیں اسی طرح اٹھائے ہوئے چل سکتا ہوں۔"

"صرف مجھے یا کوئی بھی ہو؟" روزانے پوچھا۔

"کوئی بھی ہو! خواہ اس کا وزن تم سے دو گنا ہو۔"

روزا کو شاید اس جواب سے مایوسی ہوئی تھی۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اس نے اس طویل سانس لی۔

اتفاقاً حمید نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور برا سمسمہ بنائے ہوئے پھر قاسم کے ساتھ چلنے لگا۔

"دیکھا فرزند...!" اس نے قاسم سے کہا۔ "ذرا اپنچھے دیکھو۔"

قاسم نے پلٹ کر دیکھا اور ہنسنے لگا۔

شام ہوتے ہی طارق نے ایک کافی کشادہ غار ڈھوند لیا۔ پورا قافلہ اس میں بہ آسانی را گزار سکتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے طارق اس سر زمین کے چھپے سے واقف ہو۔

غار کے باہر جگہ جگہ الاؤ جل رہے تھے حالانکہ آسمان بادلوں سے ٹھکا ہوا تھا لیکن پھر بھی گہر تاریکی نہیں تھی۔ بادلوں کے پیش منظر میں دوز کے پہاڑوں کی چوٹیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔

طارق، سنگ، ہی اور ڈاکٹر شپرڈ غار کے دہانے پر بیٹھے دن بھر کی تھکن دوڑ کر رہے تھے۔

"اب ہمیں کتنا اور چلتا پڑے گا۔" ڈاکٹر شپرڈ نے اپنی میں پوچھا۔

"کل شام تک...!" طارق ایک طرف اپنا دہانہ ہاتھ پھیلا کر بولا۔ "عظمیم سوتا میں... مسکن... بہالی شکل کی دو چوٹیاں دیکھ رہے ہو.... یہ مقدس بہال سوتا کا مسکن ہے... کوئی کو عظیم روح تم سفید قام آدمیوں پر ہمراں ہو گئی ہے۔ تم جو اس کی مکنیزیب کرتے ہو۔"

"ہرگز نہیں.... مقدس بزرگ ہم اس کے عقیدت مددوں میں سے ہیں۔"

"میں خاص طور پر تمہیں نہیں کہہ رہا ہوں۔" طارق مسکرا کر بولا۔ "تمہارے پہلے حملہ آؤ۔

فرانسکو ہزارو کو اندر ہیری رات میں کس نے راستہ دکھایا تھا کوئی کی عظیم روح اپنے قدم پر ستاروں سے ناخوش ہو گئی تھی اس نے تم سفید آدمیوں کے ہاتھوں انہیں ذلت بخشی۔ ہزار دکا

میں جب رات کے اندر ہے میں بھک رہی تھیں تو تم جانتے ہو کیا ہوا تھا؟"

"ہم نہیں جانتے مقدس بزرگ۔"

طارق کے لمحے میں اس وقت عجیب قسم کی عظمت پیدا ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر شپرڈ جو اپنی سمجھتا تھا لیکن زبان کے لہوں پر قادر نہیں تھا کچھ اس طرح مرعوب نظر ہاتھ میں وہ اس کے سامنے ایک خناسا پچھے ہوا۔

فنا پر ہلاکسر میں غبار ساطاری تھا۔ فلک بوس چوٹیاں سکوت میں ڈوبی کھڑی تھیں اور اس اسرا ر سنائے میں طارق پانچ سو سالہ پرانی داشستان دہرا رہا تھا۔ ڈاکٹر شپرڈ کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ طارق بھی اسی زمانے کی کوئی بھکنی ہوئی روح ہو۔ اسکی روح۔۔۔ جو صد بہار تک ان وہ میں ڈوبے ہوئے پہاڑوں کے گرد مبنڈلاتے رہنے کے بعد پہلی بار بولی ہو۔

ڈاکٹر شپرڈ کی نظر اپاٹک ان چوٹیوں کی سست اٹھ گئی جن کی طرف طارق نے اشارہ کیا تھا۔ نہ نے کیوں اسے محسوس ہوا جیسے وہ بہالی شکل کی چوٹیاں اپنے پس منتظر سے الگ ہو گئی ہوں۔

طارق کہہ رہا تھا۔

"پھر ان مقدس چوٹیوں سے ایک چین بلند ہوئی۔۔۔ ایک روشنی پھوٹی اور انہا قوم کی سر زمین جانی نازل ہو گئی۔۔۔ اس روشنی میں رات نگی ہو گئی تھی۔۔۔ حملہ آور آگے ہو چتے گئے۔۔۔ ان پاڑوں طرف خون ہی خون تھا۔۔۔ پھر ایک دبا آئی۔۔۔ سوتا کے ستاروں کے جسموں پر سے بڑے آبلے پڑنے لگے جن سے زور دنگ کاپانی بہتا تھا۔۔۔ پھر وہ خوفناک پرندے جن کے سے کے پرے شمال کی طرف سے آرہے تھے۔۔۔ انہوں نے لاٹوں کی طرف رخ بھی نہ ا۔۔۔ زندہ آدمیوں کی چوٹیاں نوچنے لگے۔۔۔ مگر سوتا کا مسکن جیسا تھا ویسا ہی رہا۔۔۔ میں میں اگاہ کرتا ہوں کہ ایک دن پھر ان بہالی چوٹیوں سے روشنی پھونٹے گی۔۔۔ رات نگی جائے گی۔۔۔ اور اس دن انکا کسانوں کے ہاتھ میں سفید فاموں کے سر ہوں گے۔۔۔ ایسے جن سے ایک ایک بوند کر کے خون پک رہا ہوگا۔"

طارق خاموش ہو گیا۔

ڈاکٹر شپرڈ کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی سی معلوم ہونے لگیں۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ لہجے نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش بھی کی لیکن۔۔۔ ڈاکٹر شپرڈ کے منہ سے آواز تک نہ

رائفل اڑکی

وسری شام وہ کوئی زیارت گاہ تک پہنچ گئے۔ یہ پھر دوں کی ایک چھوٹی سی ٹوٹی پھونی عمارت تھی۔ پچھے حصوں پر اب بھی چھتی تھیں۔ اس عمارت میں کل نو آدمی تھے جن کی وضع قطع طارق سے ملتی جلتی تھی۔ یہ سب کے مندر کے پیارے تھے۔ طارق کو انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن اس کے ہمراہ غیر ملکیوں کو دیکھ کر انہوں نے خالر کی۔ طارق نے انہیں سمجھایا کہ وہ سبوتا کے عقیدت مند ہیں۔ اس کے باوجود ہم ملکیوں کو عمارت کی چھتوں کے پیچے پناہ نہیں دی گئی۔ انہیں باہر ہتھی ایک گار میں قیام کرنا پڑا۔ یہ بات فریدی کو پسند نہیں آئی۔ وہ ان لوگوں کو ایک سینڈ کے لئے بھی نظرؤں سے اور نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

اب کیا کہتے ہو؟“ طارق نے فریدی سے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ رات ہی سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کریں گے لیکن انہیں ایک دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کا کوئی آدمی بھی مقابی زبانوں سے واقف نہیں۔ برواروں کے بغیر یہ سفر کرنے سے رہے۔ صرف تحریر کے سہارے سفر جاذی رکھنا ان کے سے باہر ہو گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بار بروار آگے جانے پر رضا مند ہوں گے؟ نہیں۔ کیونکہ وہ ان کی زبان نہیں سمجھ سکیں گے۔“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ طارق نے پوچھا۔

”یہی کہ اگر ہم یہ سفر ساتھ ہی جاری رکھیں تو کیا حرج ہے؟“

”بجلایہ کس طرح ممکن ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم کو صرف سینڈ تک آتا تھا۔“

”ہو سکتا ہے.... ابھی میں نے جن دشواریوں کا تذکرہ کیا ہے اس کا احساس انہیں ہو گا۔... پوری پاری میں صرف آپ ہی ایک آدمی ہیں جو مقابی زبانوں سے واقف ہیں۔“

”پھر....؟“

”ہمہرے یے باتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور ادھر ادھر دیکھ کر ایک سگار سنگا لایا۔... اس نے دن سے سگار نہیں پیا تھا۔ دو تین گہرے کش لینے کے بعد وہ طارق بنے آہستہ پچھ کہنے پھر شاید پدرہ میں مت تک ان میں رو و قرح ہوتی رہی۔ اس کے بعد طارق بنتا ہوا اس غار کی ف چلا گیا جاں سگ ہی وغیرہ مقیم تھے۔

طارق کو غار میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ سب بولکھا گئے۔ شاید وہاں سے نکل جانے ہی کے ملن گفتگو کر رہے تھے۔

طارق انہیں چند لمحے گھورتا ہا پھر یک یہی مقابی زبان میں برسنے لگا۔ بار بروار قلی غاز کے رخے اور سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اس زبان کو نہیں سمجھتا تھا۔... وہ سب تھیں رخوں زدہ نظرؤں سے طارق کی طرف دیکھتے رہے۔

طارق ایک لمحے کے لئے رکاعی تھا کہ ڈاکٹر شپرڈ نے ڈرتے ڈرتے ایجنٹی میں کہا۔ ”مقدس رگ... ہم یہ زبان نہیں سمجھ سکتے۔“

”تو میں تمہیں سمجھاتا ہوں....!“ طارق بھی ایجنٹی ہی میں گر جا۔ ”تم لوگ جھوٹے ہو۔“ ڈاکٹر شپرڈ سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

”میں نہیں سمجھا مقدس بزرگ۔...!“

”تم ہرگز اس لڑکی کو قربان نہیں کرو گے...!“ تم نے جھوٹ کہا تھا۔

”نہ.... نہیں.... قربان کریں گے۔“ ڈاکٹر شپرڈ ہکلایا۔

”میں اب مزید جھوٹ نہیں سننا چاہتا۔“ طارق نے اپنے بخوبی کی پشت پر ہاتھ پھیرتے رہے کہا۔ ”ابھی ابھی مرائبے میں میں نے سبوتا کے ہر کارے سیو بام سے گفتگو کی ہے۔ وہ غلط اریں نہیں دیتا.... اس نے بتایا ہے کہ تم ان تینوں قیدیوں کو قربانی کے لئے پیش کر کے لڑکی کو ماں پچالے جانے کی کوشش کرو گے۔“

ڈاکٹر شپرڈ کی ہمکاہست کا سلسہ جاری رہتا۔ اگر سنگ ہی اسے اپنی طرف مخاطب نہ کر لیتا کیا کہ رہا ہے؟“ سنگ ہی نے پوچھا۔

ڈاکٹر شپرڈ نے ساری باتیں دہرا دی۔

”اک زیارت گاہ میں کل کتنے آدمی ہوں گے؟“

”میں نہیں جانتا۔“ ذاکر شپرڈ نے کہا۔
 ”ہوں گے.... جتنے بھی ہوں.... ہمارے پاس کافی اسلج ہے ہم سمجھ لیں گے یہ کا
 جادو گر ہوتے ہیں۔ اگر انہیں یہاں ہمارے آئے کامقد معلوم ہو گیا تو مصیبت ہی آجائے
 ”تو پھر میں کیا کروں؟“ ذاکر شپرڈ نے بے بھی سے کہا۔
 ”اے تھوڑی دیر کے لئے نال دو.... میں سارا انتظام کے لیتا ہوں۔“
 ذاکر شپرڈ نے طارق کی طرف دیکھا جو ایک ناٹک پر کھڑا کچھ بدبار ہاٹا۔
 ”مجھے بتاؤ کہ تم نے اپنے ساتھی سے کیا گنتگو کی ہے۔“ طارق نے غار کر کہا۔ ”جبھو
 کہنا۔.... اس وقت بھی سیوتا کے ہر کارے سلویام کی روح میرے ساتھ ہے۔“
 ”وہ کہہ رہا ہے کہ مقدس بزرگ کو یقین دلادو کہ لڑکی ضرور قربان کی جائے گی۔“
 ”جھوٹ.... سراسر جھوٹ.... سیویام کی روح کہہ رہی تھی کہ تم اپنے دھماکے
 ہتھیاروں سے ہمیں ختم کر دینے کی ایکم بنا رہے ہو.... لیکن سیوتا کے پچاریوں کی قوت
 واقع نہیں ہو.... تمہاری رانفلین بیکار ہو جائیں گی سیویام کی روح ہر وقت میرے
 گردناجی رہتی ہے۔“

ذاکر شپرڈ کے چہرے پر پیسے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔
 ”میں کس طرح یقین دلاؤں....“ ذاکر شپرڈ نے رومال سے اپنے چہرے کا پینہ
 کرتے ہوئے کہا۔
 ”اچھا تم ذرا سیرے ساتھ باہر آؤ۔“
 ذاکر شپرڈ نے مڑ کر سگ ہی کی طرف دیکھا۔
 ”کیا بات ہے؟“ سگ نے پوچھا۔
 ”مجھے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتا ہے۔“
 ”میں بھی ساتھ چلوں گا۔“

”یہ بھی میرے ساتھ جانا چاہتا ہے۔“ ذاکر شپرڈ نے کہا۔
 ”اوہ.... تم سب آؤ.... میں تمہیں ذبح کرنے کے لئے نہیں لے جا رہوں....!“
 نے غصے میں کہا اور غار سے باہر نکل گیا۔ سگ ہی اور ذاکر شپرڈ نے بھی اس کی تقلید کی۔

طارق چلے چلتے ایک جگہ رک گیا۔

سگ کا ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے ریو اور پر تھا۔

”سیویام کی روح کیا کہہ رہی ہے.... بتاؤ تمہیں....؟“ طارق نے ذاکر شپرڈ سے کہا۔
 ذاکر شپرڈ کچھ نہ بولا۔

طارق نے سکرا کر کہا۔ ”وہ کہہ رہی ہے کہ تمہاری منزل کوئی کی زیارت گاہ نہیں ہے....
 گے جاؤ گے۔“

”ہم کہاں جائیں گے؟“ ذاکر شپرڈ نے تیزی سے پوچھا۔

”تم جہاں بھی جاؤ گے ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔“

”لیا کہہ رہا ہے؟“ سگ ہی نے پوچھا۔

ذاکر شپرڈ نے گنتگوا نگریزی میں دہرا دی۔

”تم اسے با توں میں لگائے رہو۔“ سگ ہی نے کہا۔ ”میں سب ٹھیک کئے لیتا ہوں۔“

پھر وہ تیز قدموں سے چلا ہوا غار کی طرف واپس آگیا۔ سامان کے ساتھ اسلج جات کے
 روتوں بھی باہر ہی پڑے ہوئے تھے۔ سگ ہی نے صندوق کھول کر ایک الکر را تقل نکالی جس

ہے سائلنر لگا ہوا تھا۔ پھر وہ اسے ہاتھ میں لئے ہوئے جھکا جھکا چنانوں کی اوٹ میں چلنے لگا۔ ایک

درک کر اس نے اور ہر نظر ڈالی جہاں طارق اور ذاکر شپرڈ کھڑے گفتگو کر رہے تھے....
 ہیرا ضرور تھا مگر تاروں بھرے آسان کے پیش مظہر میں ان کے جسم صاف دکھائی دے رہے

تھے.... اور طارق.... اسے بیچان لیتا تو بالکل ہی آسان تھا کوئے خلاف اب بھی اس کے کانوں
 سوار تھا۔ سگ ہی نے ادھر ادھر دیکھ کر را تقل سیدھی کرنی ہی چاہی تھی کہ وہ اس کے ہاتھ
 سے نکل کر فنا میں اچھل گئی اور پھر ان سے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اڑتی ہوئی بکار تاریکیوں میں گم

و گئی ہو۔

سگ ہی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے را تقل گرنے کی آواز نہیں سنی۔

وہ ڈرپوک نہیں تھا لیکن اس واقعے پر اسے اپنے جسم کے رو ٹکھٹے کھڑے ہوتے ہوئے
 ٹھوٹ ہوئے۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا.... اس کے جسم کے مسامات سے پیٹہ امل پڑا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ سر پٹ غار کی طرف بھاگ رہا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ غار میں داخل ہوا

اس پر چودہ طبق روش ہو گئے۔ کیونکہ یہاں حمید انور اور قاسم کی حکمرانی تھی۔ انہوں نے کے دسویں ساتھیوں کو باندھ لیا تھا۔ سنگ ہی یہ ماجرا دیکھ کر پلٹاہی تھا کہ انور نے اپنے رخ اس کی طرف کر دیا۔

”خبردار... اگر تم نے ذرہ بھی حرکت کی تو... وہیں کھڑے رہو اور اپنے دو فوا اور اٹھاؤ... ٹھیک...!“

ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر شپرڈ بھی غار میں داخل ہوا اور اس کے منہ سے ایک تحریر لکھی۔ افسر نے اسے بھی ہاتھ اور اٹھائیتے کو کہا۔

”خدای قسم...!“ شپرڈ اپنے ہاتھ اٹھاتا ہوا بڑا لیا۔ ”وہ بوزھائیج جیجادوگ معلوم ہوتا ہے“

”قسم انہیں بھی باندھ لو...!“ انور بولا۔

قاسم رسی لیکر ان کی طرف بڑھا لیکن ابھی ان کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ طارق داخل ہوں۔ طارق نے یہاں کی کیفیت دیکھ کر ایک چھٹتا ہوا ساق تھہر لگایا۔

”خبردار جی... تم بھی ہاتھ اٹھاؤ۔“ انور گر جائے۔

اسکے بعد آواز میں کچھ بڑی داشت روی کردی۔ انور اور حمید کے روی اور آہستہ آہستہ بیجھنے لگے اور پھر زمین پر گر گئے۔ قاسم کے منہ سے ایک خوفزدہ سی آواز نکلی۔

اچھل کر انور اور حمید کے پیچھے جا چھپا۔

طارق نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور ڈاکٹر شپرڈ سے بولا۔ ”اگر میں نہ ہوتا تو تم لوگ اس کہاں ہوتے۔“

سنگ ہی انور وغیرہ کی طرف لپکا۔

”روکو... اسے... کیا کرتا ہے۔“ طارق غریا۔

ڈاکٹر شپرڈ نے جھپٹ کر سنگ ہی کو پکڑ لیا اور یوکھلائے ہوئے لجھ میں بولا۔ ”سنگ... کر رہے ہو... نہ ہمہ جاؤ... بوزھائیج کچھ کہے اس پر عمل کرو۔“

”کیوں...؟“ سنگ ہی جھلا کر پلٹا۔

”اوه... اس وقت اسی نے مجھے اطلاع دی تھی۔ اپاک گلگو کرتے کرتے اس نے مجھے کہا تھا فورا جاؤ تھا۔ ساتھی خطرے میں میں اور یہاں آکر کچھ میں نے بھی دیکھا۔“

سنگ ہی آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر طارق کو دیکھنے لگا۔ ”اوہ یہ تمہارا ساتھی...!“ طارق نے تنہ بھی کے ساتھ کہا۔ ”اس نے ٹھوڑی اور قبل میں بے آواز را کتل سے مار دالا چاہا تھا۔ اسی وقت جب ہم تم گفتگو کر رہے تھے۔ اس سے پوچھو رہے را کتل کہاں گئی؟“

ڈاکٹر شپرڈ نے حرمت سے سنگ ہی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”میاں یہ صحیح ہے؟“

”میاں یہ پوچھ رہا ہے؟“ سنگ بولا۔

”میاں نے کچھ دیر پہلے اس پر گولی چلانے کا قصد کیا تھا؟“

”ہاں یہ صحیح ہے۔“

”وہ طنزیہ لجھ میں پوچھ رہا ہے کہ را کتل کہاں گئی؟“

”وہیں رہے رہا...!“ سنگ ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ چدائے خاموش رہا پھر اکتا ہے ہوئے انداز میں بولا۔ ”ڈاکٹر ہم کچھ کسی شیطانی پکڑ میں چھنس گئے ہیں۔ را کتل میرے ہاتھ سے نکل کر سید ہی آسمان کی طرف چل گئی تھی۔“

”ارے باپ رے۔“ قاسم کے منہ سے ڈری ڈری آواز نکلی۔ حمید اور انور آنکھیں بند کئے ہوئے جان محسوس کی طرح کھڑے رہے۔ ان کے روی الوران کے پیر دن کے پاس پڑے تھے۔

دفعتاً ڈاکٹر شپرڈ نے طارق سے کہا۔ ”مقدس بزرگ! یہ اپنی حرکت پر نادم ہے اور اب پوری طرح آپ کی قوتیں پر ایمان لے آیا ہے۔“

”میں اسے نہیں مانتا۔ اسے یہ بات اپنے اعمال سے ٹاٹک کرنی ہو گی۔ میں تمہیں بتاؤں...“

ابھی تمہارا ایک خطرناک دشمن تمہاری تاک میں ہے اور وہ ابھی تک کھل کر تمہارے سامنے نہیں آیا۔ اگر تم نے میری بھجوڑوں پر عمل نہ کیا تو پچھتاوے گے... میں جا رہا ہوں... ان

ثیوں کو گرفتار کر لو۔ جان سے مارنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بڑے بڑے وقت ہمارے کام آگئیں گے۔“

پھر طارق ڈاکٹر شپرڈ کے جواب کا انتظار کئے بغیر غار سے باہر نکل گیا۔

حمدید اور انور اب بھی اسی طرح کھڑے تھے۔ اور قاسم زمین پر اونڈھا پڑا ہوا تھا۔

حمدید، قاسم اور انور دوبارہ باندھ لئے گئے۔ سنگ اور شپرڈ اپنے ساتھیوں کو کھول رہے تھے

”ظاہر ہے کہ اب ہم ایسے جگنوں میں داخل ہوں گے جہاں آج تک کسی کے قدم نہیں پہنچے اور ہم وہاں اس طرح نہ چلیں گے جیسے اپنے پائیں باغ میں نہل رہے ہوں.... بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسا آدمی بھی چاہئے جو ان اطراف سے اچھی طرح واقف ہو... اور یہاں کی مختلف زبانوں پر قدرت رکھتا ہو۔“

”تو کیا تمہیں اس کی باتوں پر یقین ہے۔“

”میا تمہیں یقین نہیں آیا جبکہ تمہارے ہاتھوں سے رائق اس طرح نکل چکی ہے۔“
”مگر ہمیں چند لمحے کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔“ اس کے ساتھ کتنے آدمی ہوں گے۔“
”بس اتنے ہی جتنے یہاں تک ساتھ آئے تھے۔“

”میں تیار ہوں۔“ سنگ ہی ایک طویل سانس لی کر بولا۔ ساتھ ہمیں اس کے ہونٹوں پر ایک پھکلی ہی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

جنگ اور گرفتاری

دوسرے ہی دن قافلہ آگے بڑھا۔ فریدی اور روزا قافلہ کے پیچے تھے۔ طارق پھر میر کاروں بن گیا تھا لیکن اس بار اس کے ذاہنے اور باہمیں سنگ اور شپرڈ تھے۔ حمید، قاسم اور انور بدستور قیدیوں کی حیثیت میں تھے۔

سنگ ہی خاموش تھا۔ روایگی کے وقت سے وہ اب تک بولا نہیں تھا۔ ڈاکٹر شپرڈ نے کئی بار اسے مخاطب کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ دوپہر تک وہ ایک الکی جگ۔ پینج گھنے جہاں سے انہیں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے سمت کا تعین کرنا تھا۔ ڈاکٹر شپرڈ نے طارق کی طرف دیکھا لیکن طارق بے تعلقات انداز میں کھڑا رہا۔

”اب آپ ہی ہماری رہنمائی کیجیے۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے طارق سے کہا۔

”ٹھہر...! طارق ہاتھ اٹھا کر بولا۔“ میں سلو بام کی روح سے رجوع کرتا ہوں۔“

وہ آنکھیں بند کر کے ایک بیڑ پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹ مل رہے تھے اور آنکھوں کے پوٹے کاپ رہے تھے۔ فریدی قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے اس موقع کے لئے طارق کو پہلیات نہیں دی تھیں۔ اس نے سوچا معلوم نہیں اس سلسلے میں طارق کا جواب کیا ہو۔ لہذا اس نے

لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں... خاص طور پر اور اس کے ساتھیوں کی حالت پر حیرت تھی۔ وہ بالکل بے جان نظر آرہے تھے.... ہو رہا تھا جیسے ان میں ہلنے بلے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔

”سنگ...!“ شپرڈ کراہ کر پیٹھتا ہوا بولا۔ ”جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اس پر یہ غور کرو... ہاں پہلے یہ بتاؤ کہ رائق کا کیا معاملہ تھا...؟“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسے ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ بے آواز رائق سے اس شیط کر دوں۔ لیکن اچانک رائق میرے ہاتھ سے نکل کر آسمان کی طرف چل گئی۔“

”اب تم ایسی حرکت نہیں کر دے گے.... سمجھے.... تم نہیں جانتے کہ حالات کیا ہیں بوڑھا ہمارے اور ہمارے مقاصد کے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔ وہ نہیں اسرار قوتوں کا مالک کہتا ہے کہ اس خزانے کے متعلق سینہ بینیہ ایک پیشینگوئی چل آرہی ہے جس کی رو سے کی مدد کے بغیر نہیں مل سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تقدیر تھی کہ ہم کیتوں کے اس غار میں ملیں غار میں دراصل ہمارا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق پیشین گوتی یہ ہے حاصل کرنے والی پارٹی کے بڑے ارکان میں سے ایک دو غلاظ رد نسل کا آدمی ہو گا اور وہ سفید قام.... اور ان کی قیادت سیو تاکا ایک پیاری کرے گا.... وہ کہتا ہے کہ میری مدد تم لوگ ہاں پہنچنی نہ سکو گے۔“

”یہ تو اچھا نہیں ہو۔“ سنگ ہی بڑھا۔

”دیکھو سنگ! مختلے دماغ سے غور کرو... اور اس بوڑھے کے خلاف تمہارے جتنے بھی خیالات ہیں انہیں نکال پھینکو.... وہ سب کچھ جانتا ہے۔“

”تب تو پھر وہ اس جگہ کے متعلق بھی جانتا ہو گا جہاں خزانہ ہے۔“

”ہو سکتا ہے... لیکن وہ مقدر بتاتا ہے... کہتا ہے کہ خزانے کے حصوں کے لئے ہو پچھی ہے کہ سفید اور زرد آدمیوں کے ساتھ موگٹوںی بھی ہو.... نہ اکیلا موگٹوںی خزانہ پہنچ سکتا ہے نہ ہم دونوں۔“

”افسوں کر مجھے اپنی نہیں آتی ورنہ میں اس سے گفتگو کرتا۔“ سنگ ہی نے کہا۔ چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ہم کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والے ہیں۔“

”یہ سب معلوم کر کے کیا کرو گی۔“ فریدی اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ روزا چند لمحے کافی کے برتن پر نظر جائے رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ”ہم دوست ہیں تا تم سے ملتے ہو۔“

”تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“ ”پچھ نہیں...!“ روزا مسکرا کر بولی۔ ”جس کی زندگی میں سانحہ ستر کتے داخل ہوں اسے تو ان پڑی آواز نہ سنائی دیتی ہوگی...!“

”شہر و...!“ اچاک فریدی نے ہاتھ انداز کر کہا۔ وہ مذکرا پیچے پیچھے بکھری ہوئی چٹانوں کی لرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے انٹھ کر ادھر جھپٹتا۔ لیکن اگر وہ ذرا ساتھ چھانہ ہو گیا ہوتا تو چٹانوں کے پیچھے سے ہونے والے قاتر نے دوسری دنیا کی سیر کرادی ہوتی... دوسرے افکار ہوا اور فریدی چٹانوں کی طرف جانے کے بجائے ادھر بھاگ جہاں قافلے کے دوسرے لوگ دوپھر کے لمانے کے بعد اوپھر ہے تھے۔

”طارق ہوشیار...!“ اس نے لنگواجیرال میں کہا۔ ”سنگ ہوشیار ہو گیا ہے... میگرین پر بنشکر کرلو...!“ میرے تینوں ساتھیوں کو بھی خبر دار کر دو۔ پھر ڈنکل کرنے جانے پائے... زد دوروں کو اپنے کشڑوں میں رکھو۔“

سنگ ہی اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ فریدی نے پھر ادھری کارخ کیا روز اس کے پیچھے ٹھاگی پھر رہی تھی۔

”تم وہیں واپسی جاؤ۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں اپنے کشڑوں کے ساتھ اسی طرف جاؤ۔“ ”نہیں! ایمرے پاس زیوالوں ہے۔“

”ہاگاگ جاؤ...!“ فریدی جھلا کر بولا اور چٹانوں میں کو دیا۔ اس بارہہ پھر بال بال بچا گولی شناسی ہوئی اس کے دائبے بازو اور پہلو کے درمیان سے نکل گئی۔ اس کے سنجھنے سے پہلے ہی سنگ عیانے دوسرے افکار کر دیا۔ فریدی کے منہ سے ایک قسم کی جیخ نکل اور گر کر نشیب میں لا رکھنے لگا۔ سنگ ہی دوچٹانوں کی درمیانی درازی سے نکل کر اس کی طرف جھپٹتا۔

روزا نے فریدی کی جیخ سنی تھی اور وہ ابھی تک وہیں کھڑی ہوئی تھی جہاں فریدی اسے چھوڑ لیا تھا۔ فریدی کی جیخ سنتے ہی وہ بے تحاشہ چٹانوں کی طرف دوڑی اور پھر اس نے نشیب میں

دوسرے ہی لمحے میں روزا کو لنگواجیرال نامی مخاطب کیا۔ مخاطب تو دراصل طارق ہی سے فریدی کو یقین تھا کہ پوری پارٹی میں طارق کے علاوہ اور کوئی اسے نہ سمجھ سکے گا۔ اس نے ”کہہ دو کہ اب اس وقت اسی جگہ قیام کرو...!“ کل صبح تمہیں راست معلوم ہو جائے گا۔... یہی کہہ رہی ہے۔“

روزا بڑی ذہین لڑکی تھی۔ اس نے اس انداز میں سرہلا دیا بیٹھے اس نے فریدی کی با جواب اثبات میں مایا ہو۔

طارق نے تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں اور فریدی کے کہبے ہوئے الفاظ اپنی میں دیئے۔ شپرڈ نے یہ بات سنگ ہی کو بتائی اور وہ اور زیادہ تفکر نظر آنے لگا۔ لیکن پچھے بولا نہیں۔ اسی گھنے جھکوں کا سلسہ نہیں شروع ہوا تھا۔ نہیں بلکہ اسی ایک ایسی جگہ مل گئی جہاں با آسانی قیام کر سکتے تھے۔

دوپھر کا ہاماکھا لپٹنے کے بعد روزا نے اشتو پر کافی کابر تن رکھ دیا اور فریدی سب سے تھلک بیٹھے ہوئے تھے۔

”رات تم نے اس کی رائفل کیے اڑائی تھی؟“ روزا نے نہ کرو چکا۔ ”بس ہاتھ کی صفائی۔“

”لیکن آخر تم اپنے ساتھیوں کی درگت کیوں بخوار ہے ہو؟“ ”وہ بہت آرام سے ہیں۔“

”اچھا ہے بتاؤ تمہاری زندگی میں بھاگ دوڑ کے علاوہ بھی اور پچھے ہے؟“ ”ہاں سانحہ ستر کتے بھی ہیں۔“ فریدی سنکے سے اپنے دامت کر دیتا ہوا بولا۔

”تم عجیب آدمی ہو۔ میں نے تمہارے بچوں کے متعلق پوچھا تھا۔“ ”میں ہی نہیں بتاؤں کیا۔“ ”بیوی بھی نہیں؟“ ”نہیں... نہیں... نہیں... ذرا جلدی سے کافی دوب۔“ فریدی ران پر ہاتھ بدار کر دیا۔

”اگر ہوتے تو کیا فائدہ ہوتا... نہیں ہیں تو کون سا نقصان ہوا جا رہا ہے۔“ ”کیا تمہاری زندگی میں اب تک کوئی عورت نہیں داخل ہوئی۔“

”جو بولی امریکہ کے ملک بر از میل میں عام طور پر بولی بنتے۔“

پانے میں اور زیادہ آسانیاں ہو گئی تھیں۔

ڈاکٹر پیر ڈر رہ کر سبتو اور اس کے ہر کارے سلیو بام کی دہائیاں دے رہا تھا۔
روزانگ ہی اور فریدی کو ایک دوسرے سے گھٹا ہوا دیکھ کر ان کی طرف ہو گئی تھی۔
لیکن یہ حیرت ہے۔ اس نے چیخ کر کہا۔ ”دوسرو.... اور.....!“

انور، حیدر اور قاسم بے تحاشا چنانوں کی طرف دوڑنے لگے روزا بھی ان کے ساتھ ہی
انہوں نے فریدی کو دیکھا جو ایک پتھر پر بیٹھا پناہ دیا۔ بازو دیکھ رہا تھا اور اس کی آستین خون
ہر تھی۔ شاید اب اسے احساں ہوا تھا کہ اس کا ایک بازو سنگ ہی کی گولی سے زخمی ہو چکا ہے۔
یہ اس کے پیروں کے پاس اونڈھا پڑا اگر ہی گہری سانسیں لے رہا تھا۔

”یا تم زخمی ہو۔“ روزا چیخ کر فریدی پر جھک پڑی۔

”مگر نہ کرو.... میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم نے بیووش سنگ ہی کو ہاتھوں پر اٹھایا اور وہ سب کمپ کی طرف چل پڑے۔

”اب ڈینی کا کیا ہو گا....؟“ روزا نے فریدی سے پوچھا۔

”اہا! تم نے اچھا یاد دلایا.... دیکھو! بھی یہ بات ڈاکٹر پر ظاہر نہ ہونے پائے کہ تم روزا
... سمجھیں۔“

”کیوں....؟“

”پھر بتاؤں گا.... اس وقت مجھ سے بحث نہ کرو۔ جو کہوں کرتی جاؤ۔“

”اہا! معاف کرنا.... مجھے تمہارے زخم کا خال نہیں تھا۔“

”کوئی خاص بات نہیں.... صرف بازو کی کھال پھٹی ہے۔“

تحوڑی دیر بعد سنگ ہی بیووش حواس اپنے دوسرے ساتھیوں کے درمیان میں بیٹھا ہوا
ہی کو تھر آکو نظر وہ سے گھور رہا تھا۔

”طوق کہاں ہے؟“ فریدی نے اس سے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا۔“

”میں تمہیں بڑے بے دردی سے مار دالوں گا۔“

”جودل چاہے کرو.... طوق تمہیں نہیں مل سکتا۔“

بھاگتے ہوئے آدمی پر فائر کر دیا گوئی نشانہ پر نہیں بیٹھی۔ سنگ ہی ایک گندی گالی دے کر
دیوانوں کی طرح اس نے روزا پر پے درپے تین فائر کر دیے لیکن ساری گولیاں سا
چنانوں پر پڑیں۔۔۔ روزا اپنا نشانہ خطا ہوتے دیکھ کر پہلے ہی ہوشیار ہو گئی تھی۔

ایسے موقع پر سنگ ہی کو چاہئے تھا کہ وہ بھی اپنی حفاظت کی تدبیر کرتا لیکن وہ پا
طرح بڑے بڑے پتھروں کو چلا گئتا ہوا نشیب میں بھاگ رہا تھا۔

یک بیک ایک طرف سے اس نے ٹھوکر کھائی اور پھر منہ کے بل زمین پر گرنے کی
کنی فٹ اوپر اچھل گیا۔ اس کی دو نوں پنڈلیاں فریدی کی فولادی گرفت میں تھیں اور اس کا
جمبول رہا تھا۔۔۔ لیکن وہ دوسرے ہی لمحے کی سانپ کے سر کی طرح حمزہ سمیت اوپر اٹھا۔

سنگ ہی کو اس کے جانے والے محض اسی صلاحیت کی بناء پر جو نک سے تشییہ دیتے تھے
جسم کو حیرت انگیز طور پر توڑنے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔
فریدی کی گردان اس کے بازوؤں میں جکڑ کر رہا تھا۔

”اچھا ہی۔“ فریدی اس کی ناٹکیں چیرتا ہوا بولا۔ ”آج تم یہ حرہ مجھ پر بھی آزمائو۔“

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی کی گردان پر اپنی گرفت صرف کر رہا تھا۔۔۔ اچاک فر
ایسا محسوس ہونے لگا جیسے سچنچ اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ وہ اس کی پنڈلیاں چھوڑ کر اپنی گردان
اس کے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

دونوں ناٹکیں بھی فریدی کے گرد پلت گئیں۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی
کے پیٹ سے اس کا پچھہ چپک کر رہا گیا ہو۔ فریدی تھوڑی دیر تک زور لگاتا رہا لیکن سنگ

گرفت ڈھیلی نہ ہوئی۔ آخر کار اس نے اس کے سر کے پشت کے نچلے حصے میں اپنی انگلیاں
دیں۔ سنگ ہی پہلے تو ضبط کر رہا لیکن پھر اس کے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکلی اور وہ ذ
کے جسم سے علیحدہ ہو کر کسی مردہ چھپکی کی طرح نیچے چلا آیا۔

وہ بیووش ہو گیا تھا۔ فریدی بے ساختہ اس پر جھک پڑا اور اس کی گردان ٹھوٹ رہا تھا۔ پھر
نے اس کی جامہ تلاشی لی۔ لیکن انکا نسل کی شہزادی کا پرسا ر طوق اس کے پاس سے برآمدہ۔

دوسری طرف طارق اپنا تسلط جما چکا تھا۔ سنگ ہی کے ساتھی جکڑ لئے گئے تھے۔ طارق
بار بردوار مزدوروں کو پہلے ہی سے اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ ان کی وجہ سے سنگ کے ساتھا

بے ایک قوت ارادی صفر کے برابر ہے ایک بہت معمولی ساڑھاں اس کیلئے کافی ہو گا۔ مگر یہ سمجھیں ہی۔؟ اس سے پہنچا میرے بس کاروگ نہیں... یہ فہمی طور پر بہت زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ "اے تو میرے گھونسوں اور تپیڑوں کے لئے چھوڑ دجھے۔ میں سب ٹھیک کرلوں گا۔" روزا کے قریب آجائے پر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

وہ رات بڑی عجیب تھی۔ جنگل کے سائلے میں سنگ ہی کے ساتھیوں کی گالیاں گونج رہی تھیں۔ پوری پارٹی میں صرف ڈاکٹر شپرڈ ایسا تھا جس کے ہاتھ نہیں باندھ گئے تھے اور ریکھا بھی آزاد رہی۔ لیکن وہ ہر وقت خاموش رہتی تھی... ہوش والے والقے کے بعد سے کسی نے اسے بولتے نہیں سنتا۔ روزا دوپہر کے بعد لے ہوئے حالات کے بعد سے زیادہ تر ڈاکٹر شپرڈ کے قریب ہی قریب رہتی تھی۔ لیکن اس نے اس پر اپنی اصلیت نہیں ظاہر کی تھی۔ رات گئے اسے ڈاکٹر شپرڈ سے الگ ہوتا پڑا کیونکہ طارق اس پر عمل تنویم کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر شپرڈ اس ایکم سے واقف نہیں تھا۔ جب طارق نے اس سے کہا ذرا میری طرف دیکھنا تو شپرڈ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اس سے مرعوب نہیں ہے اسے کھاجانے والی نظرؤں سے دیکھنے لگا۔ لیکن وہ رے ہی لمحے میں اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے جسم کی ساری قوت طارق کی آنکھوں میں پھیپھی جا رہی ہو۔ اس نے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کی لیکن طارق کی آنکھوں سے نظر ہٹانے میں کامیاب نہ ہوا۔ اس کے حواس خسر جواب دتے جا رہے تھے۔ طارق کی آواز لے میلوں دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ جو برابر کہے جا رہا تھا "تم سورہ ہے ہو۔۔۔ تمہاری نیند گھری ہوتی جا رہی ہے.... اور گھری ہوتی جا رہی ہے.... تم مجھے خزانے تک پہنچنے کا راستہ بتاؤ گے.... یقیناً بتاؤ گے.... دنیا کی کوئی قوت تمہیں اس سے نہیں روک سکتی...۔۔۔ تم سورہ ہے ہو....۔۔۔ تم سورہ ہے ہو۔"

شپرڈ بہت جلد ٹرانس سائیں آگیا۔ زیادہ دیر سک کھیشنر یا پیاس نہیں دینے پڑے۔ وہ آنکھیں بند کے زمین پر چلتا تھا۔ پھر طارق نے سوالات کرنے شروع کئے۔ شپرڈ جواب میں اس طرح بیڑا اپنا تھا جیسے خواب میں کسی سے گفتگو کر رہا ہو۔

جس غار میں عمل کیا گیا تھا وہاں فریدی، طارق اور شپرڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ چار موی شمعیں بھی غار کا اندر ہیڑا در نہیں کر سکتی تھیں۔ کچھ عجیب سائپر اسٹر ارنا جوں تھا۔ فریدی سر یہ سب پہنچا نہ کی جنکنکی اصطلاحات ہیں۔ ان کی تصحیح کے لئے صفات سیاہ کرنا فضول ہے۔

گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی اور ڈاکٹر شپرڈ سینگھ کو تمہین آمیز نظرؤں سے دیکھ رہا۔ اس دروان میں اسے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ وہ اور اسکے آدمی اب فریدی کے قبضے میں ہیں۔ "طوق کے بغیر تم خزانہ نہیں حاصل کر سکتے۔" ڈاکٹر شپرڈ فریدی سے بولا۔ "اس کے طوق ضروری ہے۔"

"دیکھو ڈاکٹر احمد نہ بتو...!" فریدی نرم لمحے میں بولا۔ "تم نے ایک ایسے آدمی کو جوڑ لیا ہے جو پہلے بھی تمہارا شمن تھا اور اب بھی رہتا ہے۔"

"تم اس کی پروانہ کرو۔" ڈاکٹر نہ سامنہ بنا کر بولا۔ "میں اپنے حالات سے بخوبی واقعہ ہو رہا تھا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خزانے تک ہماری رہنمائی نہیں کرو گے۔" فریدی نے کہا۔

"ہر گز نہیں خواہ تم میری بیٹاں ہی کوں نہ اڑاو۔"

"زندہ باد ڈاکٹر...!" سنگ ہی بولا۔ "میں ایسے بہادر اور بیباک دوستوں کو پوچھتا ہوں۔ فریدی اور اس کے ساتھیوں نے ایک ایک کی جامہ ملاشی لی۔ سارا سماں چجان ڈالا۔ طوق نہ لاؤ ڈاکٹر شپرڈ اپنی ضد پر اڑا رہا۔

اور یہ بات سوچی ہی نہیں کہ وہ لوگ طوق اپنے ہمراہ نہ لائے ہوں۔ طوق بھی جس لئے سنگ ہی نے ایک زبردست خطرہ مولے کر سر کاری خزانے پر ڈاک کیا تھا۔ وہ یقیناً اس کے لئے ضروری تھا۔ ورنہ سنگ اسے سر کاری خزانے سے اڑا کر خواہ پولیس والوں کا پچھے کیوں لگاتا۔

"پھر بتاؤ بکایا جائے؟" طارق نے فریدی سے پوچھا۔

"سنگ ہی جانتا ہے کہ اس کی زندگی اور موت کا خصارہ صرف اسی طوق پر ہے اور یہ حقیقت ہے اگر طوق مل گیا ہوتا تو میں اسے زندہ نہ چھوڑتا۔"

"ڈاکٹر شپرڈ بھی پھیل گیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی زبان نہیں کھو لے گا۔"

"آپ اس کی زبان کھلوا سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بھلا میں کس طرح کھلوا سکتا ہوں؟"

"کیا آپ پہنچا نہ کے ماہر نہیں ہیں۔" فریدی بولا۔

"اوہ.... خدا کی قسم تم نے ٹھیک یاد دلایا۔" طارق ہنسنے لگا۔ "واقعی اس کی زبان کھلوائی جائے۔

جھکائے بڑی تیزی سے ڈاکٹر شپرڈ کے الفاظ نوٹ کر رہا تھا۔
توہڑی دیر بعد طارق نے کہا۔ ”میں سمجھ گیا.... معلوماتِ مکمل ہیں۔ اب اسے
دو.... خود بخوب جا گے گا۔“

فریدی کاغذ پر نظر ٹانی کرتا ہوا بولا۔ ”مگر ایک بات رہ گئی۔ اس لڑکی کی موجودگی کا مامہ
”بس اب یہ پھر کبھی دیکھا جائیگا.... مگر.... میرے خدا.... یہ تو.... وادی تاریک کا پتہ۔
”وادی تاریک....؟“ فریدی نے استفہامیہ انداز میں دہرا لیا۔

”ہاں میں ایک بار وہاں جا چکا ہوں.... اگر اسے ہیروں کی وادی کہا جائے تو یہ
ہو گا.... لیکن اس کے قریب پہنچ کر بھی میں ناکام ہی رہا تھا۔ میں نے دھوپ میں ہیروں کو
دیکھی ہے.... معمولی عکریزوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیرے ہیرے.... لیکن ان تک میری
ہو سکی۔ تم سوال کرو گے آخر کیوں....؟ آہ تم بھی محسوس کرو گے.... جو کچھ میں نے
پہنچنے پر محسوس کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ہم یہاں سے واپس ہو جائیں۔ بڑی کوفت ہوتی ہے۔
”کچھ بتائیے بھی تو....!“

”دو ہزار فٹ کی گھرائی میں ایک وادی ہے جس کا رقبہ پچیس مرلین میل سے کسی طرف
ہو گا اور کوئی ڈھلان ایسی نہیں ہے جس کے ذریعے نیچے تک پہنچنا ممکن ہو۔ وادی کے چا
طرف سیدھی کھڑی ہوئی دیواریں سی نظر آتی ہیں۔ کنارے پر کھڑے ہو جائیے بس یہ
ہو گا جیسے کسی دو ہزار فٹ بلند دیوار پر کھڑے ہوں۔ نیچے گنجان جنگل نظر آتے ہیں جہاں در
نہیں ہیں، وہاں دھوپ کی روشنی میں ستارے چکنے نظر آتے ہیں۔“

عجیب آوازیں

”لیکن آپ واپسی کے لئے کیوں کہہ رہے ہیں۔“ فریدی نے حیرت سے کہا۔

”میں ایک بار اس وادی میں اترنے کی کوشش کر چکا ہوں۔ مگر ناکام رہا۔“

”ضروری نہیں کہ دوسروں کو بھی ناکامی ہو۔“ فریدی بولا۔

”بخاردار! یہ سراغِ رسانی نہیں ہے۔“

فریدی اس سوال پر جھنجلا گیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ طارق کا احترام کرتا تھا۔ محض ا

”وہ اس کے باپ کے دوستوں میں سے تھا۔ طارق جیسے جہاندیدہ آدمی کی نظروں سے
اک جنبہ اتنی تغیری پوشیدہ نہ رہ سکا۔ اس نے فوراً ہی مسکرا کر کہا۔ ”تم یہ مت سمجھو کہ میری
کم ہو گئی ہے۔ اس طوق کا مسئلہ تو ایک بالکل ہی تیزی چیز ہے۔ کاش میں نے بھی اس پر ایک
لی ہوتی۔“

”محظی تین ہے کہ وہاب بھی سنگ ہی کے قبضہ میں ہے۔“ فریدی نے کہا۔
”لیکن اس نے اسے کہیں چھپا دیا ہے.... میرا خیال ہے کہ یہ مسئلہ بھی عملِ تنویم سے حل
اہے۔“

”سنگ ہی....!“ طارق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”نا ممکن ہے۔ وہ ٹرانس میں ہرگز نہ آئے
ہیں۔“ قوتِ ارادی کافی پختہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے ناچپ سے میں بخوبی واقف ہو گیا ہوں۔
لایسے بھی ہوتے ہیں میں مثال کے طور پر تمہیں بھی ٹرانس میں لانا ممکن نہیں۔ حید ٹرانس
بائی گا۔ قاسم جیسے دیوبیکر کو بھی ٹرانس میں لا سکتا ہوں.... انور بھی آجائے گا.... مگر
یہ کے ساتھ۔“

”یہاں سے کتنے دنوں کی راہ ہو گی؟“ فریدی نے پوچھا۔
”یہاں سے۔“ طارق بڑا بڑا۔ ”یہ راستہ طویل بھی ہے اور پہنچ خطر بھی۔ یہ لوگ اسی راستے
رہے تھے جس کا ذکر اس طوق کی تحریر میں ہو گا۔ سینکڑوں سال پرانی بات ہے.... میں
ستے سے گیا تھا وہ نبیتا آسان ہے۔“

”غیر.... فی الحال ہمیں سونا چاہئے۔ شاید ڈاکٹر صبح سے پہلے نہ اٹھے۔“

”اسی غار میں پڑ رہے.... سنگ ہی اور اس کے ساتھی دوسرے غار میں تھے انہیں فریدی
رکی گلزاری میں چھوڑا تھا.... اس لئے اسے اطمینان تھا اگر معاملہ صرف حید کا ہوتا تو شاید
بھی کے پاس سے ایک منٹ کے لئے بھی نہ ہتھا.... لیکن دوسری صبح اس کے لئے ایک نئی
لے کر نمودار ہوئی۔ سگ ہی.... ریکھا اور اپنے ساتِ مشرقی ساتھیوں سمیت غائب تھا۔
ٹھوڑے کے ساتھیوں میں سے تین امریکن جو یہاں تک ساتھ آئے تھے بدستور موجود تھے۔
کی حال میں ٹے جس میں رکھ کے تھے۔
نور بہت زیادہ شرمندہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں فریدی سے گفتگو بھی کرنی چاہی۔

”پروانہ کرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”غلطی میری ہی تھی۔ سنگ ہی کے مقابلے میں طفل مکتب ہون۔ خود مجھے اس کی نگرانی کے لئے موجود رہنا چاہئے تھا۔“

پھر اس نے ڈاکٹر شپرڈ سے کہا۔ ”ویکھا تم نے اپنے وقاردار دوست کو۔ تمہیں صہبہ کر خود فرار ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ تمہارے امریکن ساتھیوں تک کو چھوڑ گیا۔“

ڈاکٹر شپرڈ کا سرنامہ سے جھک گیا اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”چلواب میں تم بتاؤں گا۔ اسے بچپلی رات کے واقعات قطعی یاد نہیں تھے۔“

”شکریہ....!“ طارق سکرا کر بولا۔ ”ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اب ہم تمہیں پر بجورنہ کریں گے۔ ویسے اگر تم نے کل ہی ہمارا ساتھ دیا ہو تو وہ طوق سنگ ہی نہ لے۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ڈاکٹر شپرڈ نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ میرے تبا۔ راستے سے منزل پر پہنچ جائے لیکن وہ اس طوق سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔“

”کیوں؟“ طارق نے حیرت کا اظہار کیا۔

”طوق ناکمل ہے۔ لہذا وہ خزانہ نہیں حاصل کر سکتا۔“

”ادہ.... تو کیا وہ خزانہ کسی کی حفاظت میں ہے؟“

”ہاں! ہزار ہا سال سے ایک وحشی نسل اس کی حفاظت کرتی آتی ہے اور غالباً آج جو اسی کی حفاظت میں ہو گا۔ طوق کی تحریر سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس طوق کو بغیر کوئی خزانے کی جگہ بھی نہیں دیکھ سکتا۔“

”لیکن طوق ناکمل کیوں ہے؟“

”اس کے گرد چاندی کا ایک سانپ لپٹا ہوا تھا جواب نہیں ہے۔ سنگ ہی کا خیال تھا فریدی کے پاس ہے۔“

طارق نے استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی نے اقرار میں بر ہوئے کہا۔ ”وہ سانپ حقیقتاً میرے ہی پاس ہے۔ میں نے طوق کو سر کاری تحویل میں دینے قبل سانپ اس سے الگ کر لیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ سنگ اسے اڑانے کی کوشش کرے گا۔“

”ہاں! اسے موقع تھی کہ وہ تمہیں ضرور پکڑ لے گا۔“ ڈاکٹر شپرڈ بولا۔

”وہ اس لڑکی کو ساتھ لئے کیوں پھر رہا ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ادہ.... تحریر بڑی عجیب ہے۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”اسے طابنِ محض اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ طوق ان وحشیوں کو دکھایا جائے بلکہ ایک لڑکی اسے پہن سانپوں والے غار میں اتر جائے۔... پہنے نہیں غار کیا بلہ۔ سنگ کا خیال تھا کہ وہ سانپوں کا مکن ہو گا.... یہ لڑکی دراصل اسی مقصد کے تحت ساتھ لائی گئی ہے۔ دیدہ و انتہ کوئی شخص بھی بے غار میں نہیں اتر سکتا جس میں سانپ رہتے ہوں.... اور اس لڑکی میں ایک ایسا مرض پایا جاتا ہے جس کی بناء پر اس سے یہ کام لیا جاسکتا ہے۔ وہ نیند کی حالت میں اٹھ کر چلتی ہے اور ان کاموں سر انجام دے ڈالتی ہے جنہیں کسی وجہ سے جائے میں نہیں کر سکتی۔ سنگ ہی کی ایسکیم یہ ہے کہ اس سے غار میں اترنے کو کہے گا۔ ظاہر ہے کہ لڑکی سانپوں کے خوف سے صاف انکار کر دے لیکن پھر نیند کی حالت میں وہی کر گزرے گی۔ کیونکہ اس کا ذہن اس سے بہت زیادہ متاثر ہو گا۔ لہیز سے ہم خائف ہوتے ہیں وہ ہمیں خوب میں اکثر دکھائی دیتی ہے۔ اور نیند میں چلنے والے عام طور پر اس کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ یقیناً اس قسم کا خوب دیکھے گی کہ وہ غار کی طرف جا رہی ہے۔ وہ سوتے ہی سوتے اٹھے گی اور غار کی طرف چل جائے گی۔“

”شرم.... شرم.... شرم.... ڈیڈی۔“ روزا جنچ پڑی۔ ”تمہیں شرم آئی چاہئے....“ ڈاکٹر شپرڈ نکل کر اسے گھومنے لگا۔

”اس طرح نہ دیکھو۔“ روزا ہنڈیانی انداز میں بولی۔ ”میں روزا ہوں.... تمہاری بیٹی.... میں باری آنکھوں کے سامنے سانپوں والے غار میں اتر جاؤں گی.... فریدی! میرے باپ کے ہاتھ روہو! اسے دھکے دیتے ہوئے وہاں تک لے چلو.... میں سانپوں والے غار میں اتروں گی.... سے خزانہ مل جائے گا.... اسے خزانہ چاہئے.... یہ اپنی بیٹی کو موت کے منہ میں دھکیل کر لے.... اسے خزانہ ضرور ملے گا.... یہ میرا باپ ہے.... اس کے گلے میں مقدس صلیب لٹک لائے ہے.... اس کی ڈاڑھی کر اسٹک کی ڈاڑھی سے مشابہ ہے۔ ہاہا.... کر اسٹک ایک معصوم لڑکی سانپوں کے حوالے کر رہا ہے.... ہاہا....!“ وہ پاگلوں کی طرح قہقہے لگاتی رہی.... اور پھر ہوش ہو کر گر گئی۔

ڈاکٹر شپرڈ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ وہ آنکھیں پھاڑے بیہوش روزا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ دو نوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"طارق صاحب۔" فریدی مظہربانہ انداز میں بولا۔ "جلدی سمجھ جو۔ مجھے اس لڑکہ قیمت پر بچانا ہے۔"

انہوں نے بہت جلدی نیں روائی کا انتظام کیا۔ روزا کے ہوش میں آنے کا بھی انتظار گیا۔ ڈاکٹر شپرڈ اسے اپنے کانہ سے پر اٹھائے ہوئے چل رہا تھا۔

سنگ ہی کے فرار نے فریدی کے ذہن پر اتنا گوارا اثر نہیں ڈالا تھا جتنا کہ زیکھا کا۔ معلوم ہونے کے بعد پڑا۔ تین چار میل چلنے کے بعد انہیں ٹھال کی طرف مڑنا پڑا۔ اس جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا لیکن جنگلوں میں انہیں اب تک زندگی کے آثار صرف گاہ اور چھوٹے چھوٹے بندروں کی شکل میں ملے تھے۔

جمیلی کی خود رو جہاڑیاں پھولوں سے لدی ہوئی تھیں۔ جیسے جیسے وہ ڈھلان میں اتر جنگلوں کا سلسلہ گھنا ہوتا گیا۔

سورج اپنی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا لیکن درخنوں کی چھاؤں میں وہ بڑی خفیہ کی خلکی محسوس کر رہے تھے۔

روزا ہوش میں آتے ہی ڈاکٹر شپرڈ کے کانہ سے سے کوڈ پڑی۔ فریدی قریب ہی جمل اس نے اسے سنجھا لیا۔ ورنہ پتھر لیلی زمین پر اس کا سرپاش پاش ہو جاتا۔

"تم نے اس کے ہاتھ نہیں باندھے....؟" اس نے فریدی کو جھنچھڑ کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"میں اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔"

حید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "تم ان دونوں کی شکل نہ دیکھ دوسرے پر سنگ ہی کے خون کی پیاس سوارہ ہے۔ اس پوری پارٹی میں صرف میں ہی ایسا آدمی جسے کشت دخون سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

روزا اس کے ساتھ چلنے لگی۔ حید نے اپنی رفتار کچھ کم کر دی اور پھر وہ دونوں قاتا پیچھے ہو گئے۔

قاوم بھلا کب حید کا پیچھا چھوڑنے والا تھا۔ بتدریج رفتار کم کرتے کرتے وہ بھی ان دے کے برابر پہنچ گیا۔ روزا کا ایک ہاتھ حید کے ہاتھ میں تھا اور حید اس سے کہہ رہا تھا۔ "یہ ز

بھولی لڑکی.... بیہاں ایسے بہتیرے حادثے ہوا کرتے ہیں۔"

"مگر مجھے اپنے باپ سے اسی امید نہیں تھی۔ میں اسے اپنا باپ کہتے ہوئے شرم محسوس رہی ہوں۔"

"یہی ہوتا چاہئے۔" قاسم بڑی سنبھال گئی سے بڑھا نے لگا۔ "میرا باپ بھی اس قابل ہے کہ اسے گولی بارداری جائے۔ اسی کی بدولت میں ان اباڑ جنگلوں میں دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔"

"کیوں؟ تمہارے باپ نے کیا کیا ہے؟" روزا نے پوچھا۔

"کہے پیدا کیا ہے....؟" حید بولا۔

"تم چپ رہو۔" قاسم جلا کر بولا۔ "میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔ سب تمہاری عبادوت ہوا ہے۔"

"ابے تو کیا میں تیرا باپ ہوں۔"

"باپ سے بھی بدتر۔" قاسم نے بُرا اسمانہ بنا کر کہا۔

"تم دونوں کی باتیں عجیب ہوتی ہیں.... جنہیں میں سمجھ نہیں پاتی۔"

حید کچھ نہ بولا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح قاسم مل جائے۔ شپرڈ کی زبانی ریکھا کے انعام کا پلان کن کر اس کے روشنی کھڑے ہو گئے تھے لیکن اس پر جواہر بھی ہوا تھا۔ حقانی جانے کیوں "وچھے دو تین دونوں سے ہمدردی اور رحم جیسے جذبات سے قطعی محروم ہو گیا تھا کہ یہ جنگل کی ہوا کا اثر رہا ہو۔

شام ہو گئی لیکن وہ چلتے ہی رہے۔ طارق نے قیام کیلئے کہا بھی لیکن فریدی نے پرواہ نہ کی۔

"میا تم کر رہے ہو۔" طارق نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "میں اس راستے سے تمہیں لے جائیں گے۔" میں اس راستے سے اس لئے دن کو یہاں خطرات سے سامنا نہیں ہوتا۔ لیکن راتیں.... تم نہیں سمجھ سکتے یہاں رات کو اٹھوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔

سورج غروب ہونے سے پہلے ہی میں اپنے قیام کے لئے کوئی جگہ منتخب کر لیتی چاہئے اور ہم اپنے گروگاں روشن کے بغیر اس صورت میں بھی محفوظ نہیں ہوں گے۔"

سارا جنگل مگر بیوں اور بندروں کے شور سے گونج رہا تھا کچھ عجیب سماں ماحول تھا۔ درخنوں کی جو نگلوں پر شام کی سرخی مائل دھوپ بکھری ہوئی تھی انہوں نے قیام کے لئے ایک جگہ منتخب کر لی

اور اس کے گرد خنک لکڑیوں کے ڈھیر لگانے لگے۔ پھر تاریکی چھیلتے ہی ان میں آگ لگادی۔ رات کے انہوں نے بچ بڑے بڑے اٹھ دیکھ جو عکار کی تلاش میں ادھر اور پھر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر کابل قم کے آدمیوں کا تصور ہے، میں پیدا ہوتا تھا۔ وہ اگر دائرے کے قریب آتے اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے انہیں گھورتے اور وہ آنکھیں کچھ بیجے معلوم ہوتیں جن سے بے تعلقی کا اظہار ہوتا۔ لیکن بار بار منہ سے لکھی ہوئی زبانیں کچھ اٹھیں بالکل ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی ایسا فقیر کھڑا دروازے پر صد الگارہا ہو جس کی آنکھوں طلب ہو۔ اور نہ اندازتی سے حاجت مندی کا اظہار ہوتا ہو۔ اچاک روزا چین پڑی۔ ایک اڑدھا ایک درخت کی شاخ سے آہستہ آہستہ اپنے بل کھوا ان کی طرف منہ بڑھا رہا تھا۔ فریدی نے راٹل اٹھائی۔

”مارتے ہو تو گولی سر ہی پر پڑے۔“ طارق چینا۔ ساتھ ہی فریدی نے فائز کیا گول اٹھ دیے کے سر کے چیخڑے اڑا دیئے۔ اس نے بڑے کرب کے عالم میں اپنے جسم کو گردش اور شاخ سے اس کے سارے بل لیخت کھل گئے اگر وہ سب پھرتی سے ایک طرف ہٹتے ہوئے تو اس نے مرتے دوچار کو لپیٹ میں لے لیا ہوتا۔

بہر حال وہ رات پھر باری باری سوتے جا گئے رہے اگر دن بھر کے تھکے ہوئے نہ ہو۔ شاید ایک لمحے کے لئے بھی ان کی پلکیں نہ جھپکتیں۔ صبح ہوتے ہی اٹھ دیے نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔

ان کا سفر جاری رہا۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ سورہا ہے اور نہ جاگ رہا ہے۔ ایک درمیانی کیفیت تھی جس میں ہر بات کا احساس تو ہوتا ہے لیکن قوتِ فیصلہ قریب مفتود ہو۔ قاسم کی صورت سے ایسی وحشت ظاہر ہوتی تھی جیسے وہ اپنے غول سے پھرا ہوا کوئی بھینسا ہو۔

تیرے دن طارق نے بتایا کہ وہ منزل مقصود پر پہنچ گئے ہیں۔ طارق آتش فشاں لاوے سے بنی ہوئی تقریباً پانچ سو فٹ بلند ایک سطح مرتفع کی طرف اشارہ کر رہا تھا اس نے بتایا حقیقتاً وہ بھکتے ہوئے ادھر آئے ہیں ورنہ اور پہلے پہنچنا چاہئے تھا۔ طارق کو راستے ہی میں اسی باد احساس ہو گیا تھا کہ وہ راستہ بھول گیا ہے لیکن اس نے یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کی تھی۔ مز

پہنچ کے بعد اس نے اس کا اظہار کیا ”اوہ تب تو... تب تو سنگ ہی پہنچ چکا ہو گا۔“
ی نے مظہر بانہ انداز میں کہا۔ ”بہت بُرا ہوا... وہ لڑکی...؟“
”مُکْرَمٌ کرو...!“ ڈاکٹر شپرڈ بولا۔ ”وادی میں اترنے کا راستہ اُسے نہیں معلوم۔“
”یام جانتے ہو...؟“
”رات کا سارا غم تمہارے پاس ہے۔“ ڈاکٹر شپرڈ بولا۔ ”وہ سانپ جو تم نے طوق سے الگ کیا
سانپ نہیں بلکہ وہ چاندی کا پتہ ہے اور اسے موڑ کر سانپ کی شکل دی گئی ہے۔ اگر اس کے
پولے جائیں تو نہیں غالباً اس پر بھی ایک تصویری تحریر ملے گی۔ وہی دراصل بیچ جانے
اٹے کا سراغ ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“ فریدی سر ہلا کر رہا گیا۔
”لاؤ... مجھے دو... میں دیکھوں۔“ ڈاکٹر شپرڈ بے صبری سے بولا۔ لیکن فریدی اس کی
دھیان دیئے بغیر طارق سے لگوں جبراں میں گفتگو کرنے لگا۔
اپر پہنچ کر انہیں وادی کے سرے تک پہنچنے کے لئے زیادہ دور نہیں چنان پڑا۔ سطح مرتفع کا
احصہ بالکل بخیر تھا کہی طرف بھی بزرے کائنات تک نہیں نظر آتا تھا۔ البتہ کہیں کہیں
لہاس کے لبے لبے ملکے جن کی پیچاں گر پچھی تھیں۔ گھڑنے دکھائی دے جاتے تھے۔ پھر وہ
کے سرے پر پہنچنے کے وادی بالکل وسی ہی تھی جیسا نقش طارق پہلے ہی الفاظ میں پیش کر کچا
رہی۔ فریدی نے چاروں طرف نظر دوڑا۔ لیکن کہیں بھی کوئی ایسا راستہ نہ بھائی دیا جس سے پہنچے
الرکان ہوتا۔ وہ بچ سچ ”تاریک وادی“ ہی تھی۔ اتنا گنا جمل انہیں راہ میں بھی کہیں نہیں ملا
یہی دور میں سے بیچ دیکھنے لگا۔
”زندگی کے آثار بھی نہیں معلوم ہوتے۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد آنکھوں پر سے دور میں
لہلہ

نہ جانے کیوں ان سکھوں پر عجیب قم کا اضھار طاری تھا۔ وہ ایک روائی خزانے کے
پہنچ گئے تھے مگر پھر بھی ان میں کسی قم کا جوش و خروش نہیں پایا جاتا تھا۔
”کیوں نہ ہم کنارے پوری وادی کا ایک چکر لگا دلیں۔“ اور بولا۔ ”ممکن ہے کوئی
...!“

”مجھے راستے کی نہیں۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”سگ ہی کی تلاش ہے۔“
”ضروری نہیں کہ وہ یہاں تک پہنچی جائے۔“ طارق نے کہا۔
”کیوں....؟“

”ڈاکٹر شپرڈ کا بتایا ہوا راستہ میری معلومات کے مطابق ناقابل عبور جنگلوں سے ہے اور وہاں اب بھی پرانی نسل کے مردِ خوروں کے پائے جانے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ اچانک ایک عجیب قسم کی آواز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ پتہ نہیں وہ کسی لیکن محسوس ہیں ہوا تھا جیسے کسی نے تھپہ لگایا ہو۔ پھر ایک چیخ سنائی دی۔۔۔ نسوانی یعنی پھر وہی تھپہ۔۔۔ چیخ۔۔۔ اور تھپہ میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔

آتشی بگولے

وہ آواز کی طرف چل پڑے۔ آواز تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد سنائی دیتی لیکن اہورہا تھا جیسے وہ لختہ دور ہوتی جا رہی ہو۔ وہ چلتے رہے حتیٰ کہ ”تاریک واوی“ بھی۔ بار بار لالے انہوں نے چند قلیوں کی مگر انی میں یعنی ہی چھوڑ دیئے تھے۔
”یہ تو کسی عورت کی آواز معلوم ہوتی ہے حمید بھائی۔“ قاسم نے کہا۔
”ہمیں قبر میں بھی عورتوں ہی کی آوازیں سنائی دیں گی۔“ حمید نے مخفی سانی وہاب بھی آواز ہی کی سمت چل رہے تھے۔

”اوھر۔۔۔!“ فریدی نے ایک طرف اشارہ کیا اور پھر وہ ڈھلان میں اترے چل گئے۔
”ارے۔۔۔!“ دھلتا طارق چلتے چلتے رک گیا۔ پھر درسرے لمحے میں وہ ایک بڑے ہاتھ تیکے دامیں جاتا ہے۔ یعنی دیکھ رہا تھا۔ ”خدا کی قسم یہ سگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں“
وہ سب اسی طرف متوجہ ہو گئے۔ پندرہ بیس فٹ یعنی انہیں ایک آدمی دکھائی با کاندھے پر ایک عورت اس طرح پڑی تھی جیسے مرد ہو۔ اس کے ہاتھ اور پیڑ بندھے ہوئے آوازیں سن کر وہ آدمی اوپر دیکھنے لگا۔ وہ بلاشبہ سگ ہی تھا لیکن عجیب حال میں کہ ہوئے تھے جن میں اس کی گردون کی خلکی کے کچھوے کی گردون کی طرح اوپر کی طرف تھی۔ یعنی وہ آدمی کے بجائے خلکی کا کچھوائی معلوم ہوا تھا۔

”آئو۔۔۔!“ اس نے انہیں دیکھ کر تھپہ لگایا۔ ”خونی بگولے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔
میں فریدی کو مطالب کر رہا ہوں۔“

اس کے کاندھے پر پڑی ہوئی عورت نے پھر ایک ہنریانی سا تھپہ لگایا اور سگ ہی اس کی پشت پر بڑے پیارے ہاتھ پھیرنے لگا پھر اس نے چیخ کر کہا۔ ”ڈاکٹر شپرڈ! میں جانتا تھا کہ تم ان ہنجاروں کو ضرور ساتھ لاوے گے۔ مگر میرا ب کسی سے بھی جھگڑا نہیں۔ میں خزانے کا تھماں الک ہوں۔ مجھے اب اس سانپ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ راستے مجھے مل گیا۔ آؤ تمہیں دکھاؤں۔۔۔ آؤ۔۔۔ ذروہ نہیں۔۔۔ میرا ب کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔“

”شاید اس کا ذرا ہی توازن بگز گیا ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑا بیالا۔ جو سگ ہی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا، وہ یعنی اترنے لگے۔ لیکن ان کے ہاتھ اپنے روپ اور وہوں پر تھے۔ پھر انہوں نے یعنی پھنک کر سگ ہی کو نزٹے میں لے لیا۔ سگ ہی کھڑا الا پرواٹی سے مکراتا رہا۔

”لوکی کے ہاتھ پیر کھول دو۔“ فریدی نے تھکمانہ لجھ میں کہا۔
”مشورہ قابل قبول نہیں ہے۔“ سگ ہی آہستہ سے بولا۔ ”اس کا دماغ الٹ گیا ہے اگر میں نے اسے آزاد کر دیا تو یہ کسی چیزان سے چھلانگ لگادے گی۔ نہیں مالی ڈیزیر ہرگز نہیں۔ ادا آدمیں تمہیں راستہ دکھاؤں۔“

سگ ہی بڑےطمینان سے ان کے نزٹے سے نکل کر ایک طرف چلتے رکا۔ وہ بھی اس کے پیچے بڑھے۔ پھر انہیں جلد ہی ایک عجیب قسم کی آواز سنائی دینے لگی۔ بالکل ایسی ہی جیسے کوئی ریلوے انجمن اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔۔۔ ”شائیں شائیں۔“

”وو دیکھو۔۔۔!“ سگ ہی نے ایک جگہ رک کر ایک غار کے دہانے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”وہ بہار است۔“

”شائیں شائیں، کی آواز اسی غار سے نکلی ہوئی معلوم ہو رہی تھی اور دہانے کے قریب ہی انہیں تین لاشیں نظر آئیں۔“ سگ ہی کے ساتھیوں کی تھیں۔

”بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔“ سگ ہی مکرا کر بولا۔ ”انہوں نے اندر گھستا چاہا تھا لیکن اچھل کر اتنی دور آپرے اور ختم ہو گئے۔ یہ کسی قسم کے بگولے ہیں۔۔۔ آواز بھی عجیب ہے۔“

”اور بقیہ چار کہاں ہیں؟“ فریدی نے سوال کیا۔

”وہ.... ان میں سے کچھ تو ریپھوں کا شکار ہوئے اور کچھ کواڑھے چٹ کر گئے۔“ ”مگر نے کچھ ایسے لبجے میں کہا جیسے وہ کسی کو اپنے اخراجات کا حساب دے رہا ہو۔ وہ چند لمحے خدا رہا۔ پھر بولا۔ ”میں ان بگلوں کے ختم ہونے کا انتظار کروں گا۔“

”بکواس ختم کرو۔“ فریدی اسے گھوڑتا ہوا بولا۔ ”لڑکی اور طوق کو میرے حوالے کرو۔“ کے بعد تم جہنم میں جاؤ۔ تم اس حال کو پہنچ گئے ہو کہ میں تم پر ہاتھ اٹھانے میں خود اپنی سمجھتا ہوں۔“

”اگر تم نے طوق یا ریکھا کا مطالبہ کیا تو میری طرف سے اسے اعلان جگ سمجھو.... میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔“

”اوکینے! میں خزانے کے لئے یہاں نہیں آیا ہوں۔“ سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گھری سوچ میں ہو پھر یک بیک و ریو اور نکال کر گر جائے۔ ”اگر کسی نے بھی میری طرف بڑھنے کی کوشش کی تو جہنم میں پہنچادوں نہ تھیں لڑکی ملے گی اور نہ طوق اور ہاں....“ تم فریدی چپ چاپ وہ سانپ نکال کر میر حوالے کر دو۔ ورنہ تم سب کی لاشیں یہاں پڑی سزا کریں گی۔“

پھر اس نے اندر ھادھنڈ فائر کرتا شروع کر دیئے۔ پوزیشن لیتھ لیتھ تین قلی مارے گئے۔ ریو اور کے سارے چیزیں خالی ہو گئے تو سنگ ہی ایک طرف بھاگ نکلا۔ راستہ ناہموار ہو کے باوجود بھی اس کی رفتار تیز تھی۔

لیکن وہ زیادہ دور تک نہیں دوڑ سکا۔ کیونکہ اس کے کانہ سے پرنہ جانے کب سے لڑکی کا بو رہا ہو۔ وہ ایک جگہ رک کر بیٹھ گیا۔ بالکل کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح لیکن اب بھی اس چیز سے خوف کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

”اچھا فریدی۔“ اس نے یک بیک ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”آدھا تمہارا.... آدھا میرا۔“ ”بکواس بند کرو.... اور طوق میرے حوالے کر دو۔“

”میرے پاس نہیں ہے۔“ سنگ ہی نے لاپرواں کے اظہار میں اپنے شاتوں کو جیش دے کہا۔ ”تم ایک باراچھی طرح میرے اور میرے ساتھیوں کی مغلائی لے چکے ہو۔“

”کیوں....؟“ فریدی ڈاکٹر شپڑ کی طرف مرا۔

”طوق اسی کے پاس ہے۔“ ڈاکٹر شپڑ بولا۔ ”ہمارے لکڑی کے صندوقوں میں سے ایک کی دوسرے تھنوں کی تھی اور طوق انہیں دونوں تھنوں کے درمیان رکھا ہوا تھا۔ یہ اپنے ساتھ مددوں بھی لے گیا تھا۔“

”ڈاکٹر شپڑ....!“ سنگ ہی دفعتاً سے قہر آلوں نظرؤں سے گھوڑنے لگا۔

”تم دعا ہے ہو۔“ ڈاکٹر تھے سے اکھر گیک ”تم مجھے موت کے منہ میں چھوڑ کر خود نکل آئے تھے۔“ ”آہا ڈاکٹر....!“ سنگ ہی ہنس پڑا۔ ”تم مجھے اس طرح آنکھیں نہیں دکھانکتے میں نے تم پر ان کیا ہے ورنہ عادت کے مطابق مجھے تم کو ابی وقت ٹھکانے لگا دینا چاہئے تھا جب تم نے تحریر کر مجھے راستے کا پتہ دیا تھا۔“

”سنگ....! لڑکی کو کانہ سے سے اُتار کر الگ ہٹ جاؤ۔“ فریدی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”خوب، بہت اچھے۔ میں خزانے کی کنجی تمہارے حوالے کر دوں۔ سنو کر دوں۔ سنگ اس نکل ہارا نئے کا قائل نہیں جب تک آخری سانس باقی رہے۔“

”تم پاگل ہو گئے ہو مجھے تم پر رحم آتا ہے۔“ فریدی نرم لمحے میں بولا۔

”آہا....!“ سنگ ہی زور سے چینا۔ ”شروع کر دو۔“

ساتھ ہی ان پر چاروں طرف سے گولیاں برلنے لگیں۔ فریدی اور اس کے ساتھی یوکھلا سنگ ہی کے قبیلے نامی گنوں کی ”ریٹ میٹ“ سے ہم آپنگ ہو گئے تھے۔ فریدی نے نیچے نک لگادی۔ یہ حقیقت ہے کہ اسے اپنے ساتھیوں کا ہوش نہیں تھا جملہ اچانک ہوا تھا اور حملہ نامعلوم تھے سنگ ہی نے چار ساتھیوں کے متعلق بتایا تھا کہ وہ راستے ہی میں حادثات کا شکار لے تھے اور بقیہ تین ساتھیوں کی لاشیں اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں فریدی کے ہمراں حیدر اور انور نے بھی چلا ٹکنیں لگائی تھیں۔ روزا بھی چونکہ قریب تھی اسی اس لئے اس بھی تسلی نہیں برلتی۔ وہ بے تحاشا بھاگتے رہے۔ فریدی کاریو اور اس ہنگامے کے دوران میں اگر گیا تھا، کافی دور تک آئے تھے اور نامی گنوں کی آوازیں بھی اب نہیں آرہی تھیں۔

”بہت نہ اہو۔“ حمید ہانپتا ہوا بولا۔

”بچھے لوگ یقیناً مارے گئے ہوں گے مجھے افسوس ہے۔“ فریدی رک کر چاروں طرف دیکھتا بولا۔ ”تم نے خود میری مجبوری دیکھی ہے۔ یہ بلا غیر موقع طور پر نازل ہوئی تھی اب بتاؤ میں

جانتے ہو وہ ہمارے گیس ماسک نکال لیں گے اور بے دھڑک اس غار میں اتر جائیں گے۔“
”وہ ہے کیا بلاؤ؟ آواز کسی ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”ہمایا نے ابھی دیکھا نہیں۔ یہاں ان پھرولوں کے نیچے کسی جلے والی گیس کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔“
”ہمارے دہانے سے گیس کا اخراج ہوتا ہے بس اتنی کی بات۔ کیا بھی نہیں سمجھے؟“
”خداء کے لئے جلدی کرو... طارق وغیرہ...!“ روزا گھٹنی گھٹنی کی آواز میں بولی۔

”میں مجبور ہوں اپنی عادت سے۔“ فریدی تیز قدموں سے پیچھے کی طرف لوٹا ہوا بولا۔
”اگر بتز مرگ پر بھی کوئی تحقیقی مسئلہ ہاتھ آجائے تو میں اس میں الجھ کر رہ جاؤں گا۔“
دراز سے گذر کر وہ پھر باہر آگئے۔ فریدی بے تحاشہ دوڑ رہا تھا اور وہ سب اس کا ساتھ دے تھے۔ پھر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے غار کا دہانہ صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ لوگ شیب میں تھے لئے سگ ہی کے ساتھیوں میں سے دو آدمیوں کو دیکھا جو نای گئیں لئے غار کے دہانے سے بے عیا فام سے پر کھڑے ہوئے تھے لیکن ان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ غالباً میں پھر انہیں دو اور آدمی دکھائی دیئے جو دوسری طرف کے شیب سے چڑھ کر غار کے نکی طرف آ رہے تھے اور انہوں نے چھروں پر گیس ماسک چڑھا کر کھینچا۔ اس نے پہنچا نے اسکے وہ کچھ ذرا اور اوپر آئے تو انہیں ان کے ساتھ ایک تیری ہستی بھی دکھائی دی جسے وہ پھر پکڑے لٹکائے ہوئے تھے اور اس کے پھرے پر گیس ماسک چڑھا ہوا تھا۔ یہ یقیناً ریکھا ہی شے وہ اس طرح غار میں لے جا رہے تھے۔

”اے رویا اور بھی ہے کسی کے پاس....؟“ فریدی نے دانت پیس کر سر گوشی کی۔
”نہیں.... گر گئے۔“ سب کا یہی جواب تھا۔

”نہیں لے جائیتے۔“ فریدی بذریعی انداز میں بولا۔ ”وہ اسے نہیں لے جائیتے اگر میری بول کے سامنے یا اس درندگی کی بھینٹ چڑھ گئی تو میں خود کشی کرلوں گا۔“

پھر اس نے بڑی پھرتی سے اپنا کوٹ اتارا اور دیا سلاٹی کھینچ کر اس میں آگ لگادی سگ ہی سکا۔ اس کا ساتھی ریکھا کو اٹھائے ہوئے غار کے دہانے کی طرف بڑھتے آ رہے تھے۔ جب کوٹ میں مالٹھ آگ لگ گئی تو فریدی نے اسے غار کے دہانے کی طرف اچھال دیا۔ دفعتاً ایک زور دار زیبڑا ہوئی اور دوسرے ہی لمحے میں غار کے دہانے سے درجنوں فٹ اونچی لپک نکلنے لگی اور

تمہارے باپ کے لئے کیا کر سکتا تھا۔“
”مصیبتوں کی جزو ہی ہے۔“ روزانے پیزاری سے کہا۔ ”محضے ذرہ برابر بھی افسوس ہے۔“
فرگرنہ کرو۔ مگر بچارہ بوڑھا طارق... قاسم... محضے ان کی موت پر گھر اصلہ ہو گا۔“
”آڈ کوئی راہ نہیں۔“ فریدی نے کہا اور وہ پھر پلٹ پرے کچھ دور چلنے کے بعد فریدی
”اوھ سے آؤ۔“

وہ ایک نجک سی درازی میں اتر گئے۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ قدم چلنے کے بعد وہ پھر ایک کر چکہ میں آنکھ۔ لیکن آگے جانے کا راستہ نہیں تھا کیونکہ ان کے اور دوسری طرف کی پڑائی درمیان میں پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ حائل تھا وہ کنارے کنارے سے چلنے لگے۔ بائیں ہاتھ زمین دور سے خشک معلوم ہوتی تھی لیکن قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ دلدل تھی۔ عجیب دلدل جو بالکل اسی طرح کھول رہی تھی پانی پر نہ پر چونا کھولنے لگتا ہے۔ نبلے بنے اجاتے۔ ہیکلی سی سنتاہٹ کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ فریدی چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا سے بولا۔ ”ذر اپنے پانپ کی ٹکلی نکال کر مجھے دینا۔“

”کیا مطلب۔“

”اس وقت بھی دماغ چاٹو گے؟“ فریدی جھلا کر بولا۔ ”میرا ذہنی توازن درست ہے۔“
حمید نے چپ چاپ تباہ کو نوٹی کے پانپ کی ٹکلی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ فریدی اسے ایک جگہ دلدل میں گاڑ دیا۔ انور روز اور حمید اسے جیڑت سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن اس کیہنے کی بہت نہ کر سکا۔ روز اکی آنکھوں سے رحم اور ہمدردی کے جذبات کا اظہار ہو رہا تھا۔
بھی یہی سمجھی تھی کہ فریدی کا دماغ الٹ گیا ہے۔

فریدی نے جیب سے دیا سلاٹی نکال کر جلائی اور اسے ٹکلی کے سرے پر لگا دیا دم لمحے میں ٹکلی کے سوراخ سے نیلے رنگ کی لپک پھوٹ ٹکلی جو برابر جلتی رہی اور پھر اس نے دلدل سے نکال کر اس کا چلا سر اضاف کرنے کے بعد حمید کو واپس کر دیا۔ حمید پھر کم سکا۔ نہ جانے کیوں وہ اس وقت فریدی سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔

”میں یہ نہیں مان سکتا۔“ فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”کہ سگ ہی اس سے واقف میرے خدا اگر انہوں نے ہمارے سامان پر قبضہ کر لیا تو پھر انہیں ولی میں چکنچھے میں دم

ساتھ ہی اتنے زو کا زنا پیدا ہوا کہ حمید وغیرہ بوكھلا گئے۔ سنگ ہی اور اس کے مسلسل
گنیں پھینک پھینک کر بے تباشہ دوسرا طرف بھاگے۔ لیکن سنگ ہی کی حاضر دماغی
تھی۔ اس نے ریکھا کو نہیں چھوڑا۔ اس کا ساتھی تو ریکھا کا پیر چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا لیکن
نہایت اطمینان سے اسے کاندھے پر ڈال کر وہاں سے ہٹا۔... فریدی نے اوپر پہنچ کر دا
کیں الھائیں اور پھر وہ آہستہ آہستہ دوسرا طرف بڑھے۔ وہ چاروں سینے کے بل لید
اور گلے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ حمید اور فریدی آگے تھے اور ان کے ہاتھوں میں
تھیں۔ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”ان میں میگرین کم ہے۔ ذرا احتیاط سے.... انگلی
ہی تمہارا ذہن بھی ٹریگر ہی پر ہوتا چاہئے۔“

۱۔ بھی وہ سرے اور پہنچے بھی نہیں تھے کہ انہوں نے قدموں کی آوازیں سنیں۔
اپنے تین ساتھیوں سمیت دوبارہ اپر کی طرف آرہا تھا۔ وہ نے ہاتھوں میں نامی گنیز
فریدی نے اندمازہ نگالیا کہ ان پاس چار سے زیادہ نامی گنیں نہیں ہیں۔

”شروع ہو جاؤ۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

نامی گنوں سے گولیاں نکلیں اور سنگ ہی کے دونوں مسلسل آدمی ڈھیر ہو گئے۔ سنگ
دوسرا ساتھی سر پر پیور رکھ کر بھاگے۔ ادھر سے پھر فائر ہوئے لیکن وہ دونوں زدے
تھے۔ انہوں نے نیچے اتر کر بقیہ دو نامی گنوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

”بس سیدھے ادھر ہی۔“ فریدی بولا۔ ”جذر ہم نے اپنا سامان چھوڑا تھا۔“

لیکن اتنے دور جانے کی نوبت نہیں آئی۔ سنگ ہی اور اس کا ساتھی راستے ہی میں لے
”خبردار....!“ فریدی نے لکارا۔ ”رک جاؤ.... ورنہ....“ جملہ پورا کرنے سے
سنگ ہی رک گیا لیکن اب بھی اس کے چہرے پر پیشانی کے آثار نہیں تھے وہ اتنے پر سکتا
میں رک کر مڑا تھا جیسے اس کے کسی شناسنے سر را ہے اسے پیچان کر آواز دی ہو۔

”تم بہت ذہین اور دلیر ہو۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔“ سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

”جب بھی میں اس سفر کے حالات لکھنے بیٹھوں گا تو مجھے تمہاری یاد بے حد ستائے گا
ان بگلوں کا تذکرہ خونی بگلوں کے نام سے کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اب لکھنا پڑے گا کہ
کی ذات نے انہیں آتشی بگولے بنادیا تھا۔ مگر فریدی! مجھے افسوس ہے کہ تمہاری قبر الگ کا
سچھالا نگاہداری۔“

گی جہاں کوئی جاودا بھی نہ فیض ہو گا۔“

”بہت اچھا بیٹے! لیکن یہ بتاؤ کہ میرے ساتھیوں کا کیا ہا...؟“

”وہ میری قید میں ہیں اور میں ان سے بادرداری کا کام لوں گا۔ میں نہیں چاہتا تھا مگر کیا
کروں ڈاکٹر شپرڈ کی موت ہی آگئی تھی۔“

روزانے یہ خبر بڑے سکون کے ساتھ سنی اور فریدی نے سنگ ہی سے کہا۔ ”اپنے دونوں
ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ میں تمہیں طوق سمیت زندہ واپس لے چلوں گا۔“

”نہ تم مجھے لے جاسکتے ہو اور نہ طوق...!“ سنگ ہی نے ایسے لمحے میں کہا جس سے خود
اعتمادی متریخ ہوتی تھی۔

”حید اس کے گلے سے طوق نکال لو۔“

سنگ ہی چپ چاپ کھڑا رہا۔ ہیں ہی حید اس کے قریب پہنچانے جانے کیا ہوا کہ سنگ ہی کا
یک میر اس کے سر پر پڑا اور ایسا معلوم ہوا جیسے سنگ ہی ہوا میں اڑ گیا ہو۔ کئی فٹ بلند ہو کر وہ پھر
میں پر آیا اور ایک طرف بھاگا۔ پھر فریدی سے کچھ دور کے فاصلے پر رک گیا۔ فریدی نے جھالا کر
اڑ کیا۔ سنگ ہی بڑی پھرتی سے دار بچا گیا اور پھر نامی گن سے گولیاں ابلنے لگیں لیکن سنگ ہی
یہ جگہ کھڑے کھڑے اچھل کو دکھل کر اس طرح گولیاں خالی دے رہا تھا جیسے کوئی بندر کچھ شریر
پول کے پتھر اسے خود کو بچا رہا ہو۔ آخر میگرین ختم ہو گیا۔ فریدی نے جھلاہٹ میں نامی گن اس
کھینچیا۔ لیکن وہ اسے بھی بچا کر اس طرح ہنسنے لگا جیسے کسی نئے بچے کو چڑا رہا ہو۔ فریدی کی
خطبتاک بھیزیزی کی طرح غرما تھا اس کی طرف جھپٹا۔

سنگ ہی تین چار چھلانگوں میں اوپر پہنچ گیا۔ فریدی نہتھا ہی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ غار کے
اٹے سے اب بھی اسی زور و شور کے ساتھ درجنوں فٹ اوپنی لپک اٹھ رہی تھی اس کا محیط بھی
اٹکے ہانے ہی کے برابر تھا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے جہنم کی کوئی بھی کھل گئی ہو۔

”تم مجھے نہیں پاسکتے۔“ سنگ ہی نے اپنی پوری قوت سے چیخ کر کہا۔ ”طوق بھی میں اپنے
اتھے لے جا رہا ہوں۔... سمجھ۔“

پھر قلب اس کے کہ فریدی اس کے قریب پہنچتا اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے جہنم کے دہانے
سچھالا نگاہداری۔

خونی بگولے

145

نمبر 15
جواب میں طارق نے بتایا کہ وہ حمید کی نگرانی میں ہے اور پھر وہ اپنے سوال کے جواب کا رکنارہ رہا۔

”خوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ ”اب واہی کا رادہ ہے۔“

”کیا اتنی مصیبیں اٹھانے کے بعد یو نبی ہی واپس ہو جائیں گے؟“

”بس طارق صاحب۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اب اگر کسی نے خزانے کا نام لیا تو میں اسی آگ میں جھوک دوں گا۔“ اورہ معاف کیجئے گا۔“ آپ میرے بزرگ ہیں۔۔۔ آپ سوچئے۔۔۔ کیا یہ ایک کھلی ہوئی دیواگی نہیں ہے؟ کتنے اس دیواگی کی بھینٹ چڑھ گئے۔۔۔ اتار و حانی سکون خزانے ملنے کے بعد نہ ہوتا جتنا اس لڑکی کو بچا کر نصیب ہوا ہے۔ آپ خود کیجئے۔۔۔ میرے بزرگ۔۔۔“ فریدی خاموش ہو گیا۔ کوئی کچھ نہ بولا۔

آگ کی لپک کا زناٹا ب سمجھی کان پھاڑ رہا تھا۔

اندر ہیرا ہو چلا تھا اور اسی آگ سے دور دور تک روشنی پھیل رہی تھی۔

رفتا فریدی نے کہا۔ ”مگر میں یہاں ایک بار پھر آؤں گا۔۔۔ وادی تاریک میرے لئے کافی شر کھتی ہے۔۔۔ لیکن مطمع نظر خزانے کا حصول نہ ہو گا۔ کیا نیچے نک پنچھا ہی ایک برا کار نامہ ہو گا۔۔۔؟“

سٹئے میں جلتی ہوئی گیس کا زناٹا گو ٹختا رہا۔

ختم شد

فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ چند لمحے کھڑا خلامیں گھورتا رہا پھر والپی کے لئے مڑا کے پچھے حمید، روز اور انور متھر کھڑے تھے۔ فریدی ان کی طرف مخاطب ہوئے بغیر نیچے اتر لگا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی وحاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اتر کر ایک پھر پر گیا۔ وہ تیوں بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ نیچے آئے تھے۔ روز اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ حیرت سے اس کے چہرے پر نظر جائے ہوئے تھے۔

”جاو۔۔۔ طارق وغیرہ کو تلاش کرو۔“ فریدی مصلح آواز میں بولا۔ ” غالباً وہ وہیں ہوں جہاں ہمارا سماں ہے۔“

انور اور حمید چپ چاپ چلے گئے۔ روز او ہیں بیٹھی رہی۔

”یہ میری فتح نہیں تھکت ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑا بڑا۔

”غلط ہے۔۔۔ وہ لڑکی طوق سے زیادہ قیمت رکھتی ہے۔ تم نے اس کی جان بچائی ہے۔ نہیں۔۔۔ فریدی۔۔۔ تم عظیم ہو۔۔۔ تمہاری سب سے بڑی فتح ہے۔ ایک اپنائی سرکش قہ

مجرم تم سے ننگ آکر خود کشی کر لیتا ہے۔“

”میں ڈاکٹر کونہ بچا سکا۔۔۔ میں نے وعدہ کیا تھا۔“

”میں اسے اپنے ہاتھ سے گولی مار دیتی۔“ روز اسے فخریہ انداز میں کہا۔

”اسی طرح جیسے کسی پاگل کے کو مار دی جاتی ہے۔ باپ کے رشتے سے زیادہ میں انسانیت اہمیت دیتی ہوں۔“

”میں تمہاری عظیم روح کو سلام کرتا ہوں۔“ فریدی اس کی شوڑی پکڑ کر اس کی آنکھ میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔“

پھر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

شوڑی دیر بعد قاسم اور طارق بھی وہاں پہنچ گئے۔ انور کا سر زخمی تھا۔ سنگ ہی کے لئے ساتھیوں نے کافی اور ہم مچایا تھا اور وہ انور بھی کے ہاتھوں انجام کو پہنچ گئے تھے۔ طارق نے پا رودا دسی کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔

”اب کیا رادہ ہے۔۔۔؟“

”وہ لڑکی کہاں ہے۔۔۔؟“ فریدی نے پوچھا۔

جاسوسی دنیا نمبر 46

لاشوں کا سوداگر

نامعلومِ مهم

کپٹن حید نے پانچ بار کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن فریدی کی تیز نظر وہ کسی تاب نہ لات کر اموش ہو گیا۔ رات کے سارے بارہ بجے تھے اور کرع فریدی کی بیان آئش شہر کی سڑکوں کے چکر کاٹ رہی تھی۔ فریدی اور حید دونوں سیاہ لباس میں ملبوس تھے اور فریدی کے زانوں پہنچے کا ایک تھیلار کھا ہوا تھا جس میں نقاب زندگی اور قفلِ عُنکی کے آلات کے علاوہ ایک عجیب رُضع کی چھوٹی سی مشین بھی تھی۔

حید فریدی کے پروگرام سے قطعی تاداًقِ خدا۔ اُسے بس ساتھ چلنے کے لئے کہا گیا تھا۔ یہ لوئی نئی بات نہیں تھی۔ فریدی کبھی اسے اپنی ایکسوں کے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ تھا اور حید کو بھی اس سلسلے میں کچھ خدی ہو گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی قتل از وقت کبھی کچھ نہیں بتاتا لیکن پھر بھی وہ پوچھنے سے باز نہیں آتا تھا۔

کار جیسے ہی چھتم روڈ پر مری اس نے کہا۔ ”میرے ذہن میں ایک ایکسیم ہے۔“

”کیسی ایکسیم....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”آپ مجھے میہن انارڈ بتائے۔“

”کیوں....؟“

”میں کالز کے پیچھے دوڑوں گا۔“

”بکومت۔“

”اور یہ چیختا ہو ادوڑوں گارو کو.... روکو میری عقل اگلی سیٹ پر رہ گئی ہے۔“ فریدی مسکرا کر رہ گیا۔ ... حید بڑا تارہ۔ ”خدا نے مجھے تائب تحصیلدار نہیں بتایا حشر کے

(مکمل ناول)

ہمار آگے بڑھ گئی۔ حمید اندر ہیرے میں مکاپلاتارہ گیا۔ جلاہٹ شاید آخری منزل پر تھی لیکن خاموشی کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ آہان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور کسی وقت بھی بارش ہو سکتی تھی۔ شام دس منٹ بعد فریدی واپس آگئا۔ کار کہیں چھوڑ آیا تھا۔ لیکن چڑی کا تھیلا اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے ایک عمارت کی طرف بڑھا۔ چہانک کے قریب پہنچ کر اس نے حمید سے کہا۔ ”میں چہانک کا تالا توڑنے جا رہا ہوں۔“

”بسم اللہ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہے تو قریب کے تھانے میں اطلاع کر دوں۔“

”سخیدہ ہو جاؤ۔۔۔ درستہ تھپٹہ مار دوں گا۔“ فریدی نے تھیلے سے ایک اوڑاں کالا اور اسے قتل کے کنٹے میں پھسا کر زور کرنے لگا۔ دوسرا ہی لمحے میں کٹھا ایک بلکل سی آواز کے ساتھ الگ ہو گیا۔ چہانک کھول کر وہ اندر داخل ہوئے۔ چاروں طرف قبرستان کی آنکھیں تھیں۔ پائیں باغ چھوٹا ہی تھا۔ انہیں اصل عمارت تک پہنچنے میں دیرینہ لگی۔ برآمدہ بھی تاریک تھا اور بظاہر عمارت کے کسی بھی حصے میں زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے تھے۔ فریدی نے جیب سے نارچ نکالی۔

حدڑ دروازہ بھی مغلل تھا اور یہ قتل ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا جسے آسمانی سے توڑا جاسکتا۔ فریدی اور حدڑ دیکھنے لگا۔ پھر وہ ایک کھڑکی کی طرف بڑھا۔

کھڑکی کا شیشہ توڑنے میں کیا دشواری ہو سکتی تھی۔ دوسرا ہی لمحے میں اس نے شیشہ سے نکلی ہوئی جگہ میں ہاتھ ڈال کر اندر سے چھپنی گر دی۔ کھڑکی کھل گئی۔

اندر پہنچنے والی حمید نے کچھ اس قسم کی بو محروس کی جیسے اس عمارت میں عرب صہ سے تازہ ہوا کا گزرنہ ہوا ہو۔ وہ ایک آرستہ کر کے میں کھڑے ہوئے تھے۔ فرنچ پر گرد کی تھیں نظر آرہی تھیں۔ فریدی کی نئی نئی سی نارچ کی شعاع بوئی تیزی سے کر کے میں گروش کر رہی تھی۔ پھر وہ پوری عمارت کا چکر لگانے کے بعد اس کر کے میں دوبارہ واپس آئے جہاں انہوں نے کسی قسم کا بھی کوئی سامان نہیں دیکھا تھا۔ یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ دیواریں اور فرش سنگھے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں کبھی کوئی سامان رہا ہی نہ ہو۔ فریدی نے سوچ آن کر کے کمرے میں روشنی کر دی۔

دن اس کا شکوہ کروں گا۔ اس مجھے میں نہ عزت ہے نہ آرام۔ گاؤں کے پڑاوڑی مجھ سے زیاد کرتے ہوں گے۔“

”تم کیا چاہتے ہو۔“

”آرام...!“

”تب تو تمہیں نائب تحصیلدار کی یہوی بننے کی خواہش کرنی چاہئے۔“

”میں یہوی کا نائب تحصیلدار بھی بننے پر تیار ہوں۔ مگر مجھے تھوڑا سا آرام ضرور چاہیں اپنی افداد طبع سے مجبور ہو کر اس مجھے میں نہیں آیا ہوں۔“

”تو بیٹھے خال! تمہیں ملکہ آرام تو دنیا کے کسی بھی حصے میں نہیں ملے گا۔ ویسے نظردوں میں صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں آرام ہی آرام ہے۔“

”مجھے اس کا پتہ بتائیے۔“

”تبر...!“

”میں وہاں بھی جانے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ کوئی خوبصورت سی لڑکی بھی میرے دفن ہونے کا وعدہ کر لے۔“

”آگے اوقات پر۔“ فریدی منہ بنا کر بولا۔

”میرے باپ دادا کی بھی اوقات تھی جس کا نتیجہ میں بھگت رہا ہوں۔“

”اچھا بکواس بند کرو۔“

”بند ہو گئی۔ لیکن آپ کو یہ تو بتانا ہی پڑے گا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”ابھی معلوم ہو جائے گا۔“

فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔ وہ ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں کئی بڑی بڑی کوٹھ تھیں لیکن ان میں سے شامک دو تین ہی ایسی رعنی ہوں جن کی کسی کھڑکی میں روشنی نظر آرہی؛ ایک جگہ فریدی نے کار روک دی۔

”آزو...!“ اس نے حمید سے کہا۔ ”تم یہیں کھڑے رہو میں ابھی آتا ہوں۔“

”یہ بھی بتا دیجئے کہ اگر آپ واپس آنا بھوول گئے تو میں کیا کروں گا۔“

”بکواس مت کرو۔“ فریدی نے اسے نیچے دھکلیتے ہوئے کہا۔

حید نے محسوس کیا کہ فریدی آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کر رہا ہے۔ اس کے چند سارے اس قسم کے آثار تھے جیسے اسے اس کرے کو اس حال میں دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی ہو۔ ”پچھے نہ ہوا۔ پچھے بھی نہ ہوا۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑا لیا۔

”کیا نہ ہوا۔“

”اس کرے کی حالت دیکھ رہے ہو۔“

”دیکھ رہا ہوں۔۔۔ مگر مجھے کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔“

”یہاں پہلے بھی کافی سامان رہا ہوا۔ ممکن ہے فرش پر قائمین یاد رہی بھی رہتی ہو۔ حید متحیر انداز میں فریدی کو گھونٹنے لگا۔

”ٹھہر و بتا ہوں۔“ فریدی نا تحمل اٹھا کر بولا۔ پھر اس نے تھیلے سے وہ مشین نکالی جس استعمال سے حید ابھی تک ناواقف تھا اور نہ پہلے ہی بکھر وہ فریدی کے پاس نظر آئی تھی۔ اس پچھلے حصے میں تار سے لگا ہوا ایک پلگ لٹک رہا تھا۔ فریدی نے وہ پلگ دیوار سے لگے ہوئے بورڈ میں نصب کر دیا۔ مشین زیادہ بڑی نہیں تھی اور اس کی شکل بکس نما کیمرے سے مشابہ تھی۔ حید تو یہی سمجھا کہ شاید وہ کسی قسم کا کپڑہ ہے جس سے فریدی کرے کا فوٹولینے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ چھوٹی سی مشین ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ چل پڑی اور اس میں سے میا لے رنگ کا گہر اغدر نکل کر فرش پر منتشر ہونے لگا۔

فریدی اپنے ہاتھوں کو آہستہ آہستہ جنمیں دے رہا تھا۔

شاید ایک یا دو ٹھہر منٹ تک مشین چلتی رہی پھر فریدی نے اُسے بند کر دیا۔

”اب دیکھو...!“ فریدی نے فرش کی طرف اشارہ کیا۔

اب فرش پر بے شمار قدموں کے نشانات نظر آرہے تھے۔ مشین سے غبار منتشر کرنے پہلے فرش بالکل صاف دکھائی دیتا تھا۔

”مگر شاید تم یہ بھھر ہے ہو کہ میں نے یہ سب کچھ پیروں کے نشانات کے لئے کیا ہے۔“

فریدی نے کہا۔

”میں کچھ بھی نہیں بھھ رہا ہوں۔“

”واب سمجھو مجھے توقع تھی کہ اس کرے میں تھوڑی جگہ ایسی بھی ہوئی جہاں پیروں کے

”تنه ہوں گے۔“

”نہ ہوں گے۔ میں اب بھی نہیں سمجھا۔ لیکن ہاں اس طرف کونے میں نشانات نہیں ہیں۔“

”صاف ہے۔“

”ٹھیک.... زرا شہرو۔“ فریدی نے کہا اور دیوار کی جگہ کے ساتھ چلتا ہوا اس حصے کے پہنچنے کے نشانات نہیں تھے۔ پھر اس نے رک کر چاروں طرف دیکھا اور دیوار پر جگہ نظر جادوی۔

خانوشاں کا ایک طویل وقفہ۔ حید کو الجھن ہونے لگی تھی اور اب وہ فریدی کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ پھر اچانک وہ ایک عجیب طرح کا شور سن کر فریدی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

فریدی بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اوھر دیکھو مجھے اس کی تلاش تھی۔“ فریدی نے ایک ایسے خلاء کی طرف اشارہ کیا جو فرش اسی جگہ پیدا ہو گیا تھا جہاں قدموں کے نشانات نہیں تھے۔

حید آنکھیں چھاڑے اوھر ہی دیکھا رہا۔

”دیوار سے ملے ہوئے اوھر ہی طے آؤ۔“ فریدی بولا۔

”میں آرہا ہوں... لیکن یہ سب ہے کیا ملا۔“ حید دیوار کے سہارے اس کی طرف بڑھتا والوں۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نارچ کی روشنی تھہ خانے میں ریگ گئی۔ سامنے ہی ٹھیڑھیاں تھیں۔



اسکر اسٹریٹ میں سناتا تھا۔ پوری سڑک روشن تھی۔ لیکن رات زیادہ گذر جانے کی وجہ سے آمد درفت بند ہو گئی تھی۔ مکانوں کی کھڑکیوں میں زیادہ تر گھری نیلی روشنی نظر آرہی تھی۔

اچانک اسکر اسٹریٹ کا سکوت شوروں میں تبدیل ہو گیا۔ لیکن وہاں کے رہنے والے برسوں سوتے رہے۔ اگر کسی کی آنکھ کھلی بھی ہوگی تو بڑی بے پرواںی سے کروٹ بدلت کر دوبارہ کو گیا ہو گا۔ سب ہی جانتے تھے کہ اسکر اسٹریٹ میں ایک شراب خانہ بھی ہے اور اس کا ماں کوئی اچھا آدمی نہیں۔ سب ہی جانتے تھے کہ وہاں ابھی توچھے آدمی نہیں آتے۔ اسی لئے کسی میں اتنی ہمت

بھی نہیں تھی کہ وہ اس شراب خانے میاں میں ہونے والی نہ موم حرکات کے خلاف آوارا گریئی کو سب جانتے تھے۔ وہ ایک لمبا زنگا دیسی عیسائی تھا۔ اس کی پیشانی زخموں سے داغدار تھی اور بیالاں گال ٹھوڑی سے لے کر کان کے نیچے تک دو حصوں میں تھی کسی گھرے زخم ہی کا نتیجہ تھا۔ جبڑے بھاری اور چیرہ کافی برا تھا۔

گریئی ہی اس شراب خانے کا مالک تھا اور اس شراب خانے میں رات کو عموماً شہر ہوئے بد معاشر اکٹھا ہوا کرتے تھے۔ اکثر وہ نشے میں ہنگامہ بربا کر بیٹھتے اور اتنا شور ہو۔ پڑوس کے بہرے آدمیوں کی بھی نیندیں اپتھ جاتیں لیکن جیسے ہی گریئی اپنے کمرے میں جمعے تک آتا چاپنک اس طرح خاموشی چھا جاتی جیسے بھیڑوں کے گلے میں کوئی بھیڑ یا گھر بیکھے ہوئے شرایوں کا نشہ ہرن ہو جاتا۔

آج بھی بھی ہوا۔ دو آدمی کسی بات پر لا بیٹھے۔ پہلے بوتلیں چلیں پھر میزوں اور اسکی باری آگئی جب تک گریئی اپنے کمرے سے نکلتا کئی آدمیوں کے سر لہو لہان ہو گئے اور کرسیاں ٹوٹ گئیں۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ ہنگامہ کرنے والوں نے گریئی کی گردار آواز سنی اور جہاں تھا۔

”جھگڑا... کس نے شروع کیا تھا۔“ گریئی کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے میں گونگ کر گئے۔ اس طرح سننا چاہیا جیسے کچھ دیر قبل کوئی بات ہی نہ رہی ہو۔

”جھگڑا... کس نے شروع کیا تھا۔“ گریئی کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے میں گونگ کر اس کی خونی آنکھیں جمعے کو گھور رہی تھیں اور وہ کمر پر بنا تھا رکھے سینہ تانے اس طرح کڑا کوئی دیوالیشیوں کے سرز میں پہنچ گیا ہو۔

لوگوں نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ بھی ایک کافی تدرست اور خوش پوش آریکن اس کی آنکھوں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ انہی کی نہ تو اور خونی قسم کا آدمی ہے۔

”اوھر آؤ...!“ گریئی نے اس سے تکمانتہ لجھ میں کہا۔

”میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔“ دوسرا گرج کر بولا۔

گریئی ایک دوسری میز کی طرف دیکھنے لگا جس کے گرد چار آدمی بیٹھے کچھ دیر قبل کھیل رہے تھے لیکن اب انہوں نے تاش کی گلزاری ایک طرف رکھ دی تھی اور گریئی کے ہاتھ کو بھوکی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ گریئی نے انہیں کچھ اشارہ کیا اور وہ اپنے کمرے کی مل

”تم کہاں جا رہے ہیں۔“ حید نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔
”آؤ۔“ فریدی تہہ خانے کی پہلی سیڑھی پر پیر کھتا ہوا بولा۔
”نہہر و...!“ اچانک پشت سے آواز آئی۔ فریدی اور حید کے ہاتھ بے اختیارانہ طور پر اپنی

پیشانیوں کی طرف گئے اور پھر دوسرے ہی لمحے میں ان کے چہروں پر سیاہ نقائیں کھینچ گئیں
دروازے کی طرف مڑے۔

پانچ مسلک نقاب پوشوں کے رویالور ان کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ سب سے اپنے آدمی نے کہا۔

ان کے ہاتھ اوپر اٹھے گئے۔ لما آدمی چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر اس نے اپنے آدمیوں
کہا۔ ”ان کے چہرے کھول دو۔“

دو آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے اپنے رویالور جیب میں رکھ لئے تھے لیکن اب بھی
رویالوروں کی نالیں فریدی اور حمید کی طرف تھیں۔

وہ دونوں ان کے قریب آگئے۔

”خبردار...!“ لمبے آدمی نے لکارڈ ”کوئی حرکت نہ ہو ورنہ دوسرے لمحے میں تم مردہ ہو گے
”ترکیب نمبر چوہیں۔“ فریدی آہستہ سے بڑا بڑا اور حمید بڑی پھرتی سے زمین پر پیٹھ گیا
فریدی نے بھی بھی کیا تھا۔

دونوں نقاب پوش اپنے ہی زور میں ان پر آ رہے۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ فریدی
حمدی کی گرفت میں تھے۔ بیک وقت تین فائر ہوئے لیکن تینوں گولیاں سامنے والی دیوار پر پڑیں۔
قبل اس کے کہ وہ دوسرے را اونٹ چلاتے فریدی نے اپنے قابو میں آئے ہوئے آدمی کو ان
کھینچ مارا۔ تین فائر پھر ہوئے لیکن کوئی گولی چھٹ پر پڑی اور کوئی دیوار پر کیوں نکہ وہ تینوں گرے
تھے۔ فریدی ان پر بھوکے بھیڑیے کی طرح جھپٹ پڑا۔ حمید کو کچھ سوچی تو اس نے اپنے شاخ
کو تہہ خانے میں دھکا دے دیا لیکن اسے اتنا ہوش کیا ہاں تھا کہ وہ اس کی چیخ سن کر محظوظ ہوا
دوسری طرف فریدی ان چاروں سے گٹھا ہوا تھا۔ حمید نے رویالور نکلا۔ لیکن اس کی سمجھی ہی میں
نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے رویالور پھر جیب میں ڈال لیا۔

پھر وہ بھی ان چاروں سے بھڑکا۔ اب ان میں سے کسی کے بھی ہاتھ میں رویالور نہیں تھے۔

یہ چھ آدمی نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پیر تیزی سے حرکت کر رہے تھے اور
حلق سے ایسی ہی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے وہ جملائے ہوئے درندے ہوں۔

چاروں نقاب پوش اس کو شش میں تھے کہ فرش سے اپنے رویالور اٹھائیں لیکن شاید فریدی

یہیں چاہتا تھا۔ ان کے ہاتھ رویالوروں کی طرف نہ جاسکتیں۔

”اوگد ہے اریو الور سمیٹو!“ فریدی نے جملائی ہوئی آواز میں حمید سے کہا۔

حید کو ہوش آگیا۔ واقعی اس سے ابھی تک گدھا پن سرزد ہوتا رہا تھا۔ وہ رویالوروں کی
رن جھک پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں لمبے آدمی کی لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ اونٹھے منہ
ش پر پڑھر ہو گیا۔

حید چوت کی پرواہ کئے بغیر پھر پلان۔ اس بار اگر اس سے ذرہ برابر بھی غفلت ہو جاتی تو لمبے
دی کی خوبکر سے اس کے چہرے کا بھرتا بن گیا ہوتا۔ وہ بڑی تیزی سے ایک طرف سرک گیا۔
وہری طرف فریدی کا گھونسہ لمبے آدمی کی پیشانی پر پڑا اور حید کو چاروں رویالوروں کو سمیٹ
لینے کا موقع مل گیا۔

لیکن اس کی حرمت دل ہی میں رہ گئی کیونکہ جیسے ہی اس نے رویالوروں پر قبضہ کیا وہ چاروں
ماں لٹکا۔

کار میں لاش

دوسری صبح ناشیتے کی میز پر حید اونچھ رہا تھا۔ رات کی غیر موقع ورزش نے اس کے جسم کا
ہند بندہ لکھا دیا تھا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ لوگ اتنی جلدی کیا ہاں غائب ہو گئے تھے۔“
اس نے چوک کر کہا۔

”تم نے بات بھی پوچھی تو بے شکی۔“ فریدی بولا۔

”ہاں بے سکی۔“ حید آنکھیں چھاڑ کر بولا۔

”بے سکی ہی ہے۔“ تم نے اس آدمی کے متعلق غور نہیں کیا جسے تم نے تہہ خانے میں پھیکا
تھا آخر وہ کیا ہاں غائب ہو گیا۔ زندہ یا مردہ اسے تو کم از کم ملتا ہی چاہئے تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ تہہ خانے کے اندر بھی کوئی تہہ خانہ ہو گا۔“

”بس تو پھر یہ سوال ہی فضول ہے کہ وہ لوگ اتنی جلدی کیا ہاں غائب ہو گئے۔“

”اچھا تو پھر بتائیے کہ میں اور کیا پوچھتا۔“ حید نے بڑی مخصوصیت سے پوچھا۔

فریدی نے ہونتوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا۔ ”خیر سنو! تم نے اس

دوران میں ایک بڑی حیرت انگریز خبر سنی ہو گی۔ یہی کہ بازار میں سور و پے کے لا نوٹ پھیل گئے ہیں۔

”ہاں مجھے معلوم ہے۔“

”لیکن یہ نہ معلوم ہو گا کہ وہ نوٹ آئے کہاں سے۔“

”نہیں.... میں نہیں جانتا۔“

”وہ نوٹ سینزل بینک سے نکل کر پھیلے ہیں۔“

”سینزل بینک سے۔“ حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”ایک حیرت انگریز واقعہ جس کا تذکرہ ناممکنات کی تاریخ میں کیا جانا چاہئے۔“

”لیکن سینزل بینک سے کس طرح۔“

”یہی مسئلہ تو غور طلب ہے۔“ فریدی نے کافی کی پیالی رکھتے ہوئے طویل سائز کہا۔ ”نوٹ وہیں سے ایشو ہوئے ہیں اور اب بھی ان کی کافی بڑی تعداد بینک کے اسٹریڈ میں موجود ہے اس کا مطلب سمجھتے ہو۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ وہ جواب طلب نظر دوں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بنک سال سے آئے ہوئے اصلی نوٹ اڑا کر ان کی جگہ جعلی رکھ دیے

”بھلا یہ کس طرح ممکن ہے۔“

”ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے تو یہ معاملہ میرے پر دیکا گیا ہے فرزند۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ وہ اس کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

”تو کیارات کچھ اسی قسم کا چکر تھا۔“ اُس نے پوچھا۔

”قطیعی..... آخر تم نے اُس تہہ خانے میں کیا دیکھا تھا۔“

”مجھے وہاں ایک ملک الموت کی پرچھائیں نظر آئی تھی۔“ حمید جھنپھلا کر بولا۔

”اُس تہہ خانے میں کسی قسم کی میشین نصب تھی۔ کیا تم نے ان کے نشانات نہیں دیکھا۔“

کمرہ اس طرح خالی دیکھ کر یہ کیا تھا کہ اب وہاں کچھ نہ ہو گا۔ وہ لوگ میشین نکال لے گے

”مگر کوئی تھی تک آپ کی رسائی کیسے ہوئی تھی۔“

”میں نے اس دوران میں ایک ایسے آدمی پر نظر رکھی تھی جو کسی زمانے میں جعلی نوٹوں

لہانے کے سلسلے میں پکرا گیا تھا۔ اُسی کے ذریعے میں اُس عمارت تک پہنچا۔ لیکن اب میں بات کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ اُس تہہ خانے میں نوٹ ہی چھاپنے کی میشین نصب تھی۔“
”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجرم کافی ہوشیار ہیں اور خاص طور سے آپ پر نظر رکھتے ہیں۔“
”ہاں... ہاں...!“ فریدی نے ایک طویل انگڑائی لی اور ناشتے کی میز سے اٹھ گیا۔



گریٹی کا شراب خانہ اس وقت سرد تھا۔ گریٹی سوتا بھی دیکھا تھا۔ اُسی کمرے میں جہاں اُس نے اپنا آفس بنار کھا تھا۔

ابھی وہ سو ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ گریٹی نے غرا کر کروٹ بدی اور پھر آنکھیں بند لیں۔ لیکن گھنٹی بجتی ہی رہی... پھر وہ ایک گندی سی گالی بکتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

”ہیلو...!“ وہ ریسیور میں حلق چھاڑ کر چھپا۔

”گریٹی...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اوہ.... آپ ہیں۔“ گریٹی کی آواز نرم پڑ گئی۔

”کل رات وہ دونوں کون تھے۔“

”وہ دیکھتے! بات دراصل یہ ہے کہ وہ بچ کر نکل گئے۔ میرا ایک آدمی بھی مری طرح زخمی دیکھا ہے۔“

”کیا تم پہچان بھی نہیں سکتے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اُن کے چہروں پر نقائیں تھیں۔“

”اچا خیر.... خیر تمہیں بتاتا ہوں۔ وہ کرتل فریدی تھا۔“

”اُرے....!“ گریٹی کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

”اپنے آدمیوں کو سمجھا دو کہ اُس عمارت کی طرف اب رخ بھینہ کریں۔“

”بہت بہتر.... جتاب بہتر۔“

”اور سنو.... راجو کو جانتے ہوئے۔“

”تجیا ہاں.... بہت اچھی طرح.... وہی راجو....!“

”ہاں تم جانتے ہو۔ اچھا.... سنو.... اُسی کی وجہ سے کرتل کی رسائی اُس عمارت تک ہوئی تھی۔“

چیز کے درمیان رہی ہو گی۔ عنابی رنگ کے اسکریٹ میں خاصی فوج رہی تھی۔ اُس نے گریٹی کے لئے چائے اٹھ لی اور خود بھی ایک کرسی سکھنے کر بیٹھ گئی۔

”بات کیا ہے.... آج صحیح ہے۔“

”چپ رہو۔“ گریٹی جلا کر بولا۔

”تین چپ رہوں گی۔“ لڑکی نے اُسی بجھ میں کہا۔ ”تم ہمیشہ مجھے کتیا کی طرح دھنکارتے رہتے ہو۔“

”تم میری ہو کون....؟“

”میں تمہاری کوئی ہوں یا نہ ہوں.... لیکن تم میرے ہو۔“

”زبردستی....!“ گریٹی کے ہوننوں پر ہلکی سی مکراہت نمودار ہوئی۔ ”حالانکہ تم میرے لئے کچھ نہیں کر سکتیں۔“

”بھی کچھ کہہ کر تو دیکھو۔“

”تم نہیں کر سکو گی۔“

”گریٹی.... کہنے... تم بتاؤ بھی تو۔“

”آج رات.... اُس آدمی کو بیہو ش کرتا ہے۔“

”کے....!“

”اوہ.... یہ کام بہت آسانی سے ہو جائے گا۔ تم اُسے جاتی ہو۔ وہ تم سے لفت ملنے کا خواہاں ہے۔ ہلکے سے اشارے پر تمہارے پیچھے لگ جائے گا لیکن تم اُسے کہیں اور لے جاؤ گی۔ یہ کام یہاں نہ ہو گا۔ سمجھیں راجو کو جانتی ہو۔“

”اچھی طرح جانتی ہوں۔“

”میں تمہیں بیہو ش کی دوادوں گا۔ لیکن تم اُسے دوادیئے کے بعد پھر اُس جگہ نہیں نہ سمجھیں۔“



”بیہاٹ.... بیہاٹ....!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”لتا حسین موسم ہے اور میں اُنکا پٹھا جعلی نوٹوں کے چکر میں پڑ کر دنیا اور عاقبت دونوں بر باد کر رہا ہوں۔“

”وہ کس طرح۔“

”کسی طرح بھی ہو.... اس سے سروکار نہیں۔ بہر حال راجو کو چھٹی دے دو سمجھ۔“

”تی ہاں اچھی طرح.... گمراہی۔“

”اس کی گمراہی کرو.... لیکن اُس نے تمہیں بیچانا تو نہیں۔“

”ہر گز نہیں جتاب.... میں پچھے نہیں ہوں۔“

”ہاں بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔“

”آپ مطمئن رہیں.... راجو کو کل تک چھٹی دے دی جائے گی۔“

”کل نہیں آج.... جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔“

گریٹی نے جواب میں کچھ کہا جا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کیا جا پکا تھا۔

”اُس نے دیسیور رکھ دیا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ وہ چند لمحے میز کھڑا گوں کو گھورتا رہا پھر کپ بودھ سے شراب کی بوتل اٹھا کر ہوننوں سے لگا۔ دو تین خالص شراب کے لے کر اُس نے بوتل پھر اُس کی جگہ پر رکھ دی۔

پھر اُس نے میز پر رکھی ہوئی گھٹنی کا بنی دبایا۔ بار بار دبایا ہی رہا۔ عمارت کے کسی دور حصے میں گھٹنی بج رہی تھی۔

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی دوڑتا ہوا کمرے کی طرف آ رہا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں دکھا اور ایک انگوٹھیں لڑکی کا چہرہ دکھائی دیا۔

”یہ ڈار لنگ....!“ اُس کی سریلی آواز کمرے میں گون گئی۔

”ڈار لنگ کی پچی جائے کہاں ہے۔“ گریٹی دھاڑ کر بولا۔

”اوہ.... ابھی آئی۔ خفا کیوں ہوتے ہو۔“ اُس نے کہا اور پھر دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ گریٹی سامنے بنائے بیٹھا رہا۔ شاید دو تین منٹ بعد وہ اپنے ہاتھوں پر ناشتے کی ٹڑے اٹھائے ہوئے دو کمرے میں داخل ہوئی۔

”چُپڑا.... گریٹی بالکل اچھا نہیں معلوم ہوتا۔“ اُس نے ٹڑے کو میز پر رکھتے ہوئے کہا

”شُث اپ....!“ گریٹی دھاڑ۔

لڑکی پر ظاہر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ کافی خوبصورت اور تندروست تھی۔ عمر بیس۔“

کے ذریعے ستاپوں کی الماریوں میں کیڑوں کو فتا کرنے کے لئے پاؤڈر چھپڑ کا جاتا ہے۔ لیکن میں اس کا ایک دوسرا اور اس سے بھی زیادہ کار آمد مصرف دریافت کیا ہے۔ لیکن جو پاؤڈر میں ہال کرنا ہوں وہ میری اپنی ایجاد ہے۔

”میا آپ اس کے استعمال کو عام کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ اس سے مجھے کو بہت فائدہ گا۔“

”یقیناً... میں اسے رائج کرنے کی کوشش کروں گا۔“

”مگر اس وقت ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”آج پھر میں راجو کا تعاقب کروں گا۔“

”کون راجو۔“

”وی جس کا تعاقب کرتے کرتے میں اس عمارت تک پہنچا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن وہ ہمیں طے گا کہاں۔“

”آر لکچو میں... وہ ہمیشہ آٹھ سے دس تک آر لکچو میں بیٹھ کر پیتا ہے۔ آج سے ایک ماہ کوڑی کوڑی کو محتاج تھا۔ لیکن آج کل دولت مندوں کی سی زندگی برقرار رہا ہے۔“

”میا آپ کو یقین ہے کہ....!“

”ہاں مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اس کھیل میں شریک ہے۔“

کیڑی آر لکچو کی کپاڈوٹ کے باہر ہی رک گئی۔ وہ دونوں نیچے اترے۔ لیکن آنے کے بڑھنے کی وجہ سے فریدی ایک طرف ہو گیا۔ ایسا کرتے وقت اس نے آہستہ سے حمید کا ہاتھ بھی دبایا تھا۔

حمدی کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ ایک او ہیڑ عمر آدمی جس کے جسم پر شام کا سوٹ تھا بدلست ایکوں کی طرح لا کھڑا تھا اور اس سے چالک کی طرف آرہا تھا۔

”راجو....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”اچھا... یہی ہے.... مگر تم بھی طرح ڈاؤن معلوم ہوتا ہے۔“

آنے والا چالک سے گزر کر فٹ پاٹھ پر رک گیا۔ فریدی اور حمید اس سے ٹھوڑے سی ملے پر تھے۔ راجو نے ہاتھ اٹھا کر ایک گزرتی ہوئی تیکھی کر کنے کا اشارہ کیا اور تیکھی فٹ پاٹھ سے آگئی۔

فریدی نے کار کو ایک بیگی میں موزتے ہوئے کہا۔ ”زندگی سے زیادہ حسین و کوئی چیز نہیں۔ حسن کا معیار ہی زندگی ہے اور زندگی کیا ہے۔ شاید تم نہ جانتے ہو۔“

”زندگی....!“ حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ”زندگی چاندی عورت کے سوا کچھ نہیں۔“

”تباہان کے کیڑے ہوتے ہو تم۔“ فریدی بُر اسامنہ بناتے بولا۔

”خیس اس سے بھی بدتر۔ اس کی بھی باداہ ضرور ہوتی ہو گی۔“

”دماغ مت چاٹو... سمجھے۔“ فریدی آنکھیں نکال کر بولا۔ ”میں تم سے ہزار بار کہ ہوں کہ شادی کرلو۔“

”تب تو میں اور زیادہ اُلو ہو جاؤں گا۔“

”جب پھر سردی کھائے ہوئے کتے کے پلوں کی طرح ٹیاؤں ٹیاؤں نہ کیا کرو۔ سمجھے۔“

حمدی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

کار گلی سے نکل کر دوسری سڑک پر آگئی تھی۔ زیادہ سے زیادہ رات کے آٹھ بجے ہو گے۔ موسم کافی خوش گوار تھا اور شہر کی سڑکوں پر روشن نظر آرہی تھیں۔

”حید....!“ فریدی نے ٹھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اس گروہ میں کوئی عورت بھی ہے۔“

”اگر ایسا ہے تو حمید.... ہے ہے اپنے سر پر جعلی نوٹوں کا بھوت سوار کر لوں گا۔ کیوں کہ آج کسی اندر ہے کونیں میں دھکیلے کا رادہ ہے۔“

”نہیں میں نہیک کہہ رہا ہوں۔ کل تم نے پیروں کے نشانات کی طرف وہیان نہیں دیا تھا۔ ان میں کسی عورت کے پیروں کے نشانات بھی تھے۔“

”بھلا کسی عورت کے پیروں کے نشان کی پہچان کیا ہے۔“

”اوچی ایڑی کے جوتے کا نشان۔ سول سے ایڑی کا فاصلہ اور دونوں کا تناسب۔“

”آہا خوب یاد آیا۔ آخر آپ وہ مشین اب تک کہاں چھپائے ہوئے تھے۔“

”مشین! ارے تو کیا تم نے اسے پہلے پہل دیکھا ہے۔“

”می ہاں۔“

”وہ تو ایک بہت ہی عام چیز ہے۔ انگلینڈ کی لا ببریوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ وہاں

”پپ... پریئی والا۔“ راجو پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتا ہوا بولنا۔
ٹیکسی بجل پڑی۔ فریدی کی کیڈی لاک اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

”تو کیا یہ پریئی والائیں رہتا ہے۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”وہاں تو بہت زیادہ لوگ رہتے ہیں۔“

”پتہ نہیں.... اس کی جائے قیام کا پتہ آج تک مجھے نہیں معلوم ہوسکا۔“

دونوں کاریں سڑک پر فرائے بھرتی رہیں۔ شاید میں منٹ بعد ٹیکسی پریئی والائے پہنچ گئی۔

فریدی نے بھی کیڈی تیس یا چالیس گز کے فاصلے پر روک دی اور خود نیچے اڑ بڑھنے لگا۔ انہوں نے ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھا جو پچھلی نشست کا دروازہ کھولے ہوئے آوازیں دے رہا تھا۔ اتنے میں فریدی اور حمید اس کے قریب پہنچ گئے۔

اس نے ان کی طرف مرکر بے بسی سے پوچھا۔ ”صاحب آپ ادھر ہی رہتے ہیں۔“
”ہاں کیوں....؟“

”یہ صاحب! پتہ نہیں کہ ہر رہتے ہیں۔ پی کر بے ہوش ہو گئے ہیں۔ اب میں انہیاں لے جاؤں۔“

”ذرالاندر کی لائسٹ جلو۔“ فریدی نے کہا۔ ”ممکن ہے ہم انہیں جانتے ہی ہوں۔ پھر سے انگریزی میں بولا اگر بے ہوش ہوا تو کیوں نہ ہم اسے اپنے ساتھ لے چلیں۔ کیا خیال۔

”یہ زیادہ اچھا ہو گا۔ میں آپ کا یہ طریقہ بہت پسند کرتا ہوں۔“
ڈرائیور نے اندر رونشی کر دی۔

”اوہ.... ہاں....!“ فریدی بولا۔ ”یہ تو میرا بڑوی ہے۔ اچھا میں اسے گھر پہنچا دوں فکر مت کرو۔ تمہارے پیسے کتنا بنے۔“

”میٹر دیکھ کر بتاتا ہوں۔“ ڈرائیور نے کہا اور میٹر پر جھک پڑا۔

فریدی نے بے ہوش راجو کو ٹیکسی سے نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھائے لیکن دوسرے ہی میں اس کے منہ سے تحریز دہ سی آواز نکلی۔

وہ چند لمحے اسی طرح بھکا کھڑا رہا۔ پھر حمید کی طرف مرکر آہستہ سے بولا۔ ”ا

”یا مطلب....!“
”میں کیا۔“

فریدی نے ڈرائیور کو مخاطب کر کے پر سکون لجھے میں کہا۔ ”یہ بے ہوش نہیں بلکہ مرد ہے۔“
”جی صاحب....!“ ڈرائیور بوکھلا کر دوچار قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”تم اسے کہاں سے لائے تھے۔“

”جس جاگہ.... میں.... میں.... لگکے کچھ نہیں جانتا۔“

”ہم جانتے ہیں کہ تم اسے آر لکھو سے لائے تھے۔ ڈرو نہیں۔ ہم پولیس کے آدمی ہیں۔ اچھا نہ پھر وہیں واپس چلو جہاں سے اسے لائے تھے۔“

ڈرائیور نہیں طرح کا نبض رہا تھا۔ فریدی نے حمید سے کہا کہ وہ کیڈی میں چلے اور خود ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔

”اوہ.... تم بہت گھرائے ہوئے ہو۔“ فریدی ڈرائیور کا شانہ تھکلتا ہوا بولا۔ ”اچھا دھر ہٹو
میں ڈرائیور کروں گا۔ کہیں ایکیڈیٹ نہ کر بیٹھو۔“

ڈرائیور دوسرا طرف ہٹک گیا۔ فریدی ڈرائیور کرنے لگا۔ آر لکھو کے چانک پر پہنچ کر سونے گاڑی روک دی اور نیچے نتر کر حمید بے بولا۔ ”ہیڈ ویٹر کو یہیں بلا لاؤ میرا نام لینا۔ وہ ہم سے بخوبی وافق ہے۔ میں اسے شہرت نہیں دینا چاہتا۔ سمجھے۔“

حمد تین یا چار منٹ بعد ہیڈ ویٹر کے ساتھ واپس آگیا۔ ہیڈ ویٹر کے چہرے پر سراسیکی تھی۔
”فریدی سے اچھی طرح واقع تھا اور جب اس نے ٹیکسی میں لاش دیکھی تو کاپ کر رہ گیا۔“

”تم اسے پہچانتے ہو۔ یہ یہیں سے اٹھ کر گیا تھا۔“ فریدی نے اس سے کہا۔

”تھی ہاں.... راجو صاحب ہمارے مستقل گاہک.... مگر....!“

”تم نے آج اسے دیکھا تھا۔“

”تھی ہاں....“

”اس کے ساتھ کون تھا....؟“

”ایک انگلکو انڈیں لڑکی جو غالباً پہلی بار ان کے ساتھ آئی تھی۔“

”کیا تم نے بھی اسے پہلی بار دیکھا تھا۔“

گریٹم نے بہت نہ اکیا۔ "سونیا کا پتی ہوئی میٹھ گئی۔"
"بکاں بند کرو۔" گریٹی بگڑ گیا۔ "آخر تم اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہو۔"
"اوه... تم... میں نے تمہارے کئی جرموں میں شرکت کی ہے۔ لیکن میں یہ سوچ بھی
بیکن تھی کہ تم مجھے ایسے کاموں میں بھی استعمال کرو گے۔ نہیں، نہیں یہ بہت نہ اے۔"
"اب اگر تم خاموش نہیں رہو گی تو تمہارا بھی سیکی انجام ہو گا۔... سمجھیں۔"
"آخر تم نے اسے کیوں ختم کر دیا۔"

"سنو گی... اچھا سنو! اگر وہ راستے سے نہ ہٹایا جاتا تو... اوه میں کیا بک رہا ہوں۔ دیکھو
کی! اپنے کام سے کام رکھو۔ گریٹی کے معاملات میں دخل اندازی کی سزا موت ہے۔ کس میں

نہ ہت ہے کہ وہ گریٹی سے کسی بات کا جواب طلب کر سکے۔"
"یہ تو نہ کہو...!" سونیا چڑ کر بولی۔ "اس انگریز کے بوٹ کی مٹی چانے سے فرمتے تو
س قدم کی باتمی کرنا اس کے سامنے ایک ذلیل سے گیدڑ نظر آتے ہو۔"

"شٹ اپ...!" گریٹی نے جھلا کر اس کے منہ پر ہاتھ مارا اور وہ کرسی سمیت الٹ گئی۔
وہ فرش پر پیٹھی پھوٹ پھوٹ کر روری ہی۔

گریٹی نے کھڑے ہو کر ناشتے کی میز پر ٹھوک رکھا۔ میز گری اور کرہ چینی کے برتوں کی
لکنک سے گون خان ٹھاکا۔

پھر وہ پیر پٹھا ہوا کمرے سے نکل گیا۔



فریدی اپنی تجربہ گاہ میں ایک شٹ ٹیوب پر جھکا ہوا ہلکے نیلے رنگ کے کسی سیال کا جائزہ لے
رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے شٹ ٹیوب کو ریک میں رکھ کر ایک طویل سانس لی اور نوکر کو
بلانے کے لئے تھنڈی بجائے لگا۔ نوکر کو آنے میں دیر نہیں گئی۔
"حمدیکو یہاں بھیج دو۔" اس نے نوکر سے کہا۔ "اور سیگار کا ذبہ لینے لگا۔"
نوکر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کئی رنگوں میں کپڑوں کی
تعداد جیسا تھیں۔

"جی ہاں... میرا خیال ہے کہ وہ یہاں کبھی نہیں آئی۔"
"اس کا حلیہ۔"

"یہ ذرا مشکل کام ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں کتنا مشغول رہتا ہوں۔ ویسے میرا ز
کہ وہ نارنجی رنگ کے اسکرت میں تھی اور یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ کافی دلکش تھی۔"
"اچھا تم... اس لاش کا نہ کرہ کسی سے نہیں کرو گے۔" فریدی پر رعب آواز میں بولے۔

بے رحم آدمی

دوسری صبح گریٹی اپنے کمرے میں ناشتہ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی اینگلو اٹریز
سونیا بھی تھی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آج کل تم کیا کر رہے ہو۔" سونیا بولی۔ "پچھلی رات راجو کا ز
کیا حشر ہوا ہو۔ نہ جانے بے چارہ کہاں جا کر بے ہوش ہوا ہو۔"

"بے ہوش...!" گریٹی مسکرا کر بولا۔ "وہ بے چارہ تو مر بھی گیا۔"
"میا مطلب...!" سونیا چائے کا گھونٹ لیتے لیتے رک گئی۔ پھر اس نے پیالی میز پر
گریٹی کے چہرے پر نظریں تھا دیں۔

"کیا کہہ رہے ہو...!" وہ آہتہ سے بولی۔
"ہاں... یہ اخبار دیکھو۔ پہلے ہی صفحے پر اس کی لاش کی تصویر موجود ہے.... ڈاکٹر

کہتا ہے کہ اس کی موت کسی قدم کے زہر سے واقع ہوئی ہے۔"
سونیا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ٹشک ہونٹوں پر

پھیر کر کچھ کہنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوئی۔

"کیوں! ارے یہ پیالی تو ختم کرو۔" گریٹی مسکرا کر بولا۔

"تو وہ زہر تھا۔" سونیا اس طرح بولی جیسے خواب میں برویزار ہی ہو۔ "وہ سفوف جسے تم
بے ہوش کی اوکھا تھا۔"

"چلو بیٹھ جاؤ...!" گریٹی نے اسامنہ بنا کر بولا۔ "یہ ایسچ نہیں میرا آفس ہے۔ ویسے
جاننا ہوں کہ تم ایک اچھی اداکارہ ہو۔"

”نارنجی رنگ کون ساہے۔“ اس نے آتے ہی ان دھیوں کو فریدی کے چہرے کے
کر بہلاتے ہوئے پوچھا۔

”کیوں...؟“

”اس کے اسکریٹ کارگنگ نارنجی ہی تو بتایا گیا تھا۔“

”وقت نہ برباد کرو۔“ فریدی کے لجھ میں تنخی تھی۔

”پھر بتلائیے کہ میں اسے کس طرح ملاش کروں۔“ بیڈ وینٹر نے یہ بھی بتایا تھا کہ

خوبصورت تھی۔ میں صحنے سے اس چکر میں ہوں کہ وہ نارنجی اسکریٹ میں کیسی لگتی ہو گی۔“

”سبحیدہ ہو جاؤ۔“ درستہ بہت بڑی طرح پیش آؤں گا۔“

”آپ پوری بات بھی سننے۔“ حمید ایک کر سی پر گرتا ہوا بولا۔

”بکواس بند کرو۔“ فریدی نے سگار سلاکا کر کہا۔ ”میں تمہیں ایک جگہ بھیجننا چاہتا ہوں۔“

”کافی ہاؤز کے علاوہ اور میں ہر جگہ جا سکتا ہوں۔ خواہ دہ جنم ہی کیوں نہ ہو۔“

”تمہیں لاشوں کے سوداگروں کی گمراہی کرنی ہے۔“

”لاشوں کے سوداگر۔ کیا آپ اس وقت الف لملی سے بول رہے ہیں۔“

”نہیں میں جیتا جا گئی دنیا سے بول رہا ہوں فرزند۔ یہ بھی ایک عجیب سالطینہ ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”وہ لاشوں کے سوداگر ہیں۔ علائیہ لاشیں فروخت کرتے ہیں۔“

”اور میں ان کی گمراہی کے لئے مقرر کیا جا رہا ہوں۔“

”ہاں ہاں! تمہیں حیرت کیوں ہے۔“

”حیرت ویرت کچھ بھی نہیں۔ جب آپ جیسے آدمی کا ساتھ ہو تو تحریر ہوتا وقت کی برباد

کے علاوہ اور کچھ نہیں۔“

”سمجھ دار آدمی ہو۔“ فریدی مکرا کر بولا۔

”حمید کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔“

”صاحب! وہ کہتا ہے کہ میں ملے بغیر نہ جاؤں گا۔“ اس نے کہا۔

”کیا...!“ فریدی اسے گھورنے لگا۔ ”کون کہتا ہے۔“

”ایک آدمی جو صورت سے شریف نہیں معلوم ہوتا۔“

”حمد تھیہ لگا کر بولا۔“ سنا آپ نے۔ ابھی کیا ہے۔ اگر اس گھر کے کھلی اور محبر بھی سراغ
نہ ہو جائیں تو نام بدل دوں گا۔“

”نہیں کپتان صاحب! آپ خود دیکھ لیجئے۔ وہ مجھے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔“ نوکر

لہا۔ سارے نوکر اسے کپتان صاحب کہنے لگے تھے اور یہ اسی کی ایسا پر ہوا تھا اگر کوئی اسے
گھر کے مکر سے نوکر اسے کپتان صاحب کہنے لگے تھے اور یہ اسی کی ایسا پر ہوا تھا اگر کوئی اسے
ن ”صاحب“ کہہ کر مخالف کرتا تو دوسرا سے ہی لمحے میں اسے اس کی انگلیاں اپنی گردن میں
تھیں ہوتی ہوئی محسوس ہوتیں اور پھر جب تک وہ کپتان صاحب کا نعرہ مار کر اپنی غلطی پر نادم نہ
بنا سکے اپنی گردن چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

”ہوں....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اچھا... چلو میں آرہا ہوں۔“

”وہ دونوں نیچے آئے۔ حمید کا ذہن لاشوں کے سوداگروں میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اور فریدی
ان کے متعلق جس قسم کے لجھ میں گفتگو کی تھی اُسے وہ محض مذاق سمجھنے کے لئے تیار نہیں
ہو رہا تھا۔ روم میں اسے ایک ایسا آدمی نظر آیا تھے وہ بارہا کیچھ پکا تھا۔ شہر کے ان غندوں میں
کاشاڑ تھا جو عام آدمیوں میں خود کو اعلیٰ سوسائٹی کے افراد ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے
ن ان کی اصل حرکات سے صرف سمجھے سراغ رسائی ہی واقع تھا۔

”کیوں رچاں یہاں کیسے؟“ فریدی اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”میں ایک بہت ہی اہم اطلاع کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔ ایسی اطلاع ہے کہ آپ ہر حال میں پسند
ہیں گے۔ میں نے ابھی ابھی اخبار میں راجو کی تصویر دیکھی ہے۔“

”میں ایک اہم اطلاع ہے؟“ حمید نے تمثیل آمیز حیرت کا اظہار کیا۔

”آپ نہیں سمجھے جناب۔“ رچاں بولا۔ ”وہ اطلاع راجو کی موت کے سلسلے میں ہے۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی صوفے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”میں جانتا ہوں کہ اس کی موت میں کس کا ہاتھ ہے۔“ رچاں نے بیٹھنے ہوئے کہا۔

”ہوں.... کہتے چلو۔“ فریدی بولا۔

”اس کی موت میں گریٹی کا ہاتھ ہے۔“

راجوں بھی گئے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ گریٹی نے پانی سر سے اونچا ہوتے دیکھ کر اسے ختم ہی کر دیا ہو۔

”تم نے انہیں ڈھال دیکھا تھا۔“

”آر لکچو میں۔“

”یعنی تم راجو کی روائی تک آر لکچو میں رہے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میں نہیں... میں ان کے جانے سے پہلے ہی اٹھ گیا تھا۔“

”اپھا وہاں گریٹی کا بھی کوئی آدمی موجود تھا۔“

”میں دو ثوپ سے نہیں کہہ سکتا۔“

”دونوں کے مل بیٹھنے کا انداز کیا تھا۔“

”جیسی اگریز... انہیں جھرت اگریز جتاب میں نے اسی سو نیا کا بر تاؤ راجو کے ساتھ گریٹی کے شراب خانے میں بھی دیکھا ہے۔ وہ اسے کبھی منہ نہیں لگاتی تھی وہ اگر اس سے گفتگو بھی کرنا ہتا تھا تو اس کی بھنوں تین جاتی تھیں۔ لیکن کل شام کو سو نیا اس سے اس طرح بہس کر نہیں کر رہی تھی اور اس کے انداز میں اتنی لگادت تھی کہ دوسرے لوگ اسے راجو کی بیوی یا بوبھی سمجھتے ہوں گے۔“

”ہوں... تم وہاں سے کس وقت اٹھے تھے۔“

”شاند ساڑھے سات رہے ہوں گے۔“

”ٹیک... اچھا...!“ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ تھوڑی دیر خاموشی سے بیٹھا رہے کے بعد مانے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”اچھار چال اس اطلاع کا شکریہ میں تمہاری فراہم کردہ لمحات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔“

رجپال کے چلے جانے کے بعد کافی دیر تک فریدی خاموشی سے بیٹھا رہا۔

لاشوں کے سوداگر ڈالی بات اب بھی حمید کے ذہن میں کھنک رہی تھی۔

”اب مجھے خواہ خواہ بھجا یاں تکچھ۔“ اس نے تکچھ اکر کہا۔

”کیا...؟“ فریدی اس طرح جو نکاچیے اسے وہاں اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔

”لاشوں کے سوداگر...!“ حمید کر سی کے ہتھ پر باتھ مار کر بولا۔

”بہت خوب....!“ فریدی مسکرایا۔ ”کیا آج کل اس سے جھٹکا ہو گیا ہے۔“

”دیکھئے آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں اسے خواہ خواہ پہنچوانا چاہتا ہوں۔ لیکن ہاں تھے اعتراف ہے کہ اس سے میرا جمال ہی میں جھٹکا ہوا ہے اور یہ میرا جذبہ انتقام ہے جو مجھے یہاں لایا ہے۔ لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ محض میری جھلاہست نہیں ہے بلکہ اس میں حقیقت دخل ہے۔“

”جھگڑا کیوں ہوا تھا۔“ فریدی نے اسے ٹوٹنے والی نظر دوں سے دیکھ کر پوچھا۔

”اس نے میری سخت توہین کی تھی۔ آپ یقین نہ کریں گے۔ ایک معمولی کی بات نے میرے کپڑے اتردا کر مجھے اپنے شراب خانے سے نکلوادیا تھا۔“

”کمال ہے میں تمہیں اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”جب تین تین ریو الور نکل آئیں تو ایک نہتہ آدمی کیا کر سکتا ہے۔“

”کچھ دیر خاموشی رہی۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی نظر رجال کے چہرے پر تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”آخر تم کس بناء پر گریٹی کو راجو کا قاتل نہmerات ہو۔“

”دیکھئے میں بتاتا ہوں۔ گریٹی کی ایک داشتہ ہے۔ سو نیا وہ اس کے شراب خانے میں باہ کے فرائض بھی انجام دیتی ہے۔ گریٹی اس پر کڑی نظر رکھتا ہے اور وہ جب بھی باہر نکلتی ہے اُس کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں نے کبھی اسے نہ قہادہ کیا کہا اور نہ بیکی دیکھا کہ وہ گریٹی کے علاوہ اور کے ساتھ ہو۔ لیکن کل شام وہ مجھے راجو کے ساتھ نظر آئی تھی۔“

”کس لباس میں تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”اسکرٹ میں... وہ انگلو اٹھین ہے۔“

”اسکرٹ کارگ کیا تھا۔“

”تار بھی...!“

”لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ تمہیں اسے کسی دوسرے کے ساتھ دیکھنے کا اتفاق ہی نہ ہوا ہو۔“

”جی ہاں ممکن ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ راجو اس پر نبُری طرح مر تھا اور اس نے کیا۔ اس پر ڈورے ڈالنے کی بھی کوشش کی تھی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں اکثر گریٹی اس

”فی الحال اسے بھول جاؤ۔۔۔ میں راجو کے متعلق سوچ رہا تھا۔“

”اچھا تو وہی بتائیے۔۔۔ کچھ بولئے بھی تو۔ آپ کو خاموش دیکھ کر میری اپنی آواز حلقہ پھنسنے لگتی ہے۔“

فریدی صرف مسکرا کر رہا گیا۔

”راجو کے قتل کو دھیشتوں سے دیکھنا ہے۔“ فریدی نے سگار سلاک کر صوفے کی پشتی میک لگاتے ہوئے کہہا۔ پہلی حیثیت تو یہ ہے کہ وہ جعلی کرنی بنانے کے سلسلے میں مشتبہ تھا۔ تعاقب کرتے کرتے میں اس عمارت تک پہنچا تھا اور وہاں جو کچھ بھی پیش آیا اس سے تم واقعہ اور شائد تم نے ہی یہ بات کہی تھی کہ مجرم ہماری طرف سے خاص طور پر ہوشیار ہیں اگر یہ ہے تب تو راجو کا قتل اسی سلسلے میں ہوا ہے۔ یعنی ان لوگوں کی نشاندہی کرنے والا ہمارے سے ہٹادیا گیا۔۔۔ دوسرا حیثیت۔۔۔ وہ گریٹی کی محبوبہ کا عاشق تھا۔“

”ذر اٹھر ہے۔۔۔ کیا آپ کو رچال کی بات پر یقین ہے۔“ حمید بولا۔

”کیوں۔۔۔ میرا خیال ہے کہ یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ یہ حقیقت۔“

گریٹی نے اسے اپنے شراب خانے میں سب کے سامنے ذمیل کیا تھا۔“

”آپ کیا جانیں۔“

”بالکل غیر ضروری سوال ہے۔ دو خطرناک قسم کے بدمعاشوں میں جھگڑا ہو اور اس اگھے تک نہ پہنچ۔“

”خیر اچھا۔۔۔ آپ دوسرا حیثیت کا جائزہ لے رہے تھے؟“

”دوسرا حیثیت میں کچھ دشواریاں ہیں۔ اگر راجو کا قتل رقبات کے سلسلے میں ہوا تھا کیونکہ اسی نہیں کہ اس پر یقین کیا جاسکے جس کے لئے قتل کے بھی امکانات ہو سکتے ہیں خود اس کے ساتھ تھی۔“

”میں اس پر یقین نہیں کر سکتا۔“

”اگر یقین نہیں کر سکتے تو کھڑے ہو جاؤ۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”میں آر لکچو کے ہیڈ ویٹر کو فون کر رہا ہوں۔ اسے ساتھ لے کر گریٹی کے شراب

”جاو۔“

”میں جا رہا ہوں۔ فون کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”تم سمجھے نہیں۔ میں اس سے کہوں گا کہ وہ گاہک بن کر وہاں جائے کچھ شراب خریدے اور باہر آکر تمہیں اطلاع دے اور وہاں تم پس منظر ہی میں رہو گے۔“

”کیوں؟ میرے خیال سے اسکی ضرورت ہی نہیں۔ ہم براہ راست گریٹی سے ٹھنڈا کریں۔“

”نہیں معاملات کو خراب نہ کرو۔ وہ بڑا چالاک ہے۔ مجھے تواب بھی تو قع نہیں ہے کہ وہ وہاں موجود ہو۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”میں نے کہنا کہ۔۔۔ گریٹی کافی چالاک ہے۔“



گریٹی اپنے کمرے میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا سامنے میز پر وہ سکی کی بو تل اور سائیفن رکھتے تھے۔ گلاں آدمی سے زیادہ خالی تھا اور ایش، ترے پر رکھا ہوا سگریٹ آدمی سے زیادہ جمل ا۔

اچانک سونیا بوكھلائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ گریٹی نے اخبار سے نظر ہٹا کر اس کی دیکھاںک نہیں۔

”کیا ہے۔۔۔؟“ اس نے بدستور اخبار پر نظر جائے ہوئے پوچھا۔

”گریٹی ڈیڑر۔۔۔ ابھی یہاں آر لکچو کا ہیڈ ویٹر آیا تھا۔ اس نے اسکاچ کی دو بو تلیں خریدیں گیا۔“ سونیا نے کہا۔

”تمہارا ماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“ گریٹی اخبار سے نظر ہٹا کر اسے گھوڑتا ہوا بولا۔

سونیا شاید کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ لیکن گریٹی نے اسے بولنے کا موقع نہ دیا۔ وہ اس پر برس پڑا۔ تم خواہ خواہ منجھے پور کرتی ہو۔ بھلاکیہ بھی کوئی ایسی بات تھی اگر وہ دو بو تلیں خرید کر لے تو۔۔۔!

”غماٹا چوک کر کھڑا ہو گیا اور اس نے تیزی سے پوچھا ”کون تھا۔“

”اکر لکچو کا ہیڈ ویٹر۔“

”یہاں سے خرید کر لے گیا ہے۔“
”ہاں...!“
”کتنی دیر ہوئی۔“

”بیسے ہی وہ باہر گیا، ادھر چلی آئی۔“
”اللہ...! لارڈ...! تم بالکل گدھی ہو تو میں آر لکھو کا انتخاب کر کے سخت غلطی کی
اسے کسی غیر معروف جگہ لے جانا تھا۔“

”ہوں....!“ سو نیادات پیس کر بولی۔ ”اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اسے میں زبرد
ہوں تو میں بھی اسی کے ساتھ جہنم میں چل جاتی۔“

”بکواس بند کرو....!“ گریٹی نے گرج کر کہا۔

”تم کتے ہو۔ تم نے مجھے دھو کا دیا۔ سو نیا بھی اسی طرح گرجی۔“

دفعتاً گریٹی نرم پڑ گیا۔ اس نے مسکرا کر اس کے گال پر تھکی دی اور آہستہ سے بولا۔

چپ جانا چاہئے ڈار لنگ ورنہ تمہارا گریٹی بڑی مشکلات میں پھنس جائے گا۔“

”نہیں میں ہرگز نہیں چھپوں گی۔“ سو نیا کے لجھ میں بھی تلخی باقی تھی۔

”پاگل نہ نو میری نہیں ڈار لنگ۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر
گھیٹ لے گیا۔

وہ دونوں ایک نیم تاریک سی راہداری طے کر رہے تھے۔ سو نیا بظاہر احتجاج کر رہی
انداز سے ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ جانے پر تیار نہ ہو۔

اچانک ایک جگہ رک کر گریٹی نے اس کی گردن دیوچ لی۔ ایک ہاتھ سے وہ اس کا ان
ہوئے تھا اور دوسرے ہاتھ سے گلا گھونٹ رہا تھا۔ سو نیا بڑی طرح چل رہی تھی۔ لیکن!

گریٹی کی فولادی گرفت سے نہ نکال سکی۔

تھوڑی دیر بعد وہ راہداری میں بے جان پڑی تھی اور گریٹی گٹر کا ڈھکنا اٹھارا تھا۔
پھر بُشاندی پانچ منٹ کے اندر ہی اندر سو نیا کی لاش گٹر میں ڈال دی گئی۔

چھان نین

اس وقت شراب خانہ بالکل خالی تھا۔ گریٹی کے ساتھی بھی موجود نہیں تھے وہ سو نیا کو
ملانے لگا کہ شراب خانے میں واپس آیا اور پھر صدر دروازہ بند ہی کرنے جا رہا تھا کہ فریدی اور
یہد اغل ہوئے۔ گریٹی گڑبرا کر چیچھے ہٹ گیا۔ لیکن پھر اس نے حیرت انگیز طریقہ پر اپنی
ات سنjal لی۔

”اوہ.... کر قل صاحب۔“ وہ اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں مسکرا لیا۔ ”فرمایے میرے لائق
لی خدمت....!“

فریدی بھی جواباً مسکرا لیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ تیز نظر وہی سے شراب خانے کا جائزہ لے رہا تھا۔
گریٹی کا چہرہ زرد پڑنے لگا تھا۔ لیکن وہ اس وقت اپنے ذہن سے لٹر رہا تھا۔
”میں سو نیا سے ملتا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں.... کس لئے بھلا آپ کو میری محبوہ سے کیا سر دکار۔“
”یونہی اس سے کچھ پوچھنا ہے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔“
”کیا کچھ دیر قبل موجود تھی۔“

”تھی نہیں اور صبح یہی سے کہیں گئی ہوئی ہے۔“
”کس کے ساتھ....!“

”ساتھ سے کیا مراد ہے آپ کی۔“

”تم ساتھ کا مطلب نہیں سمجھے۔“ حید نے پوچھا۔

”نہیں یہ بات نہیں۔ میں لفظ ”ساتھ“ کی اہمیت سمجھنا چاہتا ہوں۔“

”اہمیت یہ ہے کہ وہ باہر عموماً تمہارے ہی ساتھ دیکھی جاتی ہے۔ باہر کسی نے اسے کبھی تھا
اویکھا۔“

”آپ اس سے کیا پوچھیں گے۔“ گریٹی نے ذرا گرم ہو کر پوچھا۔

”لیکن پوچھوں گا کہ اس وقت یہاں آر لکھو کا ہیں دیڑ کیوں آیا تھا۔“

گریٹی نے اپنی حالت پر اس وقت قابو پایا تھا اس لئے اس پر اس جملے کا کوئی خاص اثر نہیں
”مجھے افسوس ہے کہ وہ اس طرح موجود نہیں۔ ویسے آپ تشریف رکھئے۔ آڑہ
بہت تیز ہے۔ آپ کے لئے کیا تیار کروں۔ میں ہترین قسم کی شرائیں اپنے اتناک:
ہوں۔“

”میں شراب نہیں پیتا۔ لیکن کیا تم یہاں اس وقت تھا ہی ہو۔“

”جی ہاں۔۔۔ مگر آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔“

”لکن دیر سے تھا ہو۔“

”میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔“

”میں تمہیں اس پر مجبور بھی کر سکتا ہوں۔“ فریدی نے خشک لبھ میں کہا۔

”آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔“

”اپنے سوالات کے جواب۔“

”سوالات کا مقصد ہے۔“

”مقصد سے سردا رہنے ہونا چاہئے۔“

”میں سمجھ گیا۔ شاید کسی دشمن نے میرے خلاف آپ کے کان بھرے ہیں۔“

”میرے سوال کا جواب دو۔“ فریدی نے تیز لبھ میں کہا۔ ”تم یہاں لکن دیر سے تھا۔“

”میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔ کیونکہ صبح سے اب تک کئی گاہک آپکے ہیں۔“

”گاہکوں کے علاوہ۔“

”گاہکوں کے علاوہ۔۔۔ تب تو میں تھا ہی ہوں۔“

”لیکن تمہاری قمیں کے کار پر لپ اسک کا برا سادھب ہے جو غالباً تازہ ہی ہے۔“

گریٹی نے بوکھلا کر اپنے کار پر ہاتھ پھیر اور پھر انگلیوں کو دیکھنے لگا۔ مگر اس کا ذہن:
خند۔ لہذا اس غیر متوقع جملے کا بھی اس پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔

اس نے ایک ہلکا ساقہ تھہ لگا کر فریدی سے کہا۔ ”اوہ۔۔۔ تو اب آپ میری نئی
کریڈیں گے۔“

”نہیں میں صرف یہ پوچھوں گا کہ وہ عورت سونیا کے علاوہ اور کون تھی۔“

گریٹی جھپٹی ہوئی کی ہنسی نہ رہا تھا چند لمحے بعد اس نے کہا۔ ”میکھے خدار اسونیا سے اس کا
ذکر نہ کیجئے گا۔ جی ہاں ابھی یہاں ایک عورت تھی اور محض اس کے لئے میں نے آج سونیا کو تھا
اہر جانے دیا تھا۔“

”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔!“ فریدی جواباً مسکرا یا۔ چند لمحے میں خیز انداز میں سر ہلاتا رہا پھر بولا۔۔۔
چلو مجھے اسی عورت سے ملاو۔۔۔“

”شاید آپ آج مذاق کے موڈیں ہیں۔ لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی آپ کے
اتھ آداب کی حدود سے تجاوز کیا ہو۔“

”نہیں گریٹی میں سنجیدہ ہوں۔ میں اس دوسری عورت سے بھی ملنا ضروری سمجھتا ہوں۔“

”سب تو آپ کو یادی ہو گی۔ کیونکہ تھوڑی دیر قبل یہی وہ یہاں سے گئی ہے۔“

”کس راستے سے۔“

”اسی سے۔“ گریٹی نے صدر دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔

”انداز تھی دیر قبل۔“

”ایک گھنٹہ قبل۔“

”ابھی تم نے ایک گاہک کے ہاتھ اسکاچ کی بو تلیں فروخت کی تھیں۔“

”جی ہاں۔۔۔!“

”خود تم نے یا کسی اور نہ۔“

”میں عرض کر کچا ہوں کہ یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔“

”کیا تم اس گاہک کو بچانتے ہو۔“

”تم یہاں اوہ آر لکھو کا ہیدو میٹھا۔“

”وہ دوسری عورت اس آدمی کے آنے کے بعد گئی تھی۔“

”میں نہیں پہلے ہی۔“

”میکھن وہ تو کہتا ہے کہ اینگلو اٹھین لڑکی نے اس کے ہاتھ بو تلیں فروخت کیں۔“

”تب مجھ کہنے دیجئے کہ وہ پاکا جھوٹا ہے۔“

”گریٹی بکھار نہ کرو۔ تمہاری فروخت کردہ بو تلیں میرے پاس ہیں اور ان پر سونیا کی

اگلیوں کے نشانات محفوظ ہیں۔

"ضرور ہوں گے۔" گریٹی نے سرہلا کر کہا۔ "شراب خانے کی مہتمم دھی ہے۔ سینکڑوں بار اس کے ہاتھ بُر تکوں پر پڑتے ہیں۔ مگر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ کھل کر کچھ مجھے الجھن میں نہ ڈالنے۔ آبکل میرا دل نہت کزور ہو گیا ہے۔ ذرا سی الجھن میں ہار جو گاتا ہے۔"

"تیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سونیا پولیس کی نظر وہ میں مشتبہ ہے اسے فوراً میرے سارے ہیئت ویژر کو اسے شراب دی تھی اور پھر اس کے بعد وہ باہر نہیں نکلی۔"

"پھر میں آپ کو یقین بھی نہیں دلا سکتا۔" گریٹی نے لاپرواں سے کہا۔

"نہیں کوشش کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ممکن ہے مجھے یقین آئی جائے۔" بہتر صورت ہی ہو گی کہ تم سوتیا کو میرے سامنے لاو۔"

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ پولیس اسے کیوں چاہتی ہے۔"

"راجو کی موت کے سلسلے میں۔"

"اوہ.... تو یہ بات ہے۔" گریٹی طویل سانس لے کر بولا۔ "میں پہلے ہی سمجھ گیا تو پر ضرور آفت آئے گی۔"

"کیوں؟ تم یہ کیوں سمجھتے تھے۔"

"حالات.... کرتیں صاحب حالات۔" گریٹی الفاظ پر زور دیتا ہوا بولا۔ پھر اس نے آپ لوگ کب تک یونہی کھڑے رہیں گے۔ آئیے ادھر آئیے۔"

گریٹی انہیں اپنے کمرے میں لایا۔

"میں آپ کو بتاؤں۔" اس نے میز کے کونے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "راجو میرا رقبہ ہی کے سلسلے میں میرا اس سے کئی بار چکرا ہو چکا تھا۔"

"سونیا بھی غالباً اس کی طرف جھک رہی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں جتاب اسے تو اس کی صورت سے نفرت تھی۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی وہ کل آٹھ بجے رات تک راجو کے ساتھ رہنی تھی۔"

"بہتان ہے... الزام ہے۔" گریٹی بھڑک کر کھڑا ہو گیا۔ "یہ ناممکن ہے۔ اگر"

نمبر 15

خود سمجھنے کے لئے تیار ہوں۔ میری عورت اور کسی دوسرے کے پاس چل جائے۔"

"میاواہ کل شام کو یہاں تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"می ہاں... وہ سینما گئی تھی۔"

"تم بھی ساتھ تھے۔"

"نہیں.... کل بھی میں نے اسے تہاہی جانے کی اجازت دے دی تھی۔"

"میا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے تمہاری بکواس پر یقین آگیا ہو گا۔"

"اگر نہیں آیا تو میں اسے اپنی بد قسم سمجھتا ہوں۔ بہر حال شاہد اب آپ کسی دشمن کی ریش

خون کی بناء پر یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں نے ہی راجو کو زہر دلوایا ہے اور اسی سے دلوایا ہے۔ جس

لئے ہم دونوں میں رنجش ہو گئی تھی۔ واقعی اگر آپ یہی سوچتے ہیں تو یہ اپنی نو عیت کا واحد

ہو گا۔ اس پر سے دوسری عجیب بات یہ کہ میں نے اس کے لئے آر لکھو کا انتخاب کیا۔ گویا

وہ دوستہ اپنی گردن میں چھانٹی کا پھندداڑا۔ کیوں جتاب کیا آپ گریٹی کو اتنا بد ہو سمجھتے ہیں۔

ایہ نہیں کہتا کہ میرا دامن جرام سے پاک ہے لیکن میں کبھی کچا کام نہیں کرتا کرتی صاحب۔"

"تمہارے دلائل تو واقعی کچے نہیں معلوم ہوتے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اور اسی سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ کام بھی کچے پن کے ساتھ نہیں ہوا لیکن گریٹی

اس وقت اس عمارت کی تلاشی ضرور ہوں گا۔"

"تلاشی کا دارانت ہے آپ کے پاس۔" گریٹی نے بر جستہ پوچھا۔

"نہیں....!"

"تب تو آپ ہرگز نہیں لے سکتے تلاشی۔"

"مجھے کون روکے گا۔"

"قانون.... میں آپ پر مداخلت بیجا کا مقدمہ قائم کر دوں گا۔"

"اگر اتنی مہلت ملے تو ایسا ضرور کرنا۔"

"نہیں آپ تلاشی نہیں لے سکتے۔" گریٹی پھر کھڑا ہو گیا۔

"حمد" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ حمید اس کا مطلب سمجھ گیا۔

چلو... ادھر بیٹھ جاؤ۔ حمید نے جیب سے روپ اور نکال کر اس کا رخ گریٹی کی طرف کرتے

ہوئے کہا۔

"ہاں تم چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے زم لجھ میں کہا۔ "ورنہ اگر حمید کر مارے بھی گئے تو ہمیں صرف ایک تحریری بیان دینا پڑے گا اور بس۔"

"یہ کیا آپ میرے ساتھ شرافت کا برداشت کر رہے ہیں۔ جب قانون کے محافظہ اور حاصلیاں کرنے لگیں تو پھر بے چارے قانون کا کیا بنتے گا۔" گریٹی کے لجھ میں بڑی تحریری اس کی بات کا جواب دیئے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

"بیٹھ جاؤ گریٹی۔" حمید نے روپور کی نال سے کری کی طرف اشارہ کیا۔

گریٹی لاپرواں سے ایک صوفی میں گرتا ہوا بولا۔ "مجھے بہت صدمہ ہے۔ کپتان م آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ لوگوں سے ہاتھ پائی کروں گا آپ نہیں جانتے کہ میں کتنی کی تکنی عزت کرتا ہوں۔ میں نے تو یہ چاہا تھا کہ تھوڑی مہلت مل جائے۔ جب تک آپ وارث حاصل کریں میں شراب کا وہ ذخیرہ ہی باں سے ہٹادوں جسے میں نے غیر قانونی طور پر چھوڑا ہے۔ اب یہ ہو گا کہ خواہ گواہ دو چاروں حوالات کی سیر کرنی پڑے گی۔"

"شراب دراب سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ پولیس والوں کا کام ہے۔"

"اوہ کپتان صاحب بہت بہت شکری۔ فی الحال میں آپ کی خدمت میں صرف وہ حفیتر رقم پیش کر سکتا ہوں۔ ویسے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ آپ لوگوں کی خدمت کرتا رہا۔" اچھا تو کیا اب فریدی اور حمید بھی رشوت لینے لگے ہیں۔ یہ نئی اطلاع ہے۔" حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ارے.... نہیں.... یہ رشوت نہیں بلکہ نذر انہے۔"

اسنے میں فریدی واپس آگیا۔ اس کے چہرے پر جنم جلاہست کے آثار تھے۔ اس نے گر گورتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا اور حمید کو واپس چلنے کا اشارہ کر کرے سے نکل گیا۔ مگر گریٹی ان دونوں کو رخصت کرنے کے لئے صدر دروازے تک آیا اور پھر جب دہانہ رہے تھے تو اس نے تحریر آمیز انداز میں کہا۔ "دوسرا بار تلاشی کا وارث لانا نہ بھولے گا۔"



فریدی تھوڑی دور چلنے کے بعد رک کر بولا۔

"حمدی! مجھے اپنی یہ حادثت بھی زندگی بمیریا رہے گی۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"مجھے آر لکھوں کے ہیئت دیش کو دہاں نہ بھیجننا چاہئے تھا۔"

"میا آپ نے اچھی طرح تلاشی نہیں تھی۔"

"مجھے یقین ہے کہ میں نے عمارت کا گوشہ گوشہ دیکھ دیا ہے۔"

"کوئی دوسرا راستہ جس سے وہ باہر جاسکے۔"

"نہیں.... کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں۔"

"تہہ خانے....!"

"ہو سکتا ہے۔"

"تب تو آپ کو دہاں سے آتا ہے چاہئے تھا۔"

"ٹھیک ہے! لیکن میں فی الحال اس معاملے کو طول نہیں دینا چاہتا۔ ورنہ جعلی کرنی والا ایس چوپٹ ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ کسی انتہائی منظم ایکیم کے تحت ہو رہا ہے میں ایک بات اور سوچ رہا ہوں گہنیں گریٹی نے اس لڑکی کو ختم ہی نہ کر دیا ہو۔"

"لیکن لاش تو ملتی ہی۔" حمید نے کہا۔

"نہیں ٹھہرو۔ اسے تم تسلیم کرتے ہو کہ ہیئت دیش جھوٹ نہیں بولتا۔"

"قلعی....!"

"اس نے لڑکی ہی سے شراب خریدی تھی لیکن گریٹی بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اسے جھوٹ ثابت کر رہا ہے۔ ساتھ ہی اس کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ وہ پچھلی شام تین چار گھنٹے غائب رہی تھی۔ جانتے ہو اس کا کیا مطلب ہوا۔ یعنی وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ لڑکی اس جرم میں شریک نہیں ہے۔"

"تو آپ اس سے کیا مطلب اخذ کرتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"تیکا کہ وہ ہاتھ سے گئی۔" فریدی مضطرب رہا انداز میں بولا۔ "اگر وہ ہمیں نہ ملی تو گریٹی اپنی کردار ملکی ہو۔ اور پھر پولیس ایک مفترور ملزمہ کو تلاش کرتی پھرے گی۔ نہیں حمید صاحب وہ ختم

وایسی پر اچاک فریدی رہداری میں ایک جگہ رک گیا۔ اس کی نظر گز کے ڈھکن پر جمی ہوئی تھی۔
”آج جاتتوں کا دن ہے حمید۔“ وہ آہستہ سے بڑا لیا۔

”میوں؟ اب کیا ہوا؟...؟“

فریدی گز کے ڈھکن کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”بھلا اس سے بہتر اور کیا صورت رہی گی۔“

سڑک کا ڈھکن اٹھوانے سے پہلے فریدی نے قرب و جوار کا گھر جائزہ لیا۔

”صنائی پر بھکی ہے.... یقیناً یہاں کی صنائی ہوئی ہے۔ ورنہ ڈھکن گرد آکوڈ ہوتا۔ ہم نے نے اس کا سروچن دیتا تھا حمید صاحب یہ حادثت نہیں بھریا در ہے گی۔ کاش ہم اسے یہاں تھاہنہ دلتے۔ وہ اسی وقت انسے ٹھکانے ہی اکا کر واپس آیا تھا اور میں نے بھی پہلی بار تلاشی کے ران میں اس گٹو کو نظر انداز کر دیا تھا۔“

گٹو کا ڈھکن اٹھایا گیا۔ بدبو سے ان کے دماغ پھنسنے لگے۔ تیز رفتار گندے پانی کی آواز انہیں سناؤ دے رہی تھی۔ نارچ کی روشنی اندر ڈالی گئی لیکن بے سود تیزی سے بہنے والے گندے پانی کے علاوہ انہیں اور پکھنہ دکھائی دیا۔

وہ پھر اس کمرے میں واپس آگئے۔ یہاں گریٹی رہتا تھا۔ یہاں فریدی نے وہ قمیض برآمد کر لی جس کے کارپر لپ اسٹک کا بڑا سادھہ دیکھا تھا۔ پھر وہ کمرے کی دوسری اشیاء کا جائزہ لینے کے سلسلے میں ویسیں کاسامان لئنے پلٹنے لگا۔

”حمد صاحب“ وہ تھوڑی دیر بعد ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”پھر وہی لاشوں کے سوڈاگر“
”لاشوں کے سوڈاگر....!“ حمید نے حیرت سے دہرا لیا۔

”ہاں....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اس کے ہاتھ میں کانٹہ کا ایک نکلا تھا جس پر مصر کے ٹوپے ابوالہول کی چھوٹی سی تصویر تھی۔

فرعون کی روح

شام خونگوار تھی۔ دن بھر تیزدھوپ ہونے کے بعد مطلع ابر آکوڈ ہو گیا تھا اور ہوا میں خنک بیٹا ہو گئی تھی۔ اور حمید کی کھوپڑی میں عجیب قسم کی سر راہیں پرورش پار ہی تھیں.... اس

کر دی گئی۔ گریٹی کی بچت اسی میں ہو سکتی تھی کہ لڑکی اقبال جرم نہ کرے۔
”مگر لاش کیا ہوئی اس کی۔“

”ہو سکتا ہے کہ گودام کے کسی بورے میں ٹھونس دی گئی ہو۔ مجھے ایک زندہ تلاش تھی مردہ کی نہیں۔ اسی کی مناسبت سے میں نے چلاشی بھی کی تھی۔ اچھا تم یہ دروازے کی کڑی نگرانی کرتا۔ میں پر نشن کے تھانے کو فون کر کے فورس منگوٹا ہو۔ عمارت کے فرش کا پلاسٹر اکھڑا دوں گا۔“

فریدی تریب ہی کی ایک دکان میں گھس گیا۔ غالباً وہاں فون کرنے کے لئے گیا تھا حمید کی نظر شراب خانے کے دروازے کی طرف تھی لیکن وہ بند تھا۔ کھڑکیاں کر دی گئی تھیں۔

پر نشن کے تھانے سے فورس کے آنے میں دیر نہیں گئی۔ شاندہ انہیں دس یا پانچ تک انتظار کرنا پڑا تھا۔ شراب خانے کا دروازہ بدستور بند تھا۔ دروازے پر دستک دی گئی۔ دروازہ کھلا۔ گریٹی کی ٹکل دکھائی دی وہاں اپنا پچھلا بیس تبدیل کر چکا تھا۔

”کیوں کیا بات ہے۔“ اس نے پولیس والوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
”تلاشی....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”تلاشی کا دراٹ۔“ گریٹی نے بھی اسی انداز میں دہرا لیا۔
”تھکڑیاں لگادو اس کے۔“ فریدی بنے پر نشن کے تھانے کے انچارج سے کہا۔

”آخر میری خط سر کار۔“ گریٹی طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔
”تم ایک ایسی عورت کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہو جو زہر خورانی کے ایک کیس کے میں مطلوب ہے۔“

”اچھا.... آپ کی مرضی۔ ویسے میں کسی ایسی عورت سے واقف نہیں۔“
گریٹی کے تھکڑیاں لگادی گئیں اور اس نے اس پر ذرہ برا برا بھی احتجاج نہ کیا۔
تلاشی شروع ہو گئی۔ فریدی نے گودام میں رکھا ہوا ایک ایک بورا کھلوادیا۔
کسی تہبہ خانے کی تلاش میں کئی کروں کے فرش کا پلاسٹر تک الکھا دیا گیا۔ لیکن سونا کی کہیں نہ ملی اور نہ کسی تہبہ خانے ہی کا سراغ ملا۔

”نہیں میں جانے پر مجبور ہوں خصوصاً جب آپ مجبور نہ کریں۔ ایسے حالات میں ہمیشہ وہی ہے جو آپ چاہتے ہیں۔“

”مجھنے تو ہو...!“ فریدی مکرا کر بولا۔
حید نے جو کچھ کہا تھا وہ حقیقت تھی۔ اگر حید کے انکار پر فریدی کوئی کام اسی کی مرضی پر ہاتھا تو پھر وہ کام حید کو کرنا ہی پڑتا تھا۔ یہ کئی بار کا تجربہ تھا فریدی کچھ ایسا روایہ اختیار کرتا۔ اس پر مجبور ہی ہو جاتا۔

”بس ذرا سے میک اپ کی ضرورت پیش آئے گی۔“ فریدی نے کہا۔
”تمال کرتے ہیں آپ بھی۔“ حید بھٹا کر بولا۔ ”اچھا میں یہ کپڑے اٹا کر آتا ہوں ورنہ رجائیں گے۔“

”بہت ہی معمولی سامیک اپ ہے۔“ فریدی بولا۔ ”کپڑے نہیں خراب ہوں گے بس ایک ن صورت بدلتے ہیں آپ کی۔ ادھر دیکھو۔“

حید نے فریدی کے چہرے کی طرف دیکھا جس پر اس نے اپنا دہنہ تھر کھلای تھا۔ دوسرا سے، میں ہاتھ چہرے سے ہٹالیا گیا اور حید ”ارے“ کہہ کر اُسے گھومنے لگا۔ فریدی کی شکل دل گئی تھی اور اب وہ صرف آنکھوں اور پیشانی ہی کی بناء پر پہچانا جاسکتا تھا۔ ناک اور ہونٹ اسکے نہیں معلوم ہو رہے تھے۔

”یوں!“ فریدی مکرا کر بولا۔ اس کی آواز میں ہمیں سی منتابت تھی۔ ”اب اگر میں تاریک اکی عینک لگاؤں تو مجھے کون پہچان سکے۔“

”لیا آپ جادو کریں۔“ حید بوكھلا کر بولا۔ ”ابھی تو آپ اچھے خاصے ہے۔“

”نہیں یہ دریزا اپر گنگ ہیں جنہیں نہنوں میں رکھ لینے سے ناک اور کپڑے کی طرف اٹھ جاتی۔ اس سے اوپری ہونٹ میں بھی تھوڑا سا کھنقا ہوتا ہے اور دہانے کی بیٹت بدلتے ہیں۔ اسی اڑناک کی نوک نیچے کی طرف جھکائی جائے تو جعلے میں ایک نمایاں فرق نظر آئے گا۔“

”تو یہ آپ میری ناک نیچے کی طرف جھکائیں گے۔“
”نہیں جو سے اڑاؤں گا۔“ فریدی مکرا کر بولا۔

”میں ہم جائیں گے کہاں۔“

نے پر ڈرام بنا لیا تھا کہ آج آٹھ سے گیراہ تک آر لکھو میں ڈائس کرے گا۔ اس کے بعد بقیر را کی ہائٹ کلب میں گزارے گا۔ کیونکہ دوسرے دن اتوار تھا۔

گریٹی والے کیس کی طرف سے اسے اطمینان تھا کہ اب کوئی دوسری شکل نہیں اتر کر سکتا۔ کیونکہ سونیاکی لاش شہر کے باہر اس نالے میں مل گئی تھی جس میں شہر کا سارا لگنہ پالی ہتا تھا۔ گریٹی بدستور ”ہے“ تھیں تھا۔ لاش دستیاب ہوتے ہی اس کی حالت بگزرنے لگی تھی۔

بہر حال حید — نہ نہ۔ اوی چین لکھتا تھا لیکن اسی کی دانست میں شام کو جیسے ہی وہا جانے کے لئے تیار ہوا اسے نوکر نے اطلاع دی کہ فریدی اُسے بلارہا ہے۔

پھر اس کی جھلاہٹ کا کیا پوچھنا۔ وہ سوچنے لگا کہ یقیناً پھر اس کی شامت آئے والی ہے اور اس خوشگوار شام سے لطف انداز نہ ہو سکے گا۔

”فرمایے۔“ وہ فریدی کے کمرے میں درانہ گھستا ہوا بولا۔

فریدی شیو کرچکا تھا اور اب کپڑوں کا انتخاب کر رہا تھا۔

”تھوڑی تفریح کا خیال ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ آپ بول رہے ہیں۔“ حید نے بُر اسامنہ بنانے کر کہا۔ ”اچھا تفریح کے بیچ کبھی۔“

”نہیں فرزند میں بچ کہہ رہا ہوں۔ ایسی تفریح تمہیں کبھی خواب میں بھی نصیب نہ ہوئی ہو گی۔“

”آپکی تفریح کا جو معیار ہے اسے میں قبر میں بھی نہ پسند کر دوں گا۔ خواب تو معمولی چیز ہے۔“

”بہر حال تمہیں میرے ساتھ چلانا ہے۔“

”کماش کبھی یہ جملہ ملک الموت کی زبانی سن سکوں۔“ حید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”میاں تم کہیں اور جانے کے لئے تیار ہتے۔“

”جاتا والا...!“

”اچھا تو جاؤ میں دراصل تمہیں ایک ایسی جگہ لے جانا چاہتا تھا جہاں خالص اگریز لڑکوں سے ملنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔“

”بعض اگریز لڑکیاں اسی سال کی عمر تک میں رہتی ہیں۔ میں نے سوچا شاہزاد آپ نہ جانتے ہوں اس لئے بتا دیا آگے آپ کی مرضی۔“

”بھی تم نہیں جانا چاہتے تو میں ہو... میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔“

"برکلہ ہاؤز۔ داخلہ صرف مخصوصین کے لئے ہے۔ میں نے دو عدد دعوت نامے کے ہیں اور ہماری حیثیت ملک کے دو بڑے سرمایہ داروں کی ہوگی جو اس شہر کے باشندے ہیں۔ لیکن اب وقت نہ برباد کرو سمجھے۔"



ٹھوڑی دیر بعد وہ شہر کی مشہور عمارت برکلہ ہاؤز کے سامنے کھڑے تھے۔ اندر جا گا۔ عمارت کے سامنے کئی شاندار کاریں ایک قطار میں کھڑی تھیں۔ وہ دونوں کپاڈنے سے گذر کر پورچ میں آئے۔

ایک دبلا چلا سا انگریز جو سیاہ سوٹ میں مبوس تھا ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھ لے دنوں دعوت نامے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"اوہ.... اوہر سے تشریف لے چلے۔" انگریز ایک طرف ہٹ کر قدرے جھکتا ہوا وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لایا جس کی ہر چیز سیاہ تھی۔ دیواریں، فرنچیز، دروازے سب سیاہ تھی کہ میزوں پر رکھے ہوئے ایش ٹرے تک سیاہ تھے۔ یہاں انہیں آٹھ آدمی دکھائی دیئے۔ فریدی ان میں سے ایک ایک کو پہچانتا تھا۔ یہ سب شہر کے بڑے داروں میں سے تھے۔

"میا آپ کے ناموں کا اعلان کر دوں۔" مذوق انگریز نے آہستہ سے پوچھا۔
"نہیں، شکریہ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اس کی ضرورت نہیں۔"

انگریز نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا اور وہ دونوں بیٹھ گئے۔ دوسرے لوگ آئیں سر گوشیاں کر رہے تھے اور ان کی نظریں ان دونوں کی طرف تھیں۔
دفتار ایک دروازے کا پردہ سر کا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے اس تاریک ماحول میں چاند کا ہو۔ یہ ایک انتہائی حسین لڑکی تھی اور اس کے جسم پر یہ داغ سفید سلک کا لبادہ تھا۔
آہستہ چلتی ہوئی ان دونوں کے قریب آئی۔ نجید آنکھیں چھاڑے اُسے دکھ رہا تھا اور سونا کہ فریدی نے اس وقت بچھا اس پر احسان کیا ہے۔ لڑکی نے ایک نوٹ بک اور پنل ان سامنے رکھی ہوئی چھوٹی سی میز پر رکھ دی۔
"نام اور پتہ۔" لڑکی نے کہا اور نجید کے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں سی بچھیں۔

"میا یہ ضروری ہے۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"قادہ نہیں ہے۔ ویسے جو آپ مناسب سمجھیں۔"

فریدی نے وہی نام لکھ دیئے جو دعوت ناموں پر تحریر تھے۔

"شکریہ۔" لڑکی نوٹ بک اور پنل سمیٹ کر واپس چل گئی۔

پھر شائد دیا شن منٹ بعد ایک دوسرا لڑکی کمرے میں آئی۔ یہ بھی کافی دلکش تھی اور اس کے جسم پر بھی سفید ہی لبادہ تھا۔ اس نے آتے ہی کرتے کی روشنی گل کر دی۔ پھر ایک بڑی لش آواز اندھیرے میں گوئی۔

"کروڑ ہا برس گزرے جب یہ زمین آگ کا گولا تھی۔ ہزار ہا سال گزرے جب مصر پر بناوں کی حکومت تھی۔ ابوالہول اور اہرام خالق انسانی کارنامے نہیں ہیں۔ ان میں دیوتاؤں کا لی ہاتھ تھا۔"

لڑکی خاموش ہو گئی۔ کمرے کا اندھیرا حمید کو گراں گزر رہا تھا۔ اچانک انہوں نے دبی دبی سی سکیوں کی آوازیں سنیں۔

پھر وہی آواز بچکیوں اور سکیوں کے ساتھ سنائی دینے لگی۔ "ناب وہ مصر ہے اور نہ آگ لوال۔ لیکن ہمارے دل سلگ رہے ہیں۔ ایک انجانی سی آگ۔ ایک انجانی سی آگ۔"

سکیاں تیز ہو گئیں۔ آواز آتی رہی۔ "سب کچھ بتلو ہو جائے گا لیکن دیوتا ہمیشہ زندہ رہیں گے۔"

سکیوں کی آوازیں دوز ہوتی جا رہی تھیں۔ دھنعتا حمید کو ایسا حسوس ہوا جیسے اس کے رو گنکے رہے ہو گئے ہوں۔ سکیوں کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن لڑکی کی آواز بدستور اسی جگہ اُم تھی جہاں پہلے تھی۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لڑکی ہی سکیوں اور بچکیوں کے ساتھ گفتگو کر رہی ہو۔ لیکن اب دونوں آوازیں الگ ہو گئی تھیں۔ لڑکی کہہ رہی تھی۔ "لیکن تھا یہ کیا ہو گیا ہے۔ رو ہیں اس طرف متوجہ نہیں ہو رہی ہیں۔۔۔ فرعون۔۔۔ فرعون۔۔۔"

لڑکی خاموش ہو گئی۔ آج تھے سے بہترے راز دریافت کئے جائیں گے۔

خند لمحے خاموش رہ کر لڑکی پھر بولی۔ "حاضرین سے استدعا ہے کہ وہ دس منٹ اس طرح

اموٹ بیٹھیں کہ ان کے ہونٹ کھلے ہوئے ہوں اور براؤ کرم وہ مٹھیاں نہ باندھیں۔۔۔ فرعون

کی روح ٹھیک دس منٹ بعد حاضر ہو گی۔

دس منٹ کی طویل خاموشی۔

حید کو اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

پھر دس ہی نہیں بلکہ پندرہ منٹ گزر گئے لیکن کسی تم کی بھی آواز نہیں سنائی دی۔ حید
تھیلیاں اور ہونٹ کھولے بینجا تھا۔

اچانک اسے اپنے قریب ہی ایک عجیب قسم کی روشنی دکھائی دی اور وہ بیساختہ اچھل
روشنی کرے میں گردش کرنے لگی اور پھر کافی دیر بعد یہ بات حید کی سمجھ میں آئی کہ فریدی
اپنی تاریخ روشن کر لی تھی اور کرے میں چل رہا تھا۔ کرے کا بلب بھی روشن ہو گیا۔ فریدی،
بورڈ کے قریب کھڑا چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

کرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نہ صرف لڑکی بلکہ ان کے جانے پاچا
لوگ بھی غائب ہو چکے تھے۔

”یہ کیا تاش تھا۔“ حید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا ”وقو
کے خلاف... اچھا آؤ ہم دیکھیں کہ دوسرا کروں میں کیا ہے۔“

فریدی ایک دروازے کا پرده ہٹا کر کرے سے نکل گیا۔ حید بھی اس کے پیچے تھا وہ
دوسرا کرے میں آئے یہاں بھی تاریکی تھی۔ فریدی نے تاریخ روشن کر لی۔ یہ کرہ بھی خالی تھا
وہ آگے بڑھے، ایک دروازے کے اس طرف روشنی نظر آری تھی۔ فریدی پر دہ بٹا
آگے بڑھ گیا۔ حید نے بھی اس کی تقلید کی۔

لیکن یہ کرہ خالی نہیں تھا۔ انہیں سامنے ہی آرام کریں پر ایک سڑا انگیز ٹیم دراز نظر
بھورے رنگ کی فرج کٹ ڈالی گئی تھی۔ وہ خاصا شاندار نظر آ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ اس انداز
سیدھا ہو کر بینچے گیا جیسے ان کا حضرت پیر رہا ہو۔

”آئے کرئی فریدی اور کیپن حید، فوش آمدید تشریف رکھئے۔“

حید بوکھلا گیا لیکن اس نے فریدی کی خالت میں کسی تم کا بھی تغیر محسوس نہیں کیا۔
”مگر یہ...“ فریدی ایک کری پر بینجا ہوا بولا۔ پھر اس نے حید کو بھی بینچے کا اشارہ کیا

”کری... یہ ہاتھ کی صفائی کا کھیل نہیں ہے اور مگر تھہریے میں پہلے اپنا تعارف
لے مجھے ہنس کتے ہیں ڈاکٹر ہنس۔“

ڈاکٹر ہنس۔“ فریدی نے آہن سے بربادا کر سر بڑا دیا۔

ہاں تو کرئی میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ شعبدہ بازی نہیں ہے۔ آخر آپ بھیں بدلت کر کیوں
تھے۔

محض یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ کام علائیہ کیوں نہیں ہوتا۔

”بیں اتنی ہی بات۔“ ہنس بولا۔ ”جواب یہ ہے کرئی کے اسے صرف مستحق آدمیوں کے
موصی رکھنا چاہتا ہوں۔ عوای بھیڑ سے کوئی فائدہ نہیں۔“

لیکن تم نے اپنا کام جاری کیوں نہیں رکھا۔“

”تواب بھی جاری ہے۔“ ہنس نے مسکرا کر کہا۔ ”فرعون کی روح نے محض اس بناء پر
اسے انکار کر دیا تھا کہ دو آدمی بھیں بدلت کر اور غلط نام اختیار کر کے آئے تھے۔“

بخلاف فرعون کی روح کو اس سے کیا سر و کار۔“

بہت بڑا سر و کار ہے کرئی۔ رو میں بے اعتمادی نہیں پسند کرتیں۔ اگر تم لوگ اپنی چیز
میں آتے تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔“

محض شھیثت میں شاید مجھے داخلے کی بھی اجازت نہ ملتی۔“

لی اور ضرور ملتی کرئی۔ تم شاکن دیہ سمجھتے ہو کہ روحوں کی آڑ میں یہاں کوئی جرم ہو رہا ہے۔“
نروروی نہیں کہ میں یہی سمجھوں۔ حرمت انگیز پاؤں کے لئے تجسس قلعی فطری امر ہے۔“

میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے گفتگو کرتے تو میں آپ کو
کر رے میں بینچے کی اجازت دے دیتا۔“

خراب سکا۔ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

اب ٹھیک تو پچھے بھی نہیں ہو سکا۔ کیونکہ کاروائی آدمی سے زیادہ ختم ہو چکی ہے اور لوگ
کو سوالات کر رہے ہیں۔“

لیا...؟“ فریدی کے لہجے میں حرمت تھی۔ ”مگر ہاں تواب کوئی بھی نہیں ہے۔“
کہ نہیں... کاروائی جاری سے۔“

”لیکن میں تو ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔“

ڈاکٹر ہذن نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ ”یہی تو میں کہہ رہا ہوں مسٹر فریدی کریم صفائی یا شعبدہ نہیں ہے۔ تم جس وقت ہال میں آئے تھے سب وہیں موجود تھے اور اب،“ یہ اور بات ہے کہ وہ تمہیں نظر نہ آئے ہوں۔ وہ فرعون کی روح تھی جسے طلب کیا گیا تھا تمہاری اس حرکت کی بناء پر تمہیں محروم کر دیا۔ اچھا شام کتمہیں یقین نہیں آ رہا ہے ساتھ آؤ۔“

ہذن انہیں پھر اسی تاریک کمرے کی طرف لے گیا۔ کمرے میں اندر ہمراہ تھا حلا کو قبیل فریدی یہاں کا بلب روشن کر کے گیا تھا جس وقت یہ لوگ دروازے کے قریب پہنچ کرے میں ایک بھراں ہوئی سی آواز گونج رہی تھی۔ ”تمہیں بہت سمجھ بوجھ سے کام لیما تین دن کے اندر اندر روئی کا بازار گر جائے گا۔ اس لئے اس میں فی الحال ہاتھ لگانے کی نہیں۔ وہ کجھ سراغ رسان پھر آگئے ہیں لہذا یہ سلسلہ بند ہو رہا ہے۔“

دوسرے ہی لمحے میں کمرے کا بلب پھر روشن ہو گیا اور فریدی کی نظر ان لوگوں جنہیں وہ عمارت میں داخل ہوتے ہیں دیکھ چکا تھا۔ شہر کے چند بڑے سر ماہی دار۔ وہ سب سے اٹھے اور باہر نکل گئے۔

”دیکھا تمنے۔“ ہذن مسکرا کر بولا۔

”تو اس روح نے انہیں ہماری نظروں سے غائب کر دیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”قطیعی یہی بات ہے مسٹر.... آر.... کرنل فریدی۔“

”ڈاکٹر ہذن.... تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“ فریدی انتہائی گرم جوشی سے مہا ہوا بولا۔

”اب آؤ.... اطمینان سے با تمن ہوں گی۔“ ڈاکٹر ہذن نے فریدی کو اسی کمرے کی چھپتی ہوئے کہا جہاں سے وہ چند لمحے پیشتر اٹھ کر آئے تھے۔

وہ بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر ہذن نے میز پر رکنی ہوئی گھنٹی کا بین دبایا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ لڑکی اندر داخل ہوئی جس نے تاریک کمرے میں فریدی کے دستخط لئے تھے۔

”مشربات میں کرنل فریدی کو کیا پسند ہے۔“ ہذن نے لڑکی سے پوچھا۔

”ہمیں....!“ لڑکی نے جواب دیا۔

”تو نہیک کافی ہی لاو۔ مگر مٹھر و... کیپشن حید کیا پسند کرتے ہیں۔“

”مٹھر ہے۔“ لڑکی نے کہا اور آنکھیں بند کئے چند لمحے خاموش رہی پھر آہستہ آہستہ اس کی

نکھلیں اور ساتھ ہی ایک بڑی دلاؤیزی سی مسکراہٹ بھی اس کے ہونٹوں پر پھیلتی گئی۔

”کیپشن حید کی کوئی پسند نہیں۔“ لڑکی نے ہمراہ ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ کافی بھی پی لیں

ویسے میں انہیں بہت پسند آئی ہوں۔“

”خوب....!“ ڈاکٹر معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ لڑکی چل گئی۔

”لیکیا ہے بھی کوئی روح ہے ڈاکٹر۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں روحوں کی ایک خادمہ۔ روحیں اسے ہر وقت ہربات کی اطلاع پہنچاتی ہیں۔“

”لئنی لڑکیاں ہیں تمہارے ساتھ؟“ حید نے پوچھا۔

”وو....!“

”اور مرد کتنے ہیں۔“

”تین....!“ ڈاکٹر ہذن نے کہا۔ ”اور سات عدد لا شیں۔“

”دوا شیں تو تم فروخت بھی کر چکے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”ہاں پہلے نو عدد تھیں۔“

”کیسی لا شیں۔“ حید بول پڑا۔

”تم خاموش رہو۔“ فریدی نے اردو میں کہا پھر ڈاکٹر ہذن سے بولا۔ ”تم انہیں خاص طور

لما کیوں فروخت کر رہے ہو۔ دنیا کے کسی دوسرے ملک کا انتخاب کیوں نہیں کیا۔“

”ابھی تمہارے شہہرات رفع نہیں ہوئے۔“ ڈاکٹر ہذن مسکرا کر بولا۔ ”میں تمہاری حکومت

ماں کے لئے باقاعدہ طور پر اجازت نامہ حاصل کر چکا ہوں۔ اور انہیں یہاں اس لئے فروخت

دل کریے بھی دیوں تاوس ہی کی سرزین ہے۔“

”لکن کچھ اور بھی کہنا پاہتا تھا کہ دھنٹا پوری عمارت ایک عجیب قسم کے شور سے گونج آتھی۔“

”ہذن بے تحاشہ اٹھ کر بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

بغداد ۱۲۱

حید نے فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی سر ہلاکر مسکانے لگا۔
”یہ کس بھوت خانے میں پکڑ لائے آپ مجھے۔“ حید نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔
”قل منت کرو۔ ان مغربیوں کا عجیب حال ہے۔ یہ ہمیں آج بھی احمد سمجھتے ہیں۔
”مگر وہ لڑکی...!“

”سب فراز ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”دیسے ہمارے متعلق ان کی معلومات بہت وسا
لیکن تاریک کرے والے واقعے کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”میا تم مجھے خیالات قائم کرنے کی مشین سمجھتے ہو۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔

”اچھا ہی بیاد رکھئے کہ وہ لاشیں شکر کی ہیں یا پاٹر آف جیرس کی۔“

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر ہڈ سن واپس آگیا۔

وہ بہت زیادہ غصے میں معلوم ہو تاھا۔

”کرتل اپنی جاہ کاری دیکھ لو چل کر۔“ اس نے کہا۔

”میں نہیں سمجھا ڈاکٹر۔“

”میرے ساتھ آؤ۔“

وہ آگے گئے تھا اور یہ دونوں اس کے پیچے اور ان کے قدم بھی اسی مناسبت سے اٹھ جس رفتار سے ہڈ سن چل رہا تھا۔

جیسے ہی وہ ایک راہداری مزے میں نظر ایک لڑکی پر پڑی جو فرش پر چلتی ہی
یہ وہی لڑکی تھی جسے تھوڑی دیر قلن کافی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ شام کو ہی بیوشاں تھی۔

”دیکھو....!“ ہڈ سن نے رک کر بیوشاں لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

”لیکن ڈاکٹر مجھے اس سے کیا سروکار۔ میں تو اس کرنے میں تھا۔“ فریدی نے تو
لپجھ میں کہا۔

”تم ذمہ دار ہو اس کے۔“

”آخر کس طرح۔“

”یہ روح کا انعام ہے۔ یہاں آئنے والی تمام روٹس اس لڑکی پر اعتماد کرتی تھیں۔“

”تو میری وجہ سے اس اعتماد میں فرق آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“

”آخر تم بھیں بدل کر کیوں آئے۔“

”میں یہاں کا ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں ایسے معاملات کو دیکھوں۔“

”لیکن یہ لڑکی یہ بیوشاں کس طرح ہوئی۔“ حید نے ہڈ سن سے پوچھا۔

”خدا ہی جانے۔“ ہڈ سن نے تشویش آمیز لمحہ میں خواب دیا۔ ”ہمارے لئے یہ پہلا واقعہ ہے۔“

”وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر ہڈ سن نے کہا۔“ روحوں کا خیال ہے کہ تم ہمیں کسی جرم سے

تم کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ براؤ راست ڈاکٹر ہڈ سن کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”کس جرم میں بھتی کرنا چاہتا ہوں۔“ تھوڑی دیر بعد اس نے آہتہ سے پوچھا۔

”کل روح کی زبانی سن لیما۔ آج اس نے تفصیل نہیں بتائی۔ لیکن خدا کیلئے اپنی اصل عمل

س آتاوار کا پلی پر صحیح دستخط کرتا۔ اچھا کرتل اب مجھے اجازت دو۔ مجھے اس لڑکی کی جان بچانی ہے۔“

”ہمارے لائق کوئی خدمت ڈاکٹر....!“ حید نے کہا۔

”اوہ.... نہیں بھلام تم کیا کر سکو گے۔ یہ روحوں کی شکار ہے۔ آج میری ساری رات بر باد
جائے گی۔“

”کچھ روٹس میرے قبضے میں بھی ہیں ڈاکٹر....!“ حید بولا۔ ”کہو تو میں ان سے مدد طلب کروں۔“

”کتنی پرانی روٹس ہیں۔“

”پانچ لاکھ برس پرانی۔“

ڈاکٹر ہڈ سن بہت نگاہ کرتا۔ ”تم لوگ حق مجھے سے شعبدہ سمجھتے ہو۔ لیکن میں تمہیں بتاؤں گا ضرور آتا
اچھا ش بخیر۔“

فریدی اور حید باہر آگئے۔ فریدی غیر معمولی طور پر سنجیدہ اور خاموش تھا۔

”اب کیا خیال ہے؟“ حید نے اسے چھپڑا۔

”کچھ نہیں وقت کی بر بادی ہے.... اس کیس میں میرا دل نہیں لگ رہا ہے۔“

”لیکن یہ بتائیے کہ آپ یہاں آئے کیون تھے اور ابھی آپ نے کس کیس کا حوالہ دیا ہے۔“

”جعلی نوٹوں والا کسی۔“

”بھلا اس سے اور اُس معاملے سے کیا تعلق۔“

”تعلق ہے تو دریافت کرتا ہے۔“

”زبردستی۔“

”حالات ایسے ہیں فرزند۔ راجونوٹوں والے معاملے سے ملک تھا۔ راجو کے ذریعے

مشتبہ عمارت تک پہنچے۔ وہاں ہماری چند نامعلوم آدمیوں سے مدد بھیڑ ہوئی۔ پھر گرینی۔ زہر دلوادیا اور ہمیں اُس لڑکی کی بھی لاش ملی جس نے راجو کو زہر دیا تھا۔ گرینی حراسہ اور میں وشوک کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس رات اُس عمارت میں جن غائب پوشوں۔ ہوئی تھی ان میں گرینی بھی تھا۔۔۔ خیر گرینی کے یہاں تلاشی کے دوران میں ایک ایسا جس کا تعلق برادر است ڈاکٹر ہڈسن سے ہے۔“

”کیسا کاغذ۔۔۔ آپ شاید پہلی بار اس کا تذکرہ کر رہے ہیں۔“

”نہیں تو۔۔۔ کاغذ تو تمہارے سامنے ہی ملا تھا۔ وہی جس پر ابوالہول کی تصویر دراصل ڈاکٹر ہڈسن کے نجی رائینگ پیدا کر نامہ ہے۔ ایسے تھی ایک کاغذ پر میں ہڈسن کی درخواست دیکھ چکا ہوں جو اُس نے لاشوں کی فروخت کے سلسلے میں اجازت حاصل کر لئے دی تھی۔“

”دیکھئے! اس سے بھی دونوں کا تعلق نہیں ظاہر ہوتا۔“ حید نے کہا۔

”کیوں...؟“

”ایسے حالات میں ڈاکٹر ہڈسن کا لیسٹ بیڈ شہر میں کسی کے بھی پاس پایا جاسکتا ہے۔ طلب کی ہوئی وہیں شائد مستقبل کا حال بتاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ آدمی ہر حال میں اپنے سے باخبر ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گرینی نے بھی اسی سلسلے میں ڈاکٹر ہڈسن خط و کتابت کی ہو۔ لہذا اُس تک ہڈسن کا لیسٹ بیڈ اس طرح پہنچ سکتا ہے۔“

”تمہاری یہ دلیل معقول ہے لیکن کچھ اور باتیں بھی ہیں۔“

”اوروہ باشی مجھے حشر کے دن معلوم ہوں گی۔“ حید جھنجھلا گیا۔

”چلو میتوھو۔۔۔!“ فریدی اُسے کار میں دھکیلتا ہوا بولا۔

نمبر 15

جید اگلی بیٹ پر پہنچتا ہوا بولا۔ ”اور آپ ان لاشوں کے متعلق کبھی نہ بتائیں گے۔“

”تم احق ہو۔“ فریدی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ”بعض اوقات تمہیں الف اور بے

لاپڑتا ہے۔ تم خود کیوں نہیں سوچتے کہ وہ لاشیں کس قسم کی ہو سکتی ہیں۔“

”میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ ہڈسن نے گفتگو کے دوران میں قدیم مصر کا حوالہ دیا تھا کیا وہ ہاں ہے۔“

”نمیک ہیں۔۔۔ وہ ہزاروں سال پرانی حوط کی ہوئی لاشیں ہیں۔ مصر میں ڈاکٹر ہڈسن نے میں خریدی تھی اور یہ لاشیں اسی زمین کی کھدائی کے دوران میں نکلی تھیں۔“

”تو اس طرح یہ لاشوں کے سوداگر ہیں۔“ حید مسکرا کر بولا۔ ”آپ ذرا ذرا اسی باتوں کو بھی انہیں اسرار بنا کر پیش کرتے ہیں۔۔۔ لیکن ہاں وہ دوسرے اسباب کیا ہیں جنکی بنا پر آپ گرینی لوگوں سے ملک سمجھتے ہیں۔“

”اوہ! بڑی خوشی سے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں تجھے تمہیں ایک ذمہ دار آدمی دیکھنا ہوں اور میں آج کل ایک دوسرے مسئلے میں بھی الجھا ہوا ہوں۔“

”کون سامنے کھڑا۔۔۔؟“

”تمہیں یورپ کے مشہور بیک ملکر لیوتارڈو یاد ہے۔“

”آجھی طرح۔۔۔!“

”زندگی میں پہلی بار اسے میری ہی وجہ سے ہھکڑیاں نصیب ہوئی تھیں۔“

”لیکن ہاں۔۔۔ مجھے یہ بھی یاد ہے۔“

”وہ انگلینڈ کے ایک قید خانے میں عمر قید کی سزا بھگت رہا تھا۔ ہوئی تو چاہئے تھی اُسے کاموں عیل کیں اُس پر کوئی قتل نہیں ثابت ہو سکا تھا بہر حال قسہ مختصر یہ کہ وہ جیل سے دیکھا ہے۔“

”تو آپ کیوں مکرم ہیں۔ انگلینڈ جاتے اور لیوتارڈ۔“

”یہ بات نہیں ہے فرزند۔۔۔ تم اُس کی بچپنی ہٹری سے واقف نہیں ہو لیوتارڈ ایسے لارک مجنہلانہ نہیں جانتا جن کی ذات سے اسے ذرہ برا بر بھی لقصان پہنچا ہو۔“

”مجھے لیتوہن ہے کہ وہ آپ کا کچھ نہیں بکار سکتا۔“ حید بولا۔

”زیادہ خوش نہیں اچھی چیز نہیں ہے۔ انہیں سے آئے ہوئے تیر کا منہ کوں ہے۔ یونارڈ کبھی کھل کر سامنے نہیں آتا۔ اگر تم اس کے شکاروں کی فہرست دیکھو تو تمہیں اسکا لینڈ یارڈ کے کئی بہترین دماغ ملیں گے۔ انپکٹر موز لینڈ، چیف انپکٹر سار جنٹ گراہم، پرنسپل نشادشا سخت وغیرہ یہ سب یونارڈ کے ہاتھوں قتل ہوئے میں پر مقدمہ چلا یا گی تو وہ ایک بھی قتل کامر تکب نہ ثابت ہو سکا۔“

”تو آپ اس سے خوفزدہ ہیں۔“

”مستقبل کے متعلق جو تشویش ہوتی ہے ہر حال میں خوف نہیں کہلاتی۔“

”وہ کب فرار ہوا ہے۔“

”آج سے تین دن قبل کی بات ہے۔“

”اوہ تب تو ان لوگوں میں نہیں ہو سکتا۔“ حمید نے کہا۔

”یہ لوگ....!“ فریدی حقارت آمیز مکراہت کیسا تھا بولا۔ ”یہ لوگ تو محترمے!

”تو آپ یہ کیس مجھے دیتے ہیں تا....!“

”قطی..... لیکن تم ان لاکیوں کے چکر میں پڑ کر اپنی جامت نہیں بناؤ گے۔“



پہنچنے والی رات کو دو بجے تھے یا تین..... روزی یہی سوتے سوتے ہر برا کر آٹھ بیٹھا! اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ تو برکے ہاؤز کے ایک آرام دہ کمرے میں سوتی تھی۔ یہ ودق میدان میں کہاں سے پہنچی۔ پورا چاند آسمان پر چمک رہا تھا اور چاروں طرف پہنچ دو دھیاچاندنی لکھری پڑی تھی۔

روزی یہ بوكھلا کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس کے منہ سے ایک ڈری ڈری سی چیز نکلی۔

سچھی کہ شائد خواب دیکھ رہی ہے۔ لیکن اب یقین ہو گیا کہ یہ حقیقت ہے۔

اس کے منہ سے متواتر کی چینیں نکلیں اور دھرم سے دہمن پر گر گئی۔ اس کی سمجھتے آرہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور اس ویرانے میں کیوں نکل رہی تھی۔

”یہ کون احمد ہے جس نے مجھے چکا دیا۔“ قریب ہی کوئی ناک کے مل بولنا منناہٹ قدر تی معلوم ہو رہی تھی۔ روزی یہ پھر چینیں گلی۔ ہر سیانی انداز کی چینیں ختم

لوم ہو رہا تھا جیسے وہ خاموش رہنے کی کوشش کر رہی ہو۔ لیکن اسے اپنی آواز پر قابو نہ رہ گیا ہو۔

”درستے لمحے میں ایک عجیب الحلقۃ آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

اس کے سر پر ہالی و دوڑ کے ”بغداد مار کر۔“ فلماں کرداروں کی نی گپڑی تھی اور جسم پر ایک نباہ... داڑھی گلبری کی دم کی طرح میں پر جھوول رہی تھی۔ وہ گلبری کی دم سے اسلئے مشابہ تھی۔ سکا پھیلا ڈھوڑی سے آگے نہیں تھا۔ لیکن لمبائی میں میں نکل چل آئی تھی اور موچھیں ندارد۔

”عن..... تم کون ہو.....!“ روزی یہی نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

”تم کون ہو۔“ اس آدمی نے عصیلی آواز میں پوچھا۔ اس بار اس کی آواز پکھ ایسی تھی جیسے اٹاں آدمیوں کی طرح بولنے لگی ہو۔

”میں روزی یہوں.....!“ وہ بمشکل کہہ سکی۔

”روزی یہی..... نہیں تم تو عورت معلوم ہوئی ہو۔“

”میرا نام روزی ہے۔“

”روزی یہی..... یہ کیا وہیات نام ہے۔ کم از کم بغداد میں تو ایسے نام نہیں نہ جاتے۔“

”بغداد..... بغاو کیوں؟ میں کہاں ہوں۔“

”ارے تم یہ بھی نہیں جانتیں۔ تب تو تم کوئی خبیث روح ہو۔ نہبڑو میں ڈنٹے سے بی خبر لیتا ہوں۔“

”نہبڑو..... نہبڑو.....!“

”نہیں یوں نہیں..... ابھی تم خود اعتراف کرو گی کہ تم بغداد میں ہو اور یہ سنہ گیارہ سو ماہے۔“

”ارے بچاڑ۔“ روزی یہ چینیں گلی۔

”ارے او بدبخت عورت میں دیو نہیں ہوں کہ تجھے کھا جاؤں گا۔ مری کیوں جارہی ہے۔

”منہ کر کے کھڑی ہو جا۔ خبردار جو پلٹ کرو یکھا۔“

”روزی یہی نے چپ چاپ تعلیل کی۔ اس عجیب الحلقۃ آدمی نے جیب سے ایک برش اور سیاہ کا ٹوپہ نکال کر برش سے روزی یہی کی قمیں پر لکھنا شروع کیا۔ بغاو سنبھل گیارہ سو ایکس۔ ہوش بشار خبیث روح کا نام روزی یہی ہے۔

"بس اب ادھر مڑ جاؤ۔" اس نے کہا۔ "روزیئی نے پھر بے چوں وچرا تھیں کی۔"

"اب میں تمہیں سارے لوگوں گا۔" اس عجیب الحلقت آدمی نے کہا اور اس کی گردان دبوڑہ روزیئی کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیزیں نکلے لگیں اور پھر بے ہوش ہو گئی۔



دوسری بار بجہ اس کی نیند ختم ہوئی تو کافی دیر تک اس نے آنکھیں کھولنے کی ہر کی۔ لیکن آخر کب تک۔ دل کڑا کر کے آنکھیں کھولنی ہی پڑیں۔ اور پھر جو اس نے بوکھا ہی لیٹھے جست لگائی تو کوچ سے فرش پر تھی۔ کپڑے بھاڑاتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ اس نے خکرے میں پایا جس میں رات کو سوئی تھی۔ اور اب اسے سوچا پڑا کہ شامداں نے تھیل را ڈراونا خواب دیکھا تھا۔

دیوار سے لگی ہوئی گھڑی سات بجارتی تھی۔

وہ جلدی جلدی بہاس تبدیل کرنے لگی۔ اچاک اس کی نظر شب خوابی کی قمیض کی پڑی اور ٹھنک کر رہ گئی۔ سرخ رنگ کے حروف میں تحریر تھا۔ "بغداد سہ گیارہ سو ایکس۔ اس خبیث روح کا نام روزیئی ہے۔"

روزیئی کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا اپسینہ چھوٹ پڑا۔

وہ قمیض ہاتھ میں لئے بے تحاشہ دوڑتی ہوئی اس کرے میں آئی جہاں ڈاکٹر ہڈن:

پی راتھا۔

"میا بات ہے۔" اس نے داہنی بھوں تاں کر غصیل آواز میں کہا۔

روزیئی نے جواب دینے کی بجائے قمیض اس کے سامنے ڈال دی۔ ڈاکٹر ہڈن نے تحریر پڑھنے کے بعد روزیئی کی طرف تھر آلو نظروں سے دیکھا۔

"پکھ منہ سے بھی بکوگی۔ کیا مطلب ہے اس بے ہودگی کا۔"

روزیئی ہکلا ہکلا کر بیان کر چلی۔ پھر اس نے کہا۔ "اگر یہ تحریر نہ ملتی تو میں اسے ذا سمجھتی یقین تکھیے اس میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں ہے۔"

ڈاکٹر ہڈن نے کافی کی پیالی ہاتھ سے رکھ دی اور تھیر آمیز نظروں سے لوکی کوچکی کبھی وہ قمیض کی تحریر کو بھی گھورنے لگتا تھا۔

میں جھیں یقین ہے کہ تم اپنا کمرہ اندر سے مغلل کر کے سوئی تھیں۔" اس نے روزیئی سے پوچھا۔
"مجھے اچھی طرح یاد ہے جناب۔"
"نہیں تم بھول رہی ہو۔ تم نے مغلل نہیں کیا تھا۔"
"نہیں مجھے یقین ہے۔"

"اچھا چلو۔... میں تمہارا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ اس کے ساتھ اس کے کرنے تک آیا اور دروازے پر جھک کر کنجی کا بہرائخ دیکھنے لگا۔ "اوہ... یہ قفل ہی ناقص ہے۔" وہ بڑی بڑی۔" اندر اور باہر کا سوراخ ایک ہی ہے اور... اور نکات... یقیناً کسی ٹکلی چیز سے اسے کھولنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلا رو لینڈ کے پچھے آج میں اس کی کھال اتار دوں گا۔ کم بخت مردوں کی طرح سوتا ہے۔"
"میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہر رہے ہیں۔" روزیئی نے دبی زبان میں کہا۔
"کیا میں لاٹھی بول رہا ہوں۔" ڈاکٹر ہڈن حلق چھاڑ کر بولا۔
روزیئی کا پہنچنے لگا۔

رنگ میں بھنگ

صح کے آٹھ بجے پچھے تھے۔ لیکن حمید ابھی تک خدائی لے رہا تھا۔ نوکروں کے جگانے سے ملا کیا الحلقہ جب فریدی نے خود ہی اس کی رحمت برداشت کی تو اٹھا لیکن پھر لیٹ گیا۔ "فسر! ایک بالائی پانی لا او۔" فریدی نے نوکر کو آواز دی۔ حمید اچھل کر پہنچ گیا۔

"آپ جانتے ہیں۔" وہ جھلا کر بولا۔ "میں پانچ بجے سویا ہوں۔"

"تکمیل میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ پانچ بجے تک کیا کرتے رہے۔"

"تو اس طرح جگا کر۔ میرا خیال ہے کہ آپ میری لاش کو بھی پریشان کریں گے۔ مرنے کی عطاوں کی حالات میں بھرے۔ ثابت کر دکہ تم مر گئے ہو۔ نہیں میں منطقی دلیل چاہتا ہوں۔" فریدی ہنسنے لگا۔ لیکن پھر سجدگی سے بولا۔ "کھڑے ہو جاؤ۔"

"ہو گیا۔" حمید نے پنک سے چھلانگ لگائی اور پاگلوں کی طرح اپنے کپڑے فوچا
"دو چار کتے چھوڑ دوں گا تم پر درس ہوش میں آ جاؤ۔"

حمید میز پر بیٹھ کر فریدی کو گھوڑنے لگا۔

"کیا آپ نہیں جانتے کہ میں پاچ بجے تک کام کرتا رہا ہوں۔"

"تواب تمہیں کام کی نوعیت بھی بتانی پڑے گی۔"

"میں قبل از وقت کچھ نہیں بتاتا۔" حمید نے فریدی کی نقل اشاری۔

"تم رات بھر بھک ملاتے رہے ہو۔" فریدی برا سامنہ بن کر بولا۔ "کیا تم مجھے اپنی

حماقت کا مقصد بتاسکو گے۔"

"کیا مطلب...!" حمید چونک کر فریدی کو گھوڑنے لگا۔

"رات والی حماقت کا مقصد۔ یعنی بغداد نہ سیارہ سوا کیس۔"

"آپ کیا جائیں۔"

"وقت نہ برباد کرو۔" فریدی جھنجلا گیا۔

"ویکھئے میں یہ سب اپنے طور پر کر رہا ہوں۔"

"میں شاید زندگی بھر تمہاری طرف سے مطمین نہ ہو سکوں گا۔ تم کیا سمجھتے ہو اگر میں ہوتا تو رات ہی تمہارے پر نے اڑ گئے ہوتے۔"

"اب خواہ مخواہ ندانہ رکھئے۔" حمید ہنسنے لگا۔

"اچھا تو تم مذاق سمجھ رہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم برآمدے ہی میں پکڑ لئے گئے رو لینڈ وہیں سور ہاتھا۔ اس کی نیند بہت ہلکی ہے۔ وہ بڑی طرح چوکا تھا اگر میں نے فوراً ان کری بیوتی تو تم کے تھے۔ وہ بیدرنگ تمہارا لگا گونٹ دیتا۔"

"اوہ... نہیں! مجھے یقین ہے کہ برآمدے میں کوئی بھی نہیں تھا۔"

"کیا وہاں روشنی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں... اندھیرا تھا۔"

"پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔"

"اچھا چلتے۔ یہی بتا دیجئے کہ آپ نے تدبیر کیا فرمائی تھی۔"

"پھول کی ایک حرکت کرنی پڑی تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "چند لمحے کے لئے بلی بننا لئے تھی ہے، تو اکہ وہ بہشت کر کے پھر سو گیا مگر تم بتاؤ کہ اس کا مقصد کیا تھا۔"

"مقصد تو بھی تک خود میری سمجھ میں نہیں آسکا۔" حمید کھوپڑی سہلا تا ہو بولا۔

"ایک لوکی کا معاملہ تھا۔" فریدی نے تلخ لمحہ میں کہا۔ "اس لئے تم نے دوبارہ اس عمارت میں کاظمہ مول لیا۔ ابھی میں نے اسی قسم کا کوئی کام پرداز کیا ہوتا تو دم نکل کر رہ جاتا۔"

"مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ میرے پیچھے کیوں لگے ہوئے تھے۔"

نیوی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "میں سمجھ ہیں۔ اس بار آپ مجھے آگے دھکیل کر اپنا کام پاچتے ہیں۔"

"پہلے تو تارا دہ نہیں تھا۔ لیکن اب تمہاری اس حماقت ہی نے ایک نیاراست دکھایا ہے۔"

"یعنی...؟"

"کچھ نہیں نہیں بچتے۔ نہیں ہر بات کی عام اجازت ہے۔ ان لوگوں سے جس طرح دل چاہے تو۔"

"ہوں! سمجھا۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ نے ان لوگوں لئے کیا کیا جو پچھلی رات کو تاریک کرے میں موجود تھے۔"

"ان کے لئے کیا کرتا۔"

"ان سے کم از کم یہ تو معلوم ہی کیا جاسکتا ہے کہ وہ اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

"وقت کی برابری حمید صاحب۔" وہ بھی وہیں گئے جو ڈاکٹر ڈسن کہہ چکا ہے۔ اسے یقیناً ان اپنے تھاں اتکا دہا ہو گا وہ اتنی صفائی سے اُو بیانے کی کوشش نہ کرتا۔ اگراب تم ان سے

کے بھی تو سیکھی جواب ملے گا کہ وہاں سے ایک یکینڈ کے لئے بھی نہیں ہے تھے اور تمہیں پچھپا بات بتاؤں گریئی صفات پر رہا کر دیا گیا ہے۔ شامن یہاں کا ایک بڑا سار ماہی دار ہے۔

"یک دہا نہیں لوگوں میں سے تو نہیں ہے جو کل وہاں موجود تھے۔"

"مگر ان میں سے نہیں تھے۔" فریدی نے کہا پھر۔ گار سلاکا کر چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔

"تکمکو...!" اس نے پھر حمید کو مخاطب کیا۔ "آج ڈسن نے ہمیں خاص طور پر مدعا کیا

ہے۔ تم ٹھیک سات بجے وہاں پہنچ جائا۔
”کیوں؟ کیا آپ نہیں جائیں گے۔“
”نہیں! جو کچھ میں کہوں کرتے جاؤ۔“

”تو پھر مجھے ناشتہ کر لینے دیجئے ورنہ آپ جو کچھ بھی کہیں گے میں اسے بھولتا جائیں۔ ایک بات میں تمہیں بتا دوں۔ روئینڈ سے ہمیشہ ہوشیار رہتا۔ وہ قتل کر دیئے میں دیوالگی کی حد تک پہنچ سکتا ہے۔“

”روئینڈ وہی چکنی کھوپڑی والا۔“

”وہی....!“ فریدی نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

ٹھیک سات بجے حمید برکلے ہاؤز پہنچ گیا لیکن اس کا استقبال بڑی سرد نہری کی گیا۔ اس وقت وہ عمارت میں تھا مہماں تھا۔ وہاں سب کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ ہورہا تھامیسے کوئی ناخوٹگوار واقعہ پیش آیا۔

”مجھے افسوس ہے۔“ ڈاکٹر ہڈسن نے حمید سے کہا۔ ”آج میں اپنا وعدہ نہ پورا کر دیں۔“ کیوں! وہ میں ابھی تک ناراضی ہیں۔ ”حید نے سمجھ دی گئی سے کہا۔“ ”بس ختم کر دو اس بات کو کیپن...!“ اس نے بہت بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ ”ہم لوگ سے چلے جائیں گے۔“

”کیوں کیا بات ہے۔“

”کوئی ہمیں خواہ خواہ پریشان کر رہا ہے۔“

”یعنی ذرا اوضاحت کرو ڈاکٹر ہڈسن سکا ہے کہ میں کوئی مدد کر سکوں۔“

”کرتل نہیں آئے۔“ ہڈسن نے پوچھا۔

”ہاں وہ آج کل بہت مشغول ہیں۔“

”میں اس سلسلے میں اُن سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”وہ اتنے مشغول ہیں کہ انہوں نے اپنی جگہ مجھے بھجا ہے۔ ورنہ تم نے مجھے تو مدعا نہیں کی۔“

”لیکن کل تم میک اپ میں کیوں آئے تھے۔“

201
”حالاً نکہ بتانا تو تھے چاہئے۔“ حمید خندی سائنس لے کر بولا۔ ”لیکن میں تم لوگوں کے کمالات بہت مرعوب ہوں۔“
”جید خاموش ہو کر پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔“
”اچھا تو تم سن ہی لوکل رات کو کسی نے روزیٹی کو بہت پریشان کیا ہے۔“
”روزیٹی کون۔“
”وہی لڑکی جس کارو خوں سے تعلق ہے۔“
”اوہ.... مگر کس نے پریشان کیا۔“
”یہی تو معلوم نہیں ہو سکتا۔ وہ اسے بے ہوش کر کے یہاں سے اٹھالے گیا تھا اور پھر دوبارہ بے ہوش کر کے بینیں ڈال گیا۔.... اوہ مگر تھہرہ تو تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“
”کس سوال کا۔“

”یہی کہ کل تم میک اپ میں کیوں آئے تھے۔“

”بات یہ ہے ڈاکٹر کہ ہم لوگ مجبور ہیں۔ ہمیں تمہارے متعلق ایک غلط اطلاع ملی تھی۔“
”لیکی اطلاع....!“

”اوہ.... مجھے دہراتے ہوئے شرم آرہی ہے۔“

”دیکھو.... میں بہت پریشان ہوں کیپن! مجھے ابھن میں نہ ڈالو۔“

”لیکا بتاؤں ڈاکٹر یہاں کے ایک بڑے تاجر نے تمہارے خلاف یہ شکایت کی تھی کہ تم ٹولی سے زیادہ لڑکوں کا بیوپار کرتے ہو۔“

”کس نے شکایت کی تھی۔“ ڈاکٹر ہڈسن پھر گیا۔

”افسوس یہ بتانا میرے محلے کے اصول کے خلاف ہے۔“ حمید نے مغموم صورت بنا کر کہا۔ ”یہ سراسر جھوٹ ہے.... اور میں اس سلسلے میں کھلی ہوئی تحقیقات کی درخواست کرتا ہوں۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر۔“ حمید نے فرم لجھے میں کہا۔ ”کل ہم مطمئن ہو کر یہاں گئے تھے۔ اب تم بتاؤ کہ اس لڑکی کے متعلق تم کیا کہہ رہے تھے۔“

”مگر یہ کتنا بڑا اور گندہ الزام ہے کیا تم لوگوں کی نظر وہ میں دوسروں کا کوئی احترام نہیں۔“

”ہے کیوں نہیں ڈاکٹر! ہم اس کی اچھی طرح خبر لیں گے۔“

"آخر تمت بتاتے کیوں نہیں کہ وہ کون ہے۔"

"بہت مشکل ہے۔ قاعدے سے تو مجھے یہ بھی نہ بتانا چاہئے تھا کہ تم لوگوں پر کوئی اور کیا گیا تھا مگر اب یہ بات واضح ہو گئی کہ تم لوگوں کے خلاف یہاں کوئی سازش ہو رہی ہے۔" "سازش... میں نہیں سمجھا۔"

"تمہاری روحلیں لوگوں کو کیا بتائیں ہیں۔"

"پہلے مجھے سوال کی نو عیت سمجھنے دو۔" ڈاکٹر بہمن حیدر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "کوئی یقینہ سوال نہیں ہے اور نہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں کسی بحص میں بتلا کیا جائے ا میں خود ہی اس کا جواب دیتا ہوں۔ لوگ عموماً پس مستقبل کے بارے میں سوالات کرتے ہوں گے" بالکل درست ہے۔" ڈاکٹر بہمن سر ہلا کر بولا۔

"اچھا... عام آدمیوں کا تو گزر ہے نہیں تمہارے یہاں... زیادہ تر بڑے لوگ آتے ہیں۔" "ہاں مجھے یہ بھی تسلیم ہے۔"

"غالباً ان میں سے بھی زیادہ تر تاجر ہی ہوں گے۔" "یہ بھی درست ہے۔"

"ٹھیک...!" حیدر ہلا کر بولا۔ "تاجر کا مستقبل کیا ہو سکتا ہے۔ بازار کا اتار اور چڑھاؤ۔" "یقیناً...!"

"بازار کا اتار چڑھاؤ۔" حیدر ایک لمبی سانس لے کر آرام کری میں دراز ہوتا ہوا بولا۔ "بازار کا اتار چڑھاؤ ان کا مستقبل ہے۔ وہ اس کے متعلق معلوم کرنا چاہئے ہے۔ لیکن ڈاکٹر یہ تو سوچ کر پکھے لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں روحوں کی پیشین گوئی کی بناء پر نقصان بھی اٹھانا پڑتا۔ فرض کرد کسی چیز کا بازار گرنے والا ہے۔ روح نے اسکے متعلق پیشین گوئی کر دی میجھے یہ ہوا کر کی نکای قبیل از وقت ہی بند ہو گئی۔ اب بتاؤ اس شخص کا کتنا برا نقصان ہوا جو اس کا انساک رکھتا ہے" "ٹھیک ہے... میں سمجھ گیا۔"

"بس تو ایسے ہی لوگ تمہارے خلاف سازش کر سکتے ہیں جنہیں تمہاری پیشین گوئیں نقصان پہنچنے کا اندر یہ ہو۔"

"میں بالکل سمجھ گیا کیپن۔ قطعی سمجھ گیا اور یہ بھی سمجھ گیا کہ پچھلی رات روزنی

"دکت کیوں کی بھی تھی۔"

"دکت کی بھی تھی۔" حیدر آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"پچھے نہیں... اس کا مقصد محض خوفزدہ کرتا تھا۔ میں پورا واقعہ بتاتا ہوں۔"

ڈاکٹر بہمن نے وہ سب پچھے دہر لیا جس سے روز بیٹی دوچار ہوتی تھی اس وزدان میں اس نے روز بیٹی کو بھی دیہن بولایا تھا۔ حیدر نے پورا واقعہ سن لینے کے بعد اس سے دوچار سوالات کے اور میں سریلی آواز سے لطف انداز ہوتا رہا۔

"بالکل ٹھیک ہے ڈاکٹر... یہ سب پچھے تمہیں خوفزدہ کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔"

"پرواہ نہیں... میں یہ کام بند نہیں کروں گا۔ اس وقت تک جب تک خود حکومت ہی نہ لے۔" ڈاکٹر بہمن نے گرم لبھے میں کہا۔

"یہ نہ کوڈاکٹر... مشرق آج بھی اتنا ہی نہ اسرار ہے جتنا صدیوں پہلے تھا۔ تمہاری بیب نے اس پر ایک نیا علاقہ پڑھا دیا لیکن غلاف کے نیچے وہی اصلیت ہے جو صدیوں پہلے یہاں کے جادوگر تمہیں یہ کام بند کرنے پر مجبور کر دیں گے۔"

"جادوگر...!"

"ہاں ڈاکٹر... آج بھی یہاں کا پچھے پچھے جادوگر ہے۔"

"میں نہیں مان سکتا۔ اب یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ زمانہ ختم ہو گیا۔"

"نہیں ہرگز نہیں۔" حیدر جوش میں آکر بولا۔ وہ چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔ غالباً وہ کسی نیت کے لئے پہلے ہی سے تیار ہو کر آیا تھا۔ اچانک اس کی نظر میں پیس پر رک گئی جہاں ہاتھی دکے کئی کھلونے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک چوہا بھی تھی جو پچھلی ناگوں پر پیٹھی ہوتی پڑھنی میں تھی جیسے اگلے بیرون سے کوئی چیز پکڑے ہوئے اسے کٹر رہی ہو۔

"کیوں ڈاکٹر... مجھے اس بات پر مجبور نہ کرو کہ مجھے یہی تمہیں اپنا کوئی کارنامہ دکھانا پڑے۔"

"کیا کارنامہ...!"

"جادوگا کر شمہ...!"

"آم...!" ڈاکٹر بہمن حقارت سے نہس کر رہا گیا۔

"زیادہ نہ جادوگر تو نہیں ہوں۔ لیکن کچھ نہ کچھ ضرور رکھتا ہوں۔ اپنی جھوٹی میں۔"

"میں کافی دچپسی لوں گا۔" ڈاکٹر ہنسن مسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں تم اپنے فلڈ پر خرگوش نکالو گے۔"

"نہیں....!" حمید آرام کر سی کے ہتھے پر گھونسہ مار کر بولا۔ "میں بے جان چیزوں رجھ سکتا ہوں۔ سمجھے... کسی کے مردہ جسم میں اسی کی روح کو دقتی طور پر واپس بلا لیتا ہو نہیں ہے۔ ڈاکٹر ہمارے یہاں کے بچے بھی ایسا کر سکتے ہیں تم نے فرعون کی ممی کی طرح کی روح کو تھوڑی دیر کے لئے رجوع کر لیا تو یہ کوئی بڑا کارنامہ نہ کھلا لے گا۔"

حمد کر سی سے اٹھ کر میٹھل پیس کی طرف گیا اور ہاتھی دانت کی چوہیا کو تھیل ہوئے واپس آیا پھر اسے میز پر رکھتا ہوا بولا۔ "یہ ایک بے جان چوہیا ہے ایک کھلونا... اسے گوشت و پوست میں لا سکتے ہو۔"

"نہیں بھائی۔" ڈاکٹر ہنسن مضمکانہ انداز میں ہستا ہوا بولا "میرے بس کاروگ نہیں۔ ڈاکٹر ہنسن حمید کا مضمکہ اڑا رہا تھا لیکن روزی یہ بہت زیادہ سمجھیدہ نظر آرہی تھی۔

"اچھا ڈاکٹر تو تم ذرا اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ میں اسے نہ صرف زندہ چوہیا میں تبدیل گا بلکہ جتنی دیر کہو گے اسے نچاتا بھی رہوں گا۔"

ہنسن پھر ہٹنے لگا۔ روزی یہ نہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ حمید پنالگ بکواس شروع کر دی تھی اور ساتھ ہی ساتھ وہ طرح طرح کے پوز بنا کر اچھتا کر جا رہا تھا۔ پھر ان دونوں کو یہ نہ معلوم ہوا کہ کب ہاتھی دانت کی چوہیا حمید کی جب میں کب خود اس کی پالتو چوہیا جیب سے نکل کر میز پر آئی۔ جیسے ہی حمید نے اپنے دونوں ہاتھ سے ہٹائے روزی یہ کے منہ سے ہلکی سی جیخ نکل گئی اور ڈاکٹر ہنسن جیرت سے آنکھیں ہوئے آگے جھک گیا۔

"ناچو... اب تم ناچو... میں جس وہن پر چاہوں گا تمہیں اُس پر ناچتا پڑے گا۔" چوہیا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم بھی ڈاکٹر ہنسن اور روزی یہ کی ہم وطن ہو۔ ناچو میری جان۔

جیسے ہی حمید نے یہی شروع کی تربیت یافتہ چوہیا میز پر چھڈ کئے گئی۔ ڈاکٹر ہنسن کی آنکھوں میں جیرت تھی اور اس کے ہونٹ کھلے ہوئے تھے۔ وہ چہرے پر خوف و جیرت کے ملے جملے آثار تھے۔

"ہاں جاؤ... چلی جاؤ... آؤ میری جیب میں آؤ۔" حمید نے مخصوص انداز میں میز پر چوہیا اس کے کوٹ کی جیب میں گھس گئی۔

حمد نے اسی جیب سے ہاتھی دانت کی چوہیا نکال کر میز پر ڈال دی۔

"واقعی ڈاکٹر....!" روزی یہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن نہ کہہ سکی۔ اس کے چہرے پر پینے کی بی تھیں جنہیں وہ رومال سے خشک کر رہی تھی۔

اپنک وہ دبلا پتلا انگریز کمرے میں داخل ہوا۔ جو دربان کی حیثیت سے برآمدے میں بیٹھا ہوا۔ اس نے ڈاکٹر ہنسن کو کسی کاملا قاتل کا رد دیا۔

"اوہ... کر غل فریدی۔" ڈاکٹر ہنسن نے متیر انہ لبجے میں کہا۔ "جاو... انہیں یہاں لاوے۔" انگریز چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

"میں جانتا تھا کہ تم نہیں ہو گے۔" اس نے حمید کو غصیلی آواز میں مخاطب کیا اور حمید بچ مجھ لایا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تمہاب یہاں نہیں آوے گے۔" "یا مطلب....!"

"ش اپ....!" فریدی اتنے زور سے چیخا کہ کمرے کی دیواریں جھنچھا اٹھیں۔ پھر اس نے ٹڑپن سے کہا۔ "اگر اب تم نے اسے اپنے یہاں آنے دیا تو اپنی لاکیوں کی بریادی کے خود ذمہ دو گے اور میں کسی قسم کی شکایت نہ سنوں گا سمجھے۔"

"غم کر کلیں....!" ہنسن نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر حمید کو والے کی طرف دھکیتا ہوا بولا۔ "نکلو یہاں سے۔"

حمد کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بھرے بازار میں ننگا کر دیا گیا ہو۔

دو فائر

ہر کلک پونچتے پونچتے حمید آپے سے باہر ہو گیا۔ غصے کے مارے اُس کا عجیب حال تھا۔ ذہن لفڑی کے خلاف کئی نمرے الفاظ گونج رہے تھے اور غصے کی زیادتی مگا گھونٹ رہی تھی۔ وہ خود پہنچا ہاتھوں بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ ابھی وہ کیڈی تک نہیں پہنچے تھے کہ انہیں ڈاکٹر ہنسن کی

”نم بحثتے ہو کہ اب وہ لوگ تمہیں منہ نہ لگائیں گے۔ لیکن برخوردار میراد عوامی ہے کہ کل آر گپٹ میں روزیں کے ساتھ رقص کرو گے۔ اگر ایسا نہ ہو تو فریدی کو گولی مار دینا۔ ہر حال تم نے آخر وقت تک اپنالپارٹ بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔“



حید نے تیہ کر لیا تھا کہ اب وہ کسی کام میں باتحن نہ لگائے گا۔ پچھلی رات اسے فریدی کی اس کرت پر ایسا معلوم ہوا تھا جیسے نہ صرف اس کی بلکہ اس کی آنے والی نسلوں کی توجیہ ہو گئی ہو۔ آج صبح اس نے فریدی کے ساتھ ناشستہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس وقت کرنے سے باہر ہی نہیں لاجب تک کہ فریدی باہر نہیں چلا گیا۔

پچھلی رات اس نے جو کچھ بھی کیا تھا فریدی کے کہنے پر۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ آخری منتظر لی اسکیم ہی کا ایک جزو تھا تو اس سے اس کا باخبر ہونا ضروری تھا۔ اس طرح اسے شرمندہ تونہ ہوتا تھا۔ لیکن پھر وہ سوچنے لگا کہ باخبر ہونے کی صورت میں اس کی ایکنگ اتنی جاندار نہ ہو سکتی۔ بے ری میں تو سب کچھ بالکل فطری انداز میں ہوا تھا لیکن پھر بھی اس کو فریدی پر غصہ تھا۔ جب

ئی پچھلی رات کا واقعہ یاد آتا وہ ایک بنے نام سی الجھن محسوس کرنے لگتا تھا۔ فریدی کے کمرے میں دری سے فون کی گھنٹی بچ رہی تھی لیکن حید کے کان پر جوں ترک نہیں رینگی۔ وہ آج کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ گھنٹی بند ہو گئی۔ پھر اس کے بعد ہی ایک نوکر حید ماحوال گاہ میں داخل ہوا۔

”آپ کافون ہے۔“

”کہہ دو موجود نہیں ہیں۔“

”مگر سرکار میں نے تو کہہ دیا کہ موجود ہیں۔“

”کس سے پوچھ کر کہہ دیا ہے۔“ حید اس پر برس پڑا۔

”صاحب کوئی عورت ہے۔“

”دیکھو....!“ حید فور ازرم پڑ گیا۔ ”مجھ سے پوچھے بغیر اس قسم کی حرکت نہ کیا کرو سمجھے!“ میں کہا جائے تھا دیکھ لوں کپتان صاحب ہیں یا نہیں۔“

”حضور وہ انگریزی بول رہی تھی اور مجھے انگریزی میں لس سراور نوسر کے علاوہ اور کچھ نہیں آتا۔“

آواز سنائی دی جو انہیں پکارتی ہوا تیزی سے اسی طرف آرہتا۔ فریدی رک گیا لیکن اس اب بھی حید کی گردان پر تھا۔

”مگر کرنل آخراتی خنکی کی کیا وجہ ہے۔ وہ مت ٹھہر دے۔ کچھ ٹھنکو کریں گے۔“ آئے اور کھڑے ہی کھڑے چل دیے۔ ”ذاکرہ سن فریدی کے قریب پہنچ کر بولا۔

”میں بہت عدیم الفرست آدمی ہوں۔“ فریدی نے خنک لبھ میں کہا۔

”لیکن کل اتنے عدیم الفرست نہیں تھے۔“

”مجھے افسوس ہے کل ایک غلط فہمی کی بناء پر یہاں چلا آیا تھا... اب کوئی بات نہیں۔“

”وہ تو مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔“

”غایباً اسی نالائق سے معلوم ہوا ہو گا۔“

”اوہ.... انہیں نالائق نہ کہو.... یہ تو بڑے کام کمال کے آدمی ہیں۔ بے جان جیزا جان ذاتے ہیں۔ ہاتھی دانت کی چوہیا کو میں نے ابھی تھرکتے دیکھا ہے۔ کرنل میرے خدا کمال ہے۔“

فریدی نے بڑی پھر تی سے حید کے جیب میں باتحن ڈال کر چوہیا کمال لی اور اسے ڈاکٹ کے چہرے کے نہ ابر اٹھاتا ہوا بولا۔ ”یرہی چوہیا.... میں تم سے یہی کہہ رہا تھا کہ اس۔ لڑکوں کو پچانا۔ لڑکیاں اس کی انہیں حرکتوں پر نہی طرح مرتبی ہیں اور پھر جتاب ہو جاتی ہیں۔ اب حید کی کھوپڑی بالکل ہی آؤٹ ہو گئی اور اس نے مچل کر اپنی گردان فریدی کی ا

سے آزاد کر لیں گے وہ بھاگ نہیں سکا۔ کیونکہ فریدی نے اس کی کلامی پکڑ لی تھی۔

”اچھا! ذاکرہ... شب بخت!...!“ فریدی نے کہا اور انگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر حید اندر بیٹھ گیا۔ کیڈی چل پڑی۔

”کیا مطلب تھا اس کا۔“ حید حلچ پھاڑ کر چھن۔ ”خود ہی بھیجا پھر اس طرح ذلیل بھی کام فریدی بے تحاشہ بہنے لگا اور اب حید نے باقاعدہ طور پر اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

”بُن اتنے ہی میں ہوش ٹھکانے آگئے۔“ فریدی بھی ضبط کر تا ہوا بولا۔ ”فزور من!“ اسکیم کا آخری حصہ تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا تم لاکھ برس میں بھی نہ کر سکتے جو میں چاہتا تھا۔

”آپ کے چانے ہی کے لئے تو میں پیدا ہوا ہوں۔“

ہبانتے ہو کہ ہم مغربی لوگ اس معاملے میں تک نظر نہیں ہیں۔“
میں جاتا ہوں۔“

ڈاکٹر تم سے ملنے کے مشائق ہیں۔ امرے لو، وہ آہی گئے۔ ”روزیٹی نے کہا۔
اپنے بعد حمید کے کان میں ہلکی سی بھینٹناہٹ گو خجتی رہی۔ شاید روزیٹی اور ڈاکٹر آپس
وکرنے لگے تھے۔ ”یہلو۔“ چند لمحوں کے بعد روزیٹی کی آواز آئی۔
پلو...!“

”دیکھو... ڈاکٹر کچھ کہنا چاہتے ہیں۔“

”لو...!“ ڈاکٹر کی آواز آئی اور پھر وہ بولتا ہی رہا۔ ”شریر لڑ کے آج تم ضرور آؤ گے میں
ہت زیادہ پسند کرنے لگا ہوں۔ آج ہم ایک کال ٹیل پارٹی میں جا رہے ہیں جس میں ہمارے
پلانا ہو گا کچھے اور تمہارے ساتھ تمہاری چوہیا بھی ہو گی۔ اور سنوجوان آدمی رقص کے
امیں ساٹو تھے امریکین کا کٹ ٹیل بھی شامل ہے۔“

”مگر میرے چیف نے...؟“

”اوہ... چھوڑو اب سے... وہ مجھے کوئی ملا معلوم ہوتا ہے۔“
”اچھا ڈاکٹر میں ضرور آؤں گا۔“

”ابھت ابھت... میں سات بجے تمہارا منتظر رہوں گا۔“
وہنکا سلسلہ دوسری طرف سے منقطع ہو گیا۔



ریٹی نے ہنگات پر رہا ہوتے ہی اپنے شراب خانے کا رخ کیا تھا۔ اس کے پڑو سی اس کی
لی پر خوش تھے وہ کچھے تھے کہ شاید اب اس سے ہمیشہ کے لئے نجات مل گئی۔ کیونکہ انہوں
نے البتہ خبر سنی تھی کہ اس پر اس کی محبوہ کے قتل کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ لیکن جب انہیں یہ
الی کہ وہ ہنگات پر رہا کر دیا گیا ہے تو وہ اظہار ہمدردی کے لئے جو حق درجوق اس کے پاس
لگے۔ مگر انہیں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ انہیں اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ
انغلاقاً برداشت کرتا رہا۔ ویسے بھی پڑو سیوں کے ساتھ اس کا بر تاؤ نہ انہیں تھا۔ وہ دراصل
بیلے سے کوئی سر و کار ہی نہیں رکھتا تھا۔

”اور تم نے اس عورت کو بھی سر ہی کہا ہو گا۔“

”لیں سر...!“ نوکرنے کچھ اس انداز میں کہا کہ حمید کو بھی آگئی۔

وہ فریدی کے کمرے میں آیا۔ ریسیور میز پر پڑا ہوا تھا۔

”یہلو...!“

”کون... کیپٹن!“ دوسری طرف سے نوابی آواز آئی۔

”ہاں... آں... آپ کون ہیں؟“

”روزیٹی...!“ اس طرح کہا گیا جیسے ہنسی بدنکے کی کوشش کی جا رہی ہو۔

”ہوں... کیباٹ ہے۔“

”کیا آج نہ آؤ گے۔“ وہ بے ساختہ نہیں پڑی۔

”ضرور آؤں گا۔“ حمید دانت پیس کر بولا۔

”آپ غصے میں معلوم ہوتے ہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی ”مگر یہ اچھا ہوا اور
میں تمہیں فون کرنے کی ہمت نہ کر سکتی۔“

”کیوں... میں نہیں سمجھا۔“

”اگر رات والا واقعہ حقیقت پر مبنی ہوتا تو میں تم سے خائف ہوتی۔ لیکن اس وقت نا
لطف آ رہا ہے۔ ڈاکٹر کی زبانی اصل والا واقعہ معلوم کر کے میں بڑی دریکٹ شنستی رہی۔ تم نے کہ
سفائی سے ہمیں انو بنا یا تھا۔ مگر پھر بھی تمہارے کمال کا مترف ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ چوہوں
سدھانا قریب قریب نا ممکن ہے۔“

”ہاں... ہے تو...!“

”مگر میرا خیال ہے کہ تمہارا چیف عورتوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا۔“

”تم ٹھیک سمجھیں۔“ حمید نے برا اسمانہ بنا کر کہا۔ ”اگر اس کا بس چھتا تو وہ عورت کی بجا
کسی مرد کے پیٹ سے پیدا ہونے کی کوشش کرتا۔“ جواب میں حمید نے ایک سریلا قہقہہ سن

”اچھا چھوڑو... آج کس وقت آرہے ہو۔“

”ہاں میں کیا کل تم نے میرے چیف کی گفتگو نہیں سنی تھی۔“

”سنی تھی... اسی لئے میں نے بیہ کہا تھا کہ عورتوں کے بارے میں وہ اچھی رائے نہیں

یہاں فون مت کرنا۔ جب مجھے ضرورت ہو گئی تم سے کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم کر لوں گا۔”
اور پھر اس کے بعد ہی دوسری طرف سے سلسلہ مقطع کردیا گیا۔
گریٹن نے رسیور پختہ ہوئے ایک کریہ سی گالی ڈی اور فون کو مکاؤ کھاتا ہوا بولा۔ ”اچھا سو
بچے سب سے پہلے تھے سے ہی نپوں گا۔ نہیک ہے تیری ہی بدولت سونیا کی جان گئی۔ اچھا تو
رات تیری آخری رات ہو گی۔“



ڈیکین ہاں میں امریکن سفارت خانے کی طرف سے کال میل پارٹی دی گئی تھی جس کے
ہمراور دوسرے پروگرام بھی تھے۔ حید اس موقع پر پیچھے نہیں رہا تھا۔ اگر ڈاکٹر ہڈسن اسے
ینہ کرتا تھا بھی وہ یہاں ضرور پہنچتا۔ کیونکہ اس کے اور فریدی کے نام براہ راست دعویٰ
ہے آئے تھے۔ لیکن فریدی ڈیکین ہاں میں موجود نہیں تھا۔
ڈاکٹر ہڈسن کے ساتھ دونوں لڑکیاں آئی تھیں اور حید اپنے ڈنز سوٹ میں بڑا سماڑت لگ
تھا لیکن وہ اپنی پالتو چوہیا ساتھ نہیں لایا تھا۔

رقص میں وہ باری باری سے دونوں لڑکیوں کو ہم رقص بناتا رہا۔ روزیٹی اس تقریب کی
نزاوی تھی۔ شہر کے سینکڑوں آدمیوں نے اس سے رقص کی درخواست کی لیکن وہ حید کے
اولاد اور کسی کے ساتھ نہیں ناچی۔

دو بجے تک سورتیں کتیوں کی طرح بھونکنے لگیں۔ ساٹھ امریکن کا ک میل کا دور شروع
ہو گیا تھا اور مہذب ترین آدمیوں پر بھی وحشت طاری ہونے لگی تھی۔ اور وہ جانوروں کی طرح
بے مہار ہو گئے تھے۔ اس وقت حید روزیٹی کے ساتھ ناج رہا تھا۔

”جنگل کہیں کر۔“ وہ حید کا بازو و نوجہ کر بولی۔

”ہلا.....ہلا.....ہے ہا۔“ حید مو سیقی کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ قبیلے لگانے لگا۔

”مجھے یہ دھیانہ انداز رقص بالکل پسند نہیں۔“ روزیٹی بسوار کر بولی۔

”تو پھر ختم کرو.... ہم کہیں چل کر بیٹھیں۔“ حید نے کہا۔

”ہاں کہیں بہتر ہے.... میں بہت تھک گیا ہوں۔“

”ڈاکٹر کہاں ہے۔“

بہر حال جب ان سے فرصت ملی اور وہ رم کی آدھی بوقت ختم کر چکا تو اسے ر
ستا نہ گی اور اس کا دل اسے ملامت کرنے لگا شاید زندگی میں پہلی بار اسے اپنے کمینہ پنا
ہوا تھا۔ وہ آدھی بوقت میز پر ہی چھوڑ کر انٹھ گیا۔ سونیا کی تصویر بُری طرح اس کے ذہر
تھی۔ وہ سونیا کو چاہتا تھا اس کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا تھا اور سونیا ہر حال
و قادر کیتا کی طرح اس کے اشارے پر دم بلانے لگتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب
عورت اس کی زندگی میں کبھی واصل نہ ہو سکے۔

وہ ٹھہرتا ہوا سی راہداری میں آیا جہاں اس نے سونیا کو بُری بے درودی سے مار ڈالا تھا۔
محسوس ہونے لگا جیسے سونیا بھی اس کی گرفت سے نکلنے کے لئے بے بُری سے ہاتھ
ہو۔ گریٹن کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔ وہ آہستہ آہستہ گھٹر کے دہائے
برہنے لگا اور پھر اس کے قریب پہنچ کر اس کے جسم میں تھر تھری کی بیدا ہو گئی۔

وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس کے کافنوں میں گرجے کی گھنٹیاں بُری تھیں۔ تیز تم
جن کی جھنجھناہٹ سے اپنے سارے جسم میں محسوس ہو رہی تھی اور پھر گھنٹوں کے اُ
اسے سونیا کے رونے کی آواز سنائی دی۔ کتنا درد تھا اس آواز میں۔ اس آواز میں کتنی پر
جب وہ اسے پینا کرتا تھا تو وہ ایسی ہی آواز میں رو تھی۔ گریٹی کی آنکھوں سے دھاری
اور وہ بے ساختہ زمین پر گر گیا۔ اس کی پیشانی گھٹر کے آہنی اور کھرد رے ڈھکن پر
رورہا تھا اور اپنی پیشانی گھٹر کے ڈھکن پر اس طرح رگڑ رہا تھا جیسے وہ سونیا کا رخبار ہو۔
یک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا اور اب اس کی آنکھوں میں آنسو
”مار ڈالوں گا۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں چینا۔ ”میں فریدی کو مار ڈالوں گا۔“

دوسرا لمحے میں وہ بہت تیزی سے اپنے رہائشی کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ اس
کی کے نمبر ڈاٹل کئے۔

”یہلو! میں گریٹی بول رہا ہوں۔ ہاں گریٹی... مجھے ایک ریو اور چاہئے۔ باقاعدہ
پہلے میں نے اپنا سامان ضائع کر دیا تھا.... مجھے ایک ریو اور چاہئے.... سچھے بولو....
نہیں دیتے۔“

”یہ کیا حماقت ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تم بچ مجھ گردھے ہو۔ خبرا۔

”پتہ نہیں....!“

”اور....وہ....ریگی....!“

”میں نہیں جانتی....کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔“

”ار....نہیں....تم تو....کسی مصور کا حسین خواب ہو۔“

”بچھے شاعری سے نفرت ہے۔“ تجانے کیوں روزینی پچھے جلاسی گئی تھی۔

”تب پھر بچھے کہنے دو کہ ایک دن تمہارا خوب صورت جسم کیزے کھاجائیں گے تم صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاؤ گی اور یہ کہ اس وقت بھی تمہارے پیٹ میں آنیں ہیں۔ جنمیں دیکھنے سے گھن آتی ہے۔ اگر تمہارا پیٹ پھاڑ دیا جائے تو تمہارے چہرے پر لگے ہوئے روز اور غازے کی کیا وقت رہ جائے گی۔“

”تم آلو ہو۔“ روزینا بھتنا کر بولی۔

”میں شاعری بھی کر سکتا ہوں اور آلو بھی ہوں۔“

وہ دونوں ناچھتے ہوئے بھیرے سے نکل کر اپنی میر پر آگئے۔

ڈاکٹر ہڈسن اور ریگی وہاں بھی نہیں تھے۔ روزینی تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

”کیوں کیا بات ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”ڈاکٹر اور ریگی....انہیں نہیں بیٹھا ہوتا چاہئے تھا۔“

”ڈاکٹر کو ریگی سے عشق تو نہیں ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”تم بعض اوقات پاگلوں کی طرح بکواس کرنے لگتے ہو۔“

”کیوں کیا میں نے کوئی نرمی بات کہہ دی ہے۔“

”ڈاکٹر بہت نیک آدمی ہے۔“

”تو کیا میں بُدا آدمی ہوں۔“

”میں کب کہتی ہوں۔“

”تو پھر بچھے تم سے عشق ہو گیا ہے۔“

”ہو جانے دو۔“ گریٹھی نے لاپرواٹی سے کہا۔

”نہیں یوں نہیں....تم بھی کوکہ تمہیں مجھ سے عشق ہو گیا ہے۔“

”تم کھلندے رہے ہو....میرا مذاق نہ لڑاؤ۔“

اچاک دامنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ ثوب کر فرش پر گرد۔ حید پوچھ کر ایک طرف ہو گیا۔

اور اسی اضطراری حرکت نے اس کی جان بچائی کیونکہ شیشہ ثوب نے کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا تھا۔

حید نے خود کو کسی سے گرا دیا تھا۔ پھر ایک ہنگامہ سا براپا ہو گیا۔ ہال میں کسی نہ کسی کے گوئی

ضرور گئی تھی۔ پچھے لوگ دوڑ کر حید کی طرف آئے اور اس نے کھڑکی کی طرف اشارہ کر دیا۔

روزینی دور کھڑکی کا پٹپٹ رہی تھی۔

اچاک اس کی نظر فریدی پر پڑی جو جمع میں کھڑا سے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی

دنوں کی نظریں میں فریدی کے ہونتوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

روزینی بھی فریدی کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت اسے بہت پُر اسرار معلوم ہو رہا

تھا۔ حید فریدی کی طرف بڑھا۔

”فکر کی بات نہیں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”وہ پاگل ہو گیا ہے۔“

”کون....!“

”گریٹھی۔ اس نے پہلا فائر ڈاکٹر ہڈسن پر کیا تھا مگر وہ نجیگیا۔“

”ڈاکٹر کہاں تھا۔“

”بانگ میں....!“

”سیاگریئی پکولیا گیا۔“

”نہیں۔“

نرمندہ لاش

روزینی وہاں تھا رہ گئی۔ کیونکہ حید کو فریدی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ لوگ سوالات کر کے اسے پریشان کرنے لگے تھے اور روزینی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اب کیا کرے۔ اسے وہیں رک کر ڈاکٹر ہڈسن کا انتظار کرنا تھا۔

زے کھول دیئے گے۔

روزینی اس دوران میں خاموش ہی رہی اور ریگی ان لڑکوں میں سے تھی جو بغیر ضرورت بہن کرتیں۔ ٹھنگو کے دوران میں اکثر وہ مخاطب کو اس طرح دیکھنے لگتی تھی جیسے اس کے ہمیں اس کی آواز ہی نہ پہنچ رہی ہو۔

ڈاکٹر ہڈسن بڑی تیز رفتاری سے اپنی کار برلے ہاڑز کی طرف نئے جا رہا تھا اور اسے اس بات کا احساس تھا کہ ایک تیز رفتار موڑ سائکل اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ ایک بار روزینی نے بھی اس طرف اشارہ کیا۔ لیکن اس نے ڈاکٹر ہڈسن کے اطیمان میں ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں برلے ہاڑز کا چھانک کھلا ہوا تھا۔ وہ اپنی کار اندر لیتا ہوا چلا گیا۔

اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ کار کا تعاقب کرنے والا کون ہے۔ وہ کار کو ایک روشن پر روک کر یا ہائی کیڈیوار کی طرف لپکا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت ایک فائر ہوا اور گولی سننا تی ہوئی اس کے پسے نکل گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ خود کو زمین پر گرا۔ اس نے لڑکوں کی چیزیں سنیں اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بھاری قدموں سے بھاگتا ہوا کی طرف جا رہا ہو۔

وہ زمین ہی پر پڑے پڑے چھانک کی جانب رینگنے لگا۔ تھوڑی ہی دور رینگنے کے بعد کچھ بیسال دینے لگیں جیسے باہر کچھ لوگ ایک دوسرے سے گھنگھے ہوں۔ ڈاکٹر ہڈسن چھانک بیگ آیا۔

ملئے سڑک پر اسے دو آدمی تاروں کی چھاؤں میں لڑتے ہوئے دکھائی دیئے۔ وہ ایک اسے پھونے بر سار ہے تھے۔ ان میں سے ایک تو یقیناً بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔ جیسے ہی وہ سجائے کی کو شش کرتا دوسرا اس پر اس بڑی طرح حملہ کرتا کہ اسے رک کر پلٹنا ہی پڑتا تھا۔

”ولینڈ...!“ ڈاکٹر ہڈسن نے آہستہ سے پکارا۔ لیکن لڑنے والوں کے منہ سے ہلکی سی زخمی نکلی۔

”ولینڈ...!“ ڈاکٹر ہڈسن نے پھر پکارا۔ مگر لڑنے والے بدستور لڑتے رہے اور ان کی نر سے کلی جواب نہ ملا۔ اس بار ہڈسن کی جھلاہست بڑھ گئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ اچھاک ایک کار آکر ان لڑنے والوں کے قریب رک گئی۔ اس کی ہیئت لاٹھوں کی روشنی ایک

آنے والے جلد ہی ختم ہو گیا۔ ڈاکٹر ہڈسن بھیڑ کو ہٹاتا ہوا ریگی سمیت اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”اوہ....ڈاکٹر....!“ روزینی نے کہا اور اسے اپنی سندھی سانس بڑی تسلیم آئی محسوس ہوئی۔ ”کیوں.... کیا بات ہے۔“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”کسی نے کیپن حید پر فائر کیا تھا۔“ روزینی نے ٹوٹی ہوئی کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا ”وہ بچ گیا لیکن گولی ایک دوسرے آدمی کی ناگز میں گئی۔“

”کیپن کہاں ہے۔“ ”اس کا چیف اپنے ساتھ لے گیا۔“

”اچھا.... چلو جلدی کرو۔“

انتہے میں امریکی سفارت خانے کے ایک افسر نے مائیکروفون پر اعلان کیا کہ معزز مہماں اپنا بیجھوں پر بیٹھ جائیں۔ پولیس نہیں چاہتی کہ ضرورتی کارروائی سے قبل کوئی باہر جائے۔

بھیڑ چھٹے گئی۔ لوگ اور ہر اور کرسیوں پر بیٹھنے لگے تھے اور ہال میں مختلف قسم کی میٹی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کچھ عورتیں جو نئے میں چور تھیں، اب بھی قبیچہ لگا رہی تھیں۔

”یہاں شہر ناظرے سے خالی نہیں۔“ ڈاکٹر ہڈسن چاروں طرف دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

”تو پھر نکلنے کی کیا صورت ہو گی۔“ روزینی نے پوچھا۔

ڈاکٹر ہڈسن پکھنے بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”مجھ پر بھی فائر کیا گیا تھا۔“

”کیا...!“ روزینی اچھل پڑی۔

”ہاں.... میں باغ میں تھا۔ رو لینڈ کی واپسی کا منتظر تھا۔“

”لیکن فائر کیا کس نے؟“

”میں خود بھجن میں ہوں اور پھر تم کہتی ہو کہ اس سراغ رسیں پر بھی فائر کیا گیا تھا لیکن گولی نہ اس کے لگی اور نہ میرے۔ میں ایک خیال لائیں پر سونپنے کیلئے مجبور ہو گیا ہوں۔“

روزینی کچھ نہ بولی۔ وہ تشویش آئیز نظروں سے ڈاکٹر ہڈسن کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”فریڈی، بہت چالاک آدمی ہے۔“ ڈاکٹر نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”یہ اسی کی حرکت ہے۔“

پولیس کی رپورٹ مرتب کرنے میں پورا ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ پھر تین بجے ہال کے

بار لڑنے والوں پر بھی پڑی تھی اور ڈاکٹر ہڈسن ان میں سے ایک کو پہچان کر ششندروہ کار کی روشنی بھادی گئی اور اس پر سے دو آدمی اترے اتنے میں لڑنے والوں میں ذہیر ہو چکا تھا۔ پھر ڈاکٹر ہڈسن کو تین دھنڈے سائے نظر آئے جو گرے ہوئے آدمی کو کی طرف لے جا رہے تھے۔

قبل اس کے کہ ڈاکٹر ہڈسن کوئی فیصلہ کرتا کار فرانسے بھرتی ہوئی دور نکل گئی۔
پھر تقریباً تین چار منٹ تک وہ دیہن سینے کے بل زمین پر پڑا رہا۔

آہستہ آہستہ تاریکی کا غبار چھٹا جا رہا تھا اور تارے اس طرح جھملارہے تھے جیسے کہ پچھے مخصوص انداز میں پلکیں جھپکاتا ہے اور اب پھر وہی اتحاد سنانا اور جھیگروں کی جھائی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ازل سے اب تک سنائے کا یہ سلسلہ ٹوٹا ہی نہ ہو۔
ہڈسن کچھ دیر تک تو زمین ہی پر پڑا ہوا رینگتا رہا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر چلے گا۔ دونوں لڑکیاں اب بھی کارہی میں تھیں اور ایک دوسری سے اس طرح لپی ہوئی تھیں جیسے اس ساتھ ہی جینے اور مرنے کا تہبیہ کر لیا ہو۔



دوسری صبح فریدی نیشنل بنک میں داخل ہوا اور سیدھا نیجر کے آفس میں چلا گیا
شاید اس سے پہلے ہی سے واقف تھا۔ احترماً کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کے سامنے بیٹھا ہوا آدا
بیٹھا رہا یہ شہر کا ایک بڑا سرمایہ دار تھا۔

نیجر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور فریدی اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔
”فرمائیے! کیا خدمت کروں۔“ نیجر نے مسکرا کر پوچھا۔

”اس بینک کی معرفت دو میاں فرودخت کی گئی ہیں۔“
”جی ہاں۔“

”کس نے خریدی ہیں۔“

”آپ نے....!“ نیجر نے سر سے اشارہ کرتے ہوئے سامنے والے آدمی کی طرف
”اوہ.... آپ نے....!“ فریدی اس کی طرف مزکر بولا۔
”جی ہاں.... کیوں....؟“ اس نے فریدی کو گھور کر پوچھا۔

”کیا آپ نے میاں یہاں سے اٹھا لیں۔“

”میں آپ کے سوالات کا جواب کیوں دوں۔“ اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اس لئے....!“ فریدی اس کے سامنے اپنالا تلقی کا رذہ رکھتا ہوا بولा۔

اس نے کاڑہ کو غور سے دیکھا اور پھر فریدی کو تیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

”آپ یہ سب کیوں دریافت کر رہے ہیں۔“

”اس کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں جناب۔“ فریدی نے شنک لہجے میں کہا۔

”ہاں میں نے دو میاں اسی بینک کی معرفت خریدی ہیں۔ قیمت ابھی ادا کر چکا ہوں۔ اب میاں یہاں سے اٹھوا کر گھر لے جاؤں گا اور پکھ۔“

”نہیں! اب ان میوں سمیت میرے ساتھ چلیں گے۔“

”تم جانتے ہو میں کون ہوں۔“ اس آدمی نے گز کر کہا۔

”زیادہ سے زیادہ کسی مشرک کے سامنے ہو گے.... اور کیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اچھا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں۔“ اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔
لیکن اسے ایک غیر متوقع ذہنی حصکے سے دوچار ہوتا پڑا۔ فریدی نے میز پر رکھا ہوا ذول اٹھا
کر اس کے ہاتھ پر سید کر دیا تھا۔

”خود کو میری حرast میں تصور کرو۔“ فریدی نے اس انداز میں کہا جیسے بہت دنوں سے
ملاتا ہونے پر کسی کی خیریت دریافت کر رہا ہو۔

”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“ وہ آدمی گرج کر بولا۔

”میں قطعی ہوش میں ہوں۔ میرے کہنے پر عمل کرو، ورنہ ہاتھ کڑیاں لگا کر لے چلوں گا۔
مجھے.... میں جانتا ہوں کہ تم ایک بڑے سرمایہ دار ہو لیکن قانون بہر حال قانون ہے۔“

”آپ دیکھ رہے ہیں۔“ وہ جھلا کر نیجر کی طرف پلن۔

”نیجر کچھ نہ بولا۔ شاید ابے پہلے ہی سے خبردار کر دیا گیا تھا۔“

”تم مجھے کسی بات پر مجبور نہیں کر سکتے۔“ اس نے فریدی سے کہا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ تم سرعام اپنی بے عزتی پر مسرور ہونا چاہتے ہو۔ خیریت اسی میں ہے کہ
جو کچھ کوں کرتے جاؤ۔“

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

"اچھا تو چلو....!" فریدی جیب سے ہتھ کڑیوں کا جوڑا لکھتا ہوا بولا۔ پھر دروازے کی طرف دیکھ کر بلند آواز میں کہا۔ "رمیش اندر آجائے۔"

دوسرے ہی لمحے میں سرجنت رمیش ایک آدمی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

"اس کے ہاتھ پکڑو، میں ہتھ کڑیاں لگائیں گا۔"

دونوں اس پر جھک پڑے اسے قابو کرنے میں زیادہ دشواری نہیں پیش آئی۔ فریدی نے ہتھکڑیاں لگادیں۔

"اچھا میں دیکھ لوں گا....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

فریدی اسکی بات کا جواب دیے بغیر رمیش سے بولا۔ "غالباً میں گاڑی پر رکھ دی گئی ہو گئی۔" "جی ہاں....!"

اب فریدی اپنے شکار کی طرف مڑا۔ ایک لمحہ اسے حقارت آمیز نظرؤں سے دیکھا رہا ہے بولا۔ "چلے جتاب....! اب آپ کو ای صورت میں چلانا پڑے گا۔" رمیش اور اس کے ساتھی نے اسے کھینچ کر کرسی سے اٹھا دیا۔ بینک کا نیچر خاموشی سے بٹا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پتھر کا بات ہو۔

"اچھا جتاب....!" فریدی نیچر کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔ قیدی دروازے کے قریب رک گیا تھا۔ جیسے ہی فریدی اس کے قریب اپنپا اس نے آہن سے کہا۔ "ہتھکڑیاں اترادیتیجھ....! میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فریدی نے کہا اور ہتھکڑیاں اس کے ہاتھوں سے الگ کر دیں۔ اور پھر وہ باہر نکل آئے۔ سڑک پر پیچتے ہی اس آدمی نے فریدی سے کہا۔

"میاں گلو خلاصی کی کوئی صورت نہیں۔"

"گلو خلاصی کے لئے عدالتیں کھلی ہوئی ہیں۔ بس گاڑی میں بیٹھ جائیے۔"

"ایک لاکھ لے لیجھ۔"

"ایسی صورت میں ایک دوسرا مقدمہ بھی آپ پر قائم کیا جا سکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ ملکہ سراج رسانی کی ایک بڑی سی دین سڑک پر موجود تھی۔ فریدی اپنے قیدی سمت اتنا

لے رہے تھے دو میال رکھی ہوئی تھیں۔ ہزار ہا سال پرانی لاشیں.... وین روشنہ ہو گئی۔ پھر فریدی تھوڑی ہی دیر بعد اپنے ٹھکے کے ڈی۔ آئی۔ جی کے آفس میں موجود تھا۔ اُس نے تیدی بھی تھا اور میال بھی.... ڈی۔ آئی۔ جی نے اُس قیدی کو تھی آمیز نظرؤں نے برت کی بات بھی تھی۔ وہ نہ صرف ایک بلا سرمایہ دار بلکہ پیک لائف میں بھی لیدر قوم تھا۔

یہ....! ڈی۔ آئی۔ جی۔ نے آہستہ سے کہا۔

تھی ہاں.... اتنے اونچے قسم کے جرام چھوٹے موٹے آدمی نہیں کرتے۔" یعنی معاملہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔"

میں عرض کرتا ہوں.... اس واقعے کا تعلق سینٹرل بینک والے معاملے سے ہے۔ وہاں میں جعلی نوٹ آئے تھے۔"

لہاں میں سمجھ گیا لیکن.... یہ معاملہ....!"

ٹھریے.... میں بتاتا ہوں.... ڈاکٹر ہڈسن والا معاملہ گوش گزار کر چکا ہوں۔ اب میں اطريقہ تاویں کا جس سے ایسی انہوںی پاتیں بھی ہو جاتی ہیں۔"

کیا کچھ ورزد ہو گیا۔ فریدی میں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ دمیال ہیں۔"

د آئی۔ جی کچھ بولا نہیں۔ وہ جواب طلب نظرؤں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

میں اسکی صرف لکڑی کے خول ہیں اور ان پر اس طرح کارو غنی کیا گیا ہے کہ یہ میال نہیں اور آپ یقین کیجئے کہ آپ کو ان میں سے کسی میں بھی کوئی لاش نہ ملے گی۔

اور آخر ہے کیا بلاد۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے آتائے ہوئے لجھ میں کہا۔

لجھ....! اس نے کہا اور می کے درمیانی جوڑ کو ٹوٹ لے گا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ٹھککے کے ساتھ کھل کر پیروں کی طرف کھڑا ہو گیا اور ساتھ ہی ڈی۔ آئی۔ جی کی

لی چھت سے پھیل گئیں۔ کیونکہ می کے خول میں نوٹوں کے بندل بھرے ہوئے تھے۔

وکیجھ..... یہ رہے اصلی نوٹ.... اور انہیں نمبروں کے جعلی نوٹ نیشنل بنک کے "ام میں بیٹھ گئے ہوں گے۔"

”اور اب دیکھئے مجھے یقین ہے کہ اس دوسرے خول سے کوئی زندہ لاش برآمد ہوگی
نوٹ کسی فوق الفطرت طریقے سے ادھر آؤں نہیں مغلی ہوتے۔“

”کیا اس کے اندر کوئی ذہنی روح زندہ رہ سکتا ہے۔“ ”ڈی۔ آئی۔ جی نے دوسری گئی
دیکھتے ہوئے کہا۔

”سب کچھ ہو سکتا ہے.... جتاب والا! اسے بھی دیکھ لجھے۔“

فریدی نے دوسری گئی کا بھی دیکھن اٹھادیا۔ اس کی توقع کے مطابق بچھے اسی؟
آدمی لیٹا ہوا نظر آنا تھا۔ پھر وہ آدمی اچھل کر کھڑا آؤ گیا۔ اس کا چہرہ گیس ماںک میں پھر
اور کمر کے گرد چاروں طرف آسیجن کی تھیلیاں لگی ہوئی تھیں۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے چہرے
ماںک ہٹا دیا گیا۔ یہ وہی دبلا پلامد وقق سانگریز تھا جو برکلے ہاؤز میں دربانی کے فرانسی
تھا۔ فریدی پر نظر پڑتے ہی اس کی گھنگھنی بندھ گئی۔

”تو یہ رہی وہ زندہ لاش...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اور یہ طریقہ ہے جعلی نوٹوں کی تفہی
” تو کیا میں بینک کی معرفت فروخت ہوتی رہی ہیں۔“ ”ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

”جی ہاں... اُن کا پہلا شکار سینٹرل بینک تھا اور دوسرا نیشنل بینک۔“

اگر یہ کھرابی طرح کانپ رہا تھا۔ پھر یہ بیک وہ گرپا۔

فریدی نے جھک کر اسے دیکھا اور پھر سیدھا کھڑا آنکھوں کو بولا۔ ”بیویو ہو گیا ہے۔“
”تو کیا ڈاکٹر ہے سن...!“

”جی ہاں... وہی...“ فریدی نے کہا۔ ”وہ ان کا سر غندہ ہے۔ اُس کے ایک آدمی
میں پچھلی رات کو گرفتار کر چکا ہوں۔ ہُنگ من نے اسے میری نقش و حرکت پر نظر
مقرر کیا تھا۔ پچھلی شام کو یہ دونوں میں نیشنل بینک میں پہنچائی گئی تھیں۔ اُس کے بعد
میرے پیچے لگ گیا تھا۔ ہُنگ من نے یہ کار بار شروع کرنے کے قلب ہی سے مجھ پر نظر کیا
فریدی نے اس سلسلے کے دوسرے واقعات دہرانے شروع کئے، روحوں سے ٹھنڈے
پانچ آدمیوں کو دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو جانا۔ اور سب سے بڑا لٹینہ۔ روحوں نے

اطلاع بھی دے دی تھی کہ اس وقت وہاں فریدی اور حمید بھی موجود ہیں۔

”اے۔“ ”ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔“

خاص بات نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور پھر یہ حضرت۔“

نے قیدی کی طرف اشارہ کیا۔ ایک لمحہ خاموش رہا اور پھر بولا۔ ”یہ ان میوس کو گھر لے
رہاں تو نوں کے حصے بخڑے ہو جاتے۔۔۔ یہ حضرت جو قوم کے لیڈر ہونے کا بھی
ہیں۔“

چھنٹہ بولا۔ فریدی نے اُسے چھنٹہ کر کہا۔ ”کیا کہتے ہو... کیا تمہیں اس جرم سے انکار ہے۔“
نہیں بولا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔
سُن تک پہنچ کس طرح۔“ ”ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

ٹانکے ذریعے۔ میں ایک مشتبہ آدمی کا تعذیب کرتا ہوں اور چھتھم روڈ کی ایک عمارت تک
ہاں میں نے ایک تہہ خانے میں پچھے ایسے شناخت دیکھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں
نصب تھی۔ پھر وہیں پاچھا معلوم آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا۔ لیکن فرار ہونے میں
لگے۔ دوسرے دن اس آدمی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا جس کے ذریعے میں اُس
پہنچا تھا۔ تفہیش کرنے پر معلوم ہوا کہ گریٹی کی محبوہ سو نیا اُس کے ساتھ تھی۔ سو نیا
لجبھ ہوا تو گریٹی نے سو نیا کو بھی ختم کر دیا۔“

مانسے سو نیا کے قلن کا واقعہ با تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ”ضمانت پر رہا ہونے کے بعد ہی
میں کا داماغ چل گیا ہے۔ پچھلی رات ڈیکن ہال میں اسی نے گولیاں چلانی تھیں۔ اُس
بھی گولی چلانی تھی۔ پھر اس نے دوسرا حملہ حمید پر کیا لیکن اس میں بھی ناکامیاں
ہال پا گئی ہو گیا تھا۔ ڈیکن ہال میں ناکامیاں ہونے کے بعد اس نے ہُنگ من کی رہائش گاہ
ہال پا گئی اُس نے ہُنگ من پر گولی چلانی تھی۔“
ناماموش ہو گیا۔

زہریلا دھوال

لایکو گھوپنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے چوک کر کہا ”ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ گریٹی
بلوڈ میں بھی ڈاکٹر ہُنگ من پر حملہ کیا۔ مجھے یقین تھا کہ گریٹی اُس پر دوسرا حملہ ضرور

ڈاکٹر ہنس بھی اُسی کمرے میں موجود تھا اور کبھی کبھی نظر پچاکر حمید کے چہرے کی طرف بہت غور سے دیکھنے لگتا تھا۔ اچانک اُس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
”میری ایک بات سن لو۔“

”ڈاکٹر پھر کبھی سننا۔ یہ روزیٰ نہیں میری روح ناقص رہی ہے اور جب میری روح ناچنے لگتی ہے تو میں اندھا، گونگا، بہر اغرضیکہ بالکل پایاں ہو جاتا ہوں۔“
”روزیٰ ناچنے ناچنے رک گی۔“

حمد نے جھلا کر واٹکلن ایک صوفی پر قیستھے ہوئے کہا۔ ”پوچھو کیا پوچھتے ہو۔“
”میر آدمی رو لینڈرات سے غائب ہے۔“

”بن اتنی کی بات تھی ڈاکٹر۔ اچھا میں کوشش کروں گا کہ اس کا سراغ مل جائے۔“
پھر اُس نے روزیٰ سے کہا۔ ”شروع ہو جاؤ۔“

”واقعی رو لینڈ کی غیر حاضری تشویشاں کا ہو گئی ہے۔“ روزیٰ حمید کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولی۔

”ڈاکٹر کہیں اسی نے ہم دونوں پر گولی نہ چلانی ہو۔“ حمید بولا۔
”نہیں ایسی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔“

”پھر تم پر گولی کون چلا سکتا ہے اور پھر ساتھ ہی ساتھ مجھ پر بھی۔ ہم دونوں کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔“

”بھلاک رو لینڈ تمہارا دشمن کیوں ہو سکتا ہے۔“ ڈاکٹر نے حمید کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”تم تھوڑی دیر کے لئے یہاں سے چلی جاؤ۔“ حمید نے روزیٰ سے کہا۔ ”میں ڈاکٹر کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ میرا دشمن کیوں ہو سکتا ہے۔“

”بکواس مت کرو۔“ روزیٰ نے کہا۔

”چھاتوں میں تمہارے سامنے ہی بتاتا ہوں۔ شاکر رو لینڈ کو تم سے دچپی ہے اور میر میں نے تم میں دچپی لئی شروع کر دی ہے لہذا اس کا بہتر ک اٹھنا لازمی ہے اور چونکہ ڈاکٹر بھی مجھے پسند کرتے ہیں اس لئے وہاں کا بھی دشمن ہو گیا ہے۔“

”بکواس...!“ ڈاکٹر ہنس نہ اسامنہ بننا کر بولا۔

کرے گا۔ مگر اس کے لئے برکلے ہاؤز کے ویران پامیں باغ کے علاوہ اور کوئی جگہ مزار ہو سکتی۔ جیسے ہی ہنس کی کار ڈینکن ہال کی کمپاؤٹر سے باہر نکلی میں نے حمید کو ضروری ہے کہ اس کا تعاقب شروع کرویں۔ پھر وہی ہوا جس کی توقع تھی۔ گریٹی پہلے ہی سے پامیں برا بینا تھا۔ جیسے ہی ہنس کا رے اُتر اُس نے فائز کر دیا اور پھر اپنی داشت میں اُسے فتح کر طرف بھاگا۔ باہر میں موجود تھا۔ بہر حال میں نے گریٹی کو بھی گرفتار کر لیا۔ لیکن ان حالت صحیک نہیں ہے۔“

”اس کی ضمانت کس نے دی تھی۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

”ضمانت دینے والے بھی یہی ذات شریف تھے۔“ فریدی نے قیدی کی طرف اشارہ کر رہا پھر بولا۔ ”اس پر شبہ نہیں کہ اگر تم اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھ تو یہاں نہ جانے کیا کیا بھلاکیں سول پولیس کے بس کا تھا۔ مگر بھی مجھے اس آدمی پر حیرت ہے جو لذتی اسے خوب میں اتنے عرصے تک زندہ رہا۔“

”حیرت کی بات نہیں۔ گیس ماسک اور آسکین کی تھیں ایسا کے پاس موجود تھیک ہے لیکن پھر بھی اس تھک سے خوب میں جکڑے پڑے رہنا حالات ہی میں میرا تو سوچ کر ہی دم گھٹ رہا ہے۔“

فریدی خیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”بہر حال یہ تا ممکن نہیں ہے۔ مرا ہونی چاہئے۔ یہ تو آسکین کے سہارے زندہ رہا لیکن میں نے اکثر سادھوؤں کو دیکھا۔ تین دن تک زمین میں دفن رہنے کے بعد صحیح وسلامت نکلے ہیں۔“

”ٹھیک کہتے ہو۔“ ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن ہنس کہاں ہے۔“
”آسے بھی جلد ہی پیش کروں گا۔“ فریدی نے قیدی اور بیہو ش آدمی کی طرف یہ واقعی الحال اسی کمرے تک مدد و درہ تھے تو تجھتر ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی کچھ سوچتا ہوا بولا۔



حمد وائلن بخارہ تھا اور روزیٰ ناقص رہی۔

لاشوں کے سوادر

”پلیٹھ گیا۔“ ڈاکٹر ہنس مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔ ”شاید تم اس وقت غصے میں ہو۔“

”ضور یہی بات ہے۔“ حمید چمک کر بولا۔ ”تم ان کی غلط فنی رفع کر دو۔“ پھر اس نے اسے کہا۔ ”جی ہاں! ڈاکٹر نے حملہ نہیں کیا تھا مجھ پر۔ خود ڈاکٹر پر بھی کسی نے حملہ کیا تھا۔“

”وزیری ڈار لئنگ۔“ وہ روزیئی کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

”چھا کر قلیں یہی بتا دو کہ میں کیپن پر حملہ کیوں کرنے لگا۔“ ڈاکٹر ہنس نے کہا۔

”میں کب کہتا ہوں کہ تم نے اس پر حملہ کیا تھا۔“

”پھر....!“

”وہ تو ایک ایسے پاگل کی حرکت تھی جسے اپنے ہاتھوں اپنی محبوبہ کی موت یا آگئی تھی۔“

”میں بالکل نہیں سمجھا۔“

”گریئی۔“

”گریئی۔“ ڈاکٹر کی آنکھیں حرمت سے پھیل گئیں۔ لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل کر بولا۔

”ا.... یہ گریئی کیا بلایا ہے۔“

”گریئی وہی بلایا ہے جس نے راجو کا خاتمہ کرایا تھا۔“

”کون راجو....! میں کسی راجو کو نہیں جانتا۔“

”خوب....!“ فریدی تین انداز میں مسکرا یا۔“ تاند تم ان میوں نے بھی تاوافت ہو گے جو

”یشل پینک میں بھجوائی تھیں۔“

”میں قطعی تاوافت ہوں۔ کیوں؟ لیکی ہوں۔ ہاں میں نے کل دو میاں یشل پینک کے توسط سے

تکی ہیں۔“

”اور اس سے قبل دو میاں سینزل پینک کے توسط سے فروخت کی تھیں۔“

”ہاں یہ بھی صحیح ہے۔“ ڈاکٹر ہنس پر سکون لے جی میں بولا۔

”اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ میاں صرف لکڑی کے خول ہیں۔“

”کام مطلب....!“

”اپنے ہاتھ اور اپنے ہالوں ڈاکٹر۔“ فریدی نے سخت لجھ میں کہا۔

”میں بولا جو اپنے ہاتھوں کو تکلیف نہیں دیتا۔“ ڈاکٹر ہنس نے لاپرواں سے کہا۔ ”بینھ جاؤ

”یوں کام نہیں چلے گا ڈاکٹر....!“ حمید نے چیلنج کرنے والے لجھ میں کہا۔ ”یہ بکواس نہیں ہے کہ میں روزیئی کو پسند کرنے لگا ہوں۔“

”فضول بکواس مت کرو۔“ روزیئی بگز کر بولی۔

”اے تم بھی فضول کہہ رہی ہو... یعنی....!“

”میں سمجھیزگی سے گفتگو کرتا چاہتا ہوں۔“ ڈاکٹر ہنس تیز لجھ میں بولا۔

”میں غیر سمجھیدہ نہیں ہوں۔“

”تم پچھلی رات کو کہاں غائب ہو گئے تھے۔“

”غائب تو تم ہوئے تھے ڈاکٹر....!“

”اواہ.... میں... باغ میں تھا۔ میں اور ریگی تازہ ہوا چاہتے تھے۔“

”اگر میں کہوں کہ تم نے ہی مجھ پر گولی چلانی تھی۔“

”میں کیوں چلاتا۔“ ڈاکٹر ہنس اُسے گھوڑنے لگا۔

”اچھا تو سنو! جب مجھ پر حملہ ہوا تھا تو تم باغ میں تھے اور میرا چیف مجھ سے زیادہ فاصلے

نہیں تھا حملے کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور کچھ اس قسم کی گفتگو شروع کی جس سے

مترش ہوتا تھا کہ وہ حملہ تمہاری ہی ایمان پر ہوا تھا۔“

”سر اسر غلط ہے.... بھلا میں تم پر اس طرح کیوں حملہ کرنے لگ۔ اگر تمہیں ختم ہی

ہوتا تو روزیئی کے ذریعہ تمہیں زہر دلوادیتا.... سمجھے۔“

ڈاکٹر ہنس ہنسنے لگا۔

”ٹھیک کہتے ہو ڈاکٹر۔“ پشت کے دروازے سے آواز آئی۔

وہ سب چونک کر مڑے دروازے میں فریدی کھڑا مسکرا ہاتھ اسکے دونوں ہاتھ جھیوں میں تھے

”میں تم سے متفق ہوں۔“ وہ پھر بولا۔ ”روزیئی میرے استنشت کو اسی طرح زہر دے

تھی جس طرح سویانے راجو کو....!“

”اوہ.... کرتی آؤ.... آؤ.... مگر تم بغیر اطلاع اندر کیسے چلے آئے۔“ ڈاکٹر ہنس اٹھتا ہوا بولا

”بینھ جاؤ۔“ فریدی نے تھکمانہ لجھ میں کہا۔ اس کا دہنا ہاتھ جبکے سے نکل آیا اور اس

ریو اور تھا۔

سے دبار کی تھی۔

پھر درمرے ہی لمحے میں وہ بیہو ش فریدی کو گھسیٹا ہوا کمرے کے باہر لے جا رہا تھا۔ اُس نے ہر اہمیتی میں ڈال دیا اور کمرے کا دروازہ بند کرنے لگا۔

اس وقت اُس کے چہرے پر بلا کی درندگی نظر آرہی تھی۔ اُس کے خدو خال تک بدل کر رہا تھا۔ اس وقت اُس کے ساتھی بھی اُسے مشکل ہی سے بچان سکتے۔ دروازہ بند کر کے وہ فریدی کی طرف مڑا اور اب اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا چاقو تھا۔



مکان میں ریگی اور روزیئی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس کے باوجود بھی حمید کو ان پر قابو میں کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

لیکن کسی کسی طرح اُس نے انہیں ایک کمرے میں بند ہی کر دیا اور خود باہر ہی ٹھہرا رہا۔ تو قصہ تھی کہ فریدی ڈاکٹر سے نپٹ رہا ہو گا۔

”ڈارٹنگ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔“ روزیئی نے منہناتی ہوئی آواز میں کہا۔

”کسی نہ کسی زبان میں ڈارٹنگ لگھے کو بھی کہتے ہوں گے۔“ حمید بولا۔

”آجھی میں ناج رہی تھی۔ تم نے کہا تھا کہ تمہاری روح ناج رہی ہے۔“

لب پیش میں خود ناج رہا ہوں..... اور جب میں ناچتا ہوں تو میری روح بھیک مانگنے لگتی ہے۔“

”بُذرًا قادرے کی باتیں کر رہی ہے۔“ حمید سر پلا کر بولا۔

”اوہ... چپ ہو جاؤ رپکی۔“ روزیئی نے ریگی کو ڈانتا۔

”چپے دو ذہن۔“ حمید بولا۔ ”اس کی آواز میں بڑی کشش ہے۔“

”تو کھول دو۔“ روزیئی نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

”تمہر جاؤ... ذرا والد صاحب سے پوچھ لوں۔“ حمید بولا۔

پھر اس نے دروازوں اور کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ جب یقین ہو گیا کہ وہ دونوں کسی طرح بھی نہ تھل سکتی تو وہ اس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں اس نے فریدی اور ہنس کو چھوڑا تھا۔ لیکن راہداری میں اُسے وہ منظر دھکائی دیا جس نے اس کی رگوں کا خون مجدد کر دیا۔ فریدی

.... میں آج تمہیں بر ازیل کی کافی پلاوں گا۔ روزیئی... ریگی سے کہو کہ کافی تیار کر روزیئی جانے کے لئے مڑی۔

”ٹھہر دے!“ فریدی بولا۔ ”اس کمرے سے باہر جانے والا اپنی صوت کو دعوت دے؟ روزیئی رک گئی۔

”کیا کچھ تم سنجیدہ ہو۔“ ڈاکٹر نے حرمت ظاہر کیا۔

”ہاں ایسی صورت میں ضرور سنجیدہ ہونا پڑتا ہے۔ جب ایک گھی سے نوٹوں کی گذیاں ہوں اور دوسرا سے ایک زندہ لاش۔“

اچاک ڈاکٹر ہنس صوفے سے اچھل کر زمین پر گرد پڑا اور ساتھ ہی ششے کا ایک چھوٹا دیوار سے ٹکر اکر پھٹا..... بلکل سی آواز ہوئی اور فریدی نے ہنس پر فائر کر دیا۔ لیکن وہ ہر ہنس سے فرش پر پھسل کر صوفے کی اوٹ میں ہو گیا۔

اوھر روزیئی چھلانگ مار کر دروازے کے باہر نکل گئی۔ حمید اس کے پیچھے دوڑا۔ فریدی دوسر افائر کیا لیکن وہ اپنے سر پر منڈلاتی ہوئی بلا سے لاعلم تھا۔ ہنس کا پھینکا ہوا ششے کا گولا اُسی بجھک دیوار پر لگا تھا جہاں فریدی کھڑا تھا اور گولے کے پھٹے ہی اُس میں سے تھوڑا سا غبار لگا۔ فضا میں نہ صرف چکرانے لگا تھا بلکہ آہستہ آہستہ پھیلاو۔ بھی اختیار کرتا جا رہا تھا۔ لیکن اُس نہیں ہیسے معقول دھوان سرعت کے ساتھ اپنادارہ دیکھ کر تھا ہے بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ اپنا جنم بڑھانے کے لئے فضا میں پھیلی ہوئی کسی غیر مری اور مختلف قوت سے زور آزمائی کر رہا۔ یعنی اس کے بڑھنے کا اندازہ کچھ دبادبا ساختا۔ فریدی نے تیسرا فائر کیا لیکن بے سود۔

ہنس صوفے سے چپک کر رہ گیا تھا۔

فریدی کو یقین ہو گیا کہ اس کے پاس ریو الور نہیں ہے۔ ورنہ وہ ضرور فائر کرتا۔“ کر آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ اس کے سر پر منڈلانے والا غبار یک بیک نیچے پھسل آیا۔ فربا گردن جھٹک کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی۔ لیکن اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے ناک کے سوراخ تیز روپنگ کاریاں کی گھستی چلی گئی ہوں۔

اور پھر وہ جہاں تھا وہیں چکرا کر گر پڑا۔

اس کے گرنے کی آواز سننے ہی ڈاکٹر ہنس صوفے کی اوٹ سے نکلا۔ اُس نے بلکل

ہن اچھل کر کئی فٹ دور جا پڑا۔ وہ چاقو کے قریب ہی گرا تھا اس نے لیٹے ہی لیٹے پھل کر چاقو کا ہادستہ پکڑ لیا اور قبل اس کے کہ فریدی اس تک پہنچتا وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر خون ہی فون تھا۔

اس بار اس نے بڑی بے گذری سے حملہ کیا۔ لیکن یہ حملہ بھی ناکام رہا۔ فریدی اُسے گیند کی طرح ادھر سے اُدھر اچھال رہا تھا۔

اور حمید پاگلوں کی طرح قبیلے گرا تھا۔ نہ جانے کیوں اس وقت اس پر اذیت پسندی کا بھوت سوار ہو گیا تھا..... وہ ان دونوں لڑکیوں کو کرنے سے نکال لایا۔ دونوں نے ہنسن کو اس حال میں دیکھ کر پاگل کیتوں کی طرح چیننا شروع کر دیا۔ فریدی گھونسوں، تھپڑوں اور ٹھوکروں سے اس کی مرمت کر رہا تھا۔

حمدی نے دونوں لڑکیوں سے سر لڑانے شروع کر دیے۔ اینا معلوم ہوا تھا جیسے وہ کچھ پاگل ہو گیا ہو۔ جو نکلہ ابھی ابھی خدا کے گھر سے لوٹا تھا اسلئے اُسے ان کی شکلوں میں ذرہ برابر بھی دلکشی نہیں نظر آ رہی تھی اور انکے چینخے اور گرگڑائے کا انداز اُسے زیادہ سے زیادہ ظلم پر ابھار رہا تھا۔ ”یہ کیا کر رہا تھا گلد ہے۔“ اُسے فریدی کی گرج سنائی دی۔

حمدی نے دونوں کی گرد نیں چھوڑ دیں۔ اور ہانپتا ہوا بولا۔ ”اپنا حساب بے باق کر رہا تھا۔“ اس نے ڈاکٹر ہنسن کو دیکھا جو فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔

حمدی دوبارہ لڑکیوں کی طرف بڑھا تھا کہ فریدی درمیان میں آگیا۔ ”تمہاری جمالیاتی حس کھاں گئی۔“ اُس نے پس کر پوچھا۔ ”جنم میں۔“

”چلو بس کرو۔“ فریدی نے اُسے ایک طرف ہٹا دیا۔

”عجیب نظر وہ سے بیہوش مجرم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ختم شد

فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا اور ڈاکٹر ہنسن غالباً اسی لئے اس پر جھک رہا تھا کہ اس کی گردن چھپا پھیر دے۔

”خبردار...!“ حمید دونوں ہاتھ ہلا کتا ہوا چینخا۔ بدحواسی میں وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس کوٹ کی اندر وہی جیب میں پستول موجود ہے۔

ڈاکٹر ہنسن چھرے کا دستہ مٹھی میں جکڑے ہوئے دیوانہ دار حمید کی طرف جھپٹا اور پھر اسی دار حمید دونوں ہاتھوں سے اس کا داہنا ہاتھ نہ پکڑ لیتا تو چاقو کا پھل اس کے بینے میں اتر گیا تھا۔

ہنسن اس سے زیادہ طاقتور تھا لیکن شاندار اس وقت حمید کی ساری طاقت اُس کے ہاتھوں بھی سخنچ آئی تھی۔ ہنسن اپنا داہنا ہاتھ کسی طرح نہ چھڑا سکا۔ مگر اس نے حمید کو جلد ہی نیچے گرا دیا۔ اس کا ہاتھ اب بھی حمید کی گرفت میں تھا۔

مگر اب تک حمید کی طاقت جواب دیتی جا رہی تھی اور ساتھ ہی اس کے ہاتھوں پر ڈاکٹر ہنسن کا داہنا بڑھتا جا رہا تھا۔ چاقو کی نوک آہستہ آہستہ حمید کی گردن کی طرف کھمک رہی تھی۔

اچانک فریدی نے کراہ کر کروٹ لی اور پھر بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ اُس نے ڈاکٹر ہنسن اور حمید دیکھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُسے اپنا سارا ایک بڑا سا پھر معلوم ہوا جس کے بوجھ سے گردن دکھنے لگی تھی۔

لیکن اس کیفیت کے زائل ہونے میں دیر نہیں لگی۔ پچھے نہیں وہ کیسی گس تھی جو برالاٹر تھی لیکن اُس کا اثر زائل ہونے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگتی تھی۔

فریدی کا ڈاکٹر ہنسن سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا گیا تھا۔ وہ بے تھاشہ ان کی طرف دوڑا۔ اس وقت چاقو کی نوک حمید کے بینے سے صرف ایک انج کے فالے پر تھی۔ فریدی۔ دونوں ہاتھوں سے ڈاکٹر کی گردن دبوچ کر اُسے ایک جھیٹکے کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ چاقو اُس ہنسن کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے ہاتھ گھمایا لیکن اتنی دیر میں فریدی اسے کر کر نیچے چھینک چکا تھا۔

ہنسن نے اٹھنے کی کوشش کی اور اس بار فریدی کی ٹھوک اس کی ٹھوڑی پر پڑی۔ چاؤں اسے نکل چکا تھا۔

فریدی نے گریبان پکڑ کر اُسے فرش سے اٹھایا اور پھر ایک گھونسہ اس کی ناک پر چاؤں۔

جاسوسی دنیا نمبر 47

ٹو میے کی بلا

حمد کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج کل اس کے ستارے گردش میں چن لیکن شامت بھی رہے کر نہیں آتی۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ابھی اس پر کیا صیبت آنے والی لارڈ وہ کارگلی میں کھڑی کر کے مارش اینڈ مارش کی نئی سیلز گرل سے عشق نہ لڑاتا۔ لڑکی بات کی اس دکان میں بالکل نئی نئی آئی تھی اور حمید نے جس دن سے اسے وکھا تھا بلانا غم کچھ بے خوبی نے کے بہانے یہاں آنے لگا تھا۔ کبھی روپاں، کبھی نائیاں اور کبھی جراں۔ جس دن زید نے کوئی نہ چاہتا کسی ایسی چیز کی فرمائش کرتا جو دکان میں موجود ہی نہ ہوتی۔ ایسے موقع اس لڑکی سے زیادہ سے زیادہ گفتگو کرنے کی بسعادت نصیب ہو جالیا کرتی تھی۔۔۔۔۔ بہر حال وہ لارڈ کم از کم ایک بار اس دوکان میں ضرور آتا تھا۔

آج بھی وہ اسے تقریباً چند ریا میں منٹ تک گفتگو میں الجھائے رہا تھا اور آج تو اس نے ایک فلم کی دعوت بھی دے دیا تھی۔ لیکن لڑکی جو شائد بہت زیادہ محاط واقع ہوئی تھی کام نلایاں کا بہانہ کر کے ٹال گئی۔ بہر حال حمید مایوس ہو کر یہ سوچتا ہوا پلٹ آیا کہ ایک نہ ایک دن اپنے ریتیجے کی۔ لہذا اسے پیسیئے کی مہلت دے کر اب کہیں اور قسمت آزمائی کرنی چاہئے۔

جب کوئی کام نہ ہو تو ہر آدی اپنی مخصوص ترین تفریحات کی طرف دوڑتا ہے۔ آج کل یہی بہت حمید کی بھی تھی۔ مقصد خواہ ٹائیں ٹائیں فشی کیوں نہ ہو۔ عورت اس کی محجب ترین فرشتگی اور اس تفریح کی معراج یہ تھی کہ وہ یا تو خود یا تو قوف بن جاتا تھا یا بنا دیتا تھا۔ یہ قوف نہ ہے بلکہ اسجاۓ خود کوئی ایسی بُری بات نہیں لیکن بعض اوقات یہ رجحان نتائج کے اعتبار سے فرشتگی بھی ثابت ہوتا ہے۔

ہولناک ویران

(مکمل ناول)

حید کو بارہاں کا تجربہ بھی ہو چکا تھا لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا تھا۔ اس مارٹن اینڈ مارٹن کی سلزر گرل کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد وہ سیدھا اس گلی میں آئیں اپنی کار چھوڑی تھی۔

الیکٹریک پول دور ہونے کی وجہ سے یہاں خاصاً اندر ہی رہا لیکن اسے سونی توڈھوڑنا تھی کہ روشنی کی پروگرام کرتا۔ کار پر بیٹھ کر مشین اسٹارٹ کی اور گلی سے سڑک پر آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت آر لیکچو کی طرف جانا چاہئے جہاں آج کچھ اپیشل پروگرام اور اسے موقع تھی کہ وہاں اس کی کوئی نہ کوئی پرانی شناساضروری مل جائے گی۔ کار سڑکوں پر فرائٹے ہھرتی رہی۔ حید کا موڈ پھر تھیک ہو گیا۔ وہ ہو لے ہو لے گلگلہ لیکن اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اسکے حقوق سے بیک وقت دو قسم کی آوازیں نکل رہی، وہ خاموش ہو گیا لیکن دوسری آواز بدستور جاری رہی اور پھر کافی دیر بعد یہ بات اس میں آئی کہ وہ کسی شیر خوار بچے کے روئے کی آواز تھی۔

وہ بوکھلا کر دوسری سیٹ کی طرف مڑا۔ اندر اندر ہی رہا۔ لیکن حید بہر انہیں تھا۔ اس سیٹ کے علاوہ کہیں سے نہیں آرہی تھی۔ اس نے اندر کی لاٹھ جلا دی.... اور پھر دوسرے ہی لمحے میں کار کی رفارم کر کے اسے سڑک کے کنارے نہ لگا دیتا تو ایک ایک یہٹ لازمی تھا۔ حقیقتاً اس کے ہاتھ پر بُری طرح کانپ رہے تھے۔ پچھلی سیٹ نوزائدہ بچہ کپڑوں میں لپٹا ہوا پڑا حقوق پھاڑ رہا تھا۔

حید کار سے اتر آیا۔ سڑک کافی چلتی ہوئی تھی۔ راگبیروں نے کار سے بلند ہوا آوازیں سنیں اور ایک اچھے خاصے آدمی کو اس پر سے اترتے دیکھا جو بہت زیادہ بوکھلایا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں اگر کچھ را گیر چلتے چلتے رک گئے تھے تو یہ حیرت کی بات نہیں تھی۔ حید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھو لے جیت پھاڑے ہوئے بچے کو گھور رہا تھا۔ اسے اپنے گرد اکٹھا ہوتی بھیڑ کا بھی احساس نہیں۔ اچانک کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حید چوک کر مڑا۔

ایک اوہیڑ عرکاش ریف صورت آدمی برادر است اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اب حید کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا اور اس نے ذہنی انتشار کے ان لمحات میں؟

اں کی خامیوں کا احساس اسے بھی تھا۔ لیکن وہ اتنی جلدی میں اور کوئی فیصلہ کر بھی تو نہیں سکتا۔ خدا دنیا کا ہر آدمی کرتل فریدی کی طرح فولادی اعصاب نہیں رکھتا۔

”کیوں جتاب کیا بات ہے۔“ اس آدمی نے پوچھا۔

”میری بد نصیبی۔“ حید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”بچے کی ماں کہاں ہے اور آپ نے اس غریب کو اس طرح پچھلی سیٹ پر کیوں ڈال رکھا ہے۔“

”افوس کے گود میں لے کر کارڈ ایئور کرنا شاکر ماؤں کے بس کا بھی روگ نہیں۔“

بھیڑ سے ایک لڑکی کھڑکی میں جھک کر بچے کو دیکھنے لگی اور پھر حید نے دردناک آواز میں ہاشمی دعیہ کیا۔ ”بچے کی ماں ہسپتال میں تھی۔ وہیں یہ بچہ پیدا ہوا۔ ماں مر گئی اور بچے کو مجھے لانا پڑا۔ وہ بے درد ہوتے ہیں یہ ہسپتال والے بھی۔“

”کیا یہ آپ کا بچہ ہے۔“ لڑکی نے مژ کر حید سے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ حید کی آواز اور زیادہ دردناک ہو گئی۔ ”آپ میں اسے گھر لے جا رہا ہوں۔ لیکن بھی میں نہیں آتا کہ کس طرح لے جاؤں۔“

”اچھا آپ فکر نہ کیجئے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔ بیچارہ کیسار دو رہا ہے۔“

”میں زندگی پھر آپ کا احسان مندر ہوں گا۔“ حید گزو گزو کر بولا۔

یہ لڑکی کافی دلکش، اسٹارٹ اور المرا مودرن قسم کی تھی۔ عمر بیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ غمید ساڑھی اور سفید بلاوز میں ملبوس تھی۔

اس نے بڑے اطمینان سے کار کا دروازہ کھولا اور بچے کو گود میں لے کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

حید نے کار اسٹارٹ کر دی۔ لیکن اس وقت اس کی عقل کھو پڑی کے گرد ناتھ رہی تھی۔ اس نے بوکھلاہٹ میں ایک زبردست ہماقت کی تھی۔ اسے اس قسم کے جھوٹ سے بچنا چاہئے تھا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی گھر تک ضرور ساتھ جائے گی۔ نہ صرف ساتھ جائے گی بلکہ فلاں کچھ دیر تھہر کر بچوں کی پرورش و پرداخت کے سلسلے میں ایک چھوٹا سا لینکھر بھی دے گی اور ہمارا فریدی اس وقت گھر ہی پر موجود ہوا تب تو اس کی شامتت ہی آجائے گی اور وہ اس سلسلے میں فرور جواب طلب کرے گا کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا۔

دراصل اس نے یہ جھوٹ اس نے گھر تھا کہ کم از کم و قتی ہی طور پر عام آدمیوں کی پوچھ

چند سے بچ جائے۔ اگر وہ حقیقت کہہ دیتا تو کم از کم آدھے گھنٹے تک اسے بچ کرنی پڑتی۔
بہر حال وہ ایک بہت بڑی دلدل میں پھنس گیا تھا اور اب سوچتے سوچتے اس کے ذہن:

سیماں سی بجتنے لگی تھیں..... پچھے برادر وے جارہا تھا۔
”یادِ حرم کر اس کے حال پر۔“ لڑکی نے دردناک آواز میں کہا اور حید نے جواباً
شندھی سانس لی اور اس شندھی سانس کی آواز لڑکی کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش میں ا
کھانسیوں سے دوچار ہوتا پڑا۔

”آپ کس طرح رحیں گے اسے۔“ لڑکی نے حید سے پوچھا۔
”کیا بتاؤں محترمہ! میں تو پاگل ہو جاؤں گا۔“

”میرے خیال سے ایک پرانجیست نس انتیج کر لیجئے۔“

”اوہ.... بہت محقول رائے ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ میں یہی کروں گا۔“

”عورتیں تو ہوں گی ہی آپ کے بیان۔“

”اوہ.... یہی توسب سے بڑی بد نصیبی ہے۔ گھر پر بڑے بھائی کے علاوہ اور کوئی نہیں ا
انتیج کریک ہیں کہ خدا کی پناہ.... بچے کو دیکھتے ہی کہیں گے کہ اگر ماں مر گئی ہے تو اس گذے
زندہ رکھنا فضول ہی ہو گا۔“

”یہ لڑکی ہے یا لڑکا۔“

حید اس سوال پر بوکھلا گیا۔ اس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ وہ لڑکی۔
لڑکا.... اس نے دل ہی دل میں خود کو گالیاں دیں اور کراہ کر بولا آپ کو یقین نہ آئے گا لیکن
دماغ اتنا بے قابو ہو گیا ہے کہ شائد آپ کے اس سوال کا جواب نہ دے سکوں۔ اس کی مار
موت نے میرے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ نہ میں نے ابھی اسے اچھی طرح دیکھا ہے!
یہی یاد ہے کہ ڈاکٹر نے کیا کہا تھا۔ آپ کو تکلیف تو ہو گی.... ذرا مجھے بھی بتایے کہ یہ لڑکی ہے یا لڑکا
لڑکی چند لمحے خاموشی کے بعد بولی۔ ”لڑکا ہے۔“

”آہ.... اے.... بد نصیب لڑکے۔“ حید گلوگیر آواز میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔
”پریشان ہونا فضول ہے۔“ لڑکی نے اسے دلاسا دیا۔ ”سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خدا جو
کرتا ہے ٹھیک ہی کرتا ہے۔“

حید کچھ نہ بولا۔ اس کی الحصہ آہستہ بڑھتی ہی جا رہی تھی اور وہ ذہنی طور پر اس قابل
ہے، میا تھا کہ لڑکی کی سریلی آواز سے لطف اندوڑ ہو سکتا۔

لڑکی پھر چکارنے لگی۔ لیکن شائد وہ خود بھی اس معاملے میں انازوں تھی پچھے کسی طرح بھی
ہے ہوں۔

”بھوکا ہے شائد۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میں نہیں جانتا کہ اتنے چھوٹے پچھے کو
پھرتا ہیے میں کیا کروں۔“ حید بے بھی سے بولا۔ ”میں نہیں جانتا کہ اتنے چھوٹے پچھے کو
بھاٹاہے۔“

”آج ہی بیدا ہوا تھا۔“ لڑکی نے پوچھا۔

”تھیاں... بالکل آج ہی۔“

”جب تو شائد اسے گھٹی دی جائے گی۔“

”میں نہیں جانتا کہ یہ گھٹی کیا چیز ہے۔“

”یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ پتہ نہیں کیا کیا ملا ہوتا ہے اس میں.... اوہ دیکھئے اکیوں نہ ہم
کڑکے پاس چلیں۔“

حید نے سوچا اگر پہلے شامت نہیں آئی تھی تو اب آجائے گی۔ اس جھوٹ کو بھانے کا
نام طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح جلد از جلد گھر بچنے جاتا۔

”نہیں.... میرا خیال ہے کہ راستے میں جتنی دیر گئی ہی پریشانیوں میں اضافہ ہی ہو گا۔“

بلد سے جلد گھر پہنچانا چاہئے دہاں کوئی نہ کوئی تدبیر ضرور ہو جائے گی۔“

”میں آپ کی مر منی.... دیے مجھے ذرہ ہے کہ کہیں یہ بیمار نہ پڑ جائے۔“

”لب جو کچھ بھی مقدار میں ہو گا بھکتا ہی پڑے گا۔“ حید نے دردناک آواز میں کہا۔

”اُنہاں اس لڑکی سے پوچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس
نامہ جھوڑا۔ لڑکے کی تو خیر کوئی بات ہی نہیں تھی۔ اُسے ہر حال میں پولیس کی حفاظت
نامہ۔“

اُنکا بھی خاصی تھی اور حید انتشار کے ان لمحات میں بھی یہ سوچنے سے باز نہیں آیا تھا کہ
کوئی تعلقات بڑھانے کے امکانات کی بنیاد پر گئی ہے لیکن یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ وہ

اُس کے سامنے جھوٹانہ بنتا۔
کار فرائے بھرتی رہی۔ پچھے رو تارہ اور لڑکی ”ہوں ہوں“ کر کے اُسے ہلاتی رہی۔
خدا خدا کر کے کار فریدی کی کوئی ٹھیکی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور پھانک ہی پر حمید کی
ہو جانے کا رادہ کرنے لگی۔ کیونکہ فریدی برآمدے ہی میں بیٹھا شام کوئی کتاب دیکھ رہا
بیٹھا اس بات کا فیصلہ نہ کر سکا کہ کار کو کیراج کی طرف لے جائے یا پورچ کی طرف
کار کارخ پورچ ہی کی طرف تھا اور اس میں حمید کی قوت فیصلہ کو دخل نہیں تھا۔
کار جیسے ہی پورچ میں داخل ہوئی فریدی بے ساخت چونک پڑا۔ پچھے کی وجہ کار نہ
حلق پھاڑتے ہوئے پچھے کی آواز تھی۔

حمد بوكھلایا ہوا کار سے اتر اور بچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔
لڑکی پچھے کو گود میں سیٹیں ہوئے نیچے نظر آئی۔
”لائیے... مجھے دیجھے۔“ حمید نے بوكھلابھت میں پچھے کو اس کی گود سے جھینٹے ہو
اب اس کی کھوپڑی بالکل ہی آؤٹ ہو گئی تھی۔
”آئیے... آئیے۔“ وہ لڑکی سے کہتا ہوا فریدی کی طرف چھپا۔ پچھے کو اس کی گود
کر پھر لڑکی کی طرف مڑا۔

”میں آپ کا احسان مند ہوں... بہت احسان مند ہوں۔“ پچھے میں آپ کو گھر چھوڑ آؤ
”نہیں اس کی ضرورت نہیں... یہ تو میرا فرض تھا۔“ لڑکی مسکرا کر بولی۔
پچھے فریدی کی گود میں پڑا محل رہا تھا اور وہ حیرت سے من کھولے احقوں کی طرح لا
کو گھور رہا تھا۔
”وزرا یمور... وزرا یمور...!“ حمید آگے بڑھ کر حلق پھاڑنے لگا۔ وزرا یمور شام کی
ہی تھا الہز اسے وہاں جنپنے میں دیر نہیں لگی۔

”اے دیکھو...!“ حمید نے کہا۔ ”مس صاحب کو گھر چھوڑ آؤ۔“
”ارے جناب! پہلے اس بیچارے کی خبر لیجھے۔“ لڑکی نے کہا۔
”حمد چونک پڑا۔ اس سے اب تک جتنی بھی حرکتیں سرزد ہوئی تھیں ان میں ارادہ
نہیں تھا۔ اُسے اس بات کا احساس ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔“

”اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پچھے اب بھی اس کی گود میں
اور وہ پہلے ہی کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا نہیں گھور رہا تھا۔
”مم... میرے... بب بڑے بھائی صاحب۔“ حمید فریدی کی طرف اشارہ کر کے ہکلایا۔
فریدی کی حالت میں اب بھی کوئی تغیرت نہ ہوا۔
ڈرائیور الگ آنکھیں پھاڑتے ایک ایک کو گھور رہا تھا۔
ان لوگوں کے اس رویے پر لڑکی بھی بوکھلائی۔
”میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔“ حمید نے پھر اس سے کہا۔
”جناب پچھے کی خبر لیجھے۔“
”اوہ... تجھی ہاں۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”وزرا یمور آپ کو گھر پہنچا دو۔“
پھر وہ پچھے کو فریدی کی گود سے اٹھا کر تیر کی طرح اندر چلا گیا۔
فریدی کھڑا ہو کر اپنے کپڑے چھاڑنے لگا۔ اس کی سمجھ میں پچھے بھی نہیں آیا۔
لڑکی اب بھی وہیں کھڑی تھی۔
”واقعی اس واقعے نے ان کے ذہن پر بُرُّ الاژدادا۔“ لڑکی نے فریدی سے کہا۔
”تجھی ہاں...!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”تشریف رکھئے۔“
”تجھی نہیں اب جاؤں گی۔ کیا یہ بچھر میں کوئی عورت نہیں۔“
”تجھی نہیں۔“ فریدی نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔
”اچھا کیجھے... یہ میرا پتہ ہے۔“ وہ وہنی یہ گے سے اپنا کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھاتی
ماں ہوئی۔ ”اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے فون کیجھے گا۔ میں کئی اچھی نرسوں کو جانتی ہوں۔“
”مشکری۔“ فریدی کارڈ لیتا ہوا بولا۔ ”اگر کوئی ضرورت پیش آئی تو میں ضرور تکمیل دوں گا۔“
وزرا یمور کار کا پچھلا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ لڑکی کار میں بیٹھ گئی۔
فریدی اس وقت تک برآمدے ہی میں کھڑا رہا جب تک کار پھانک سے نہیں گذر گئی۔
ہرگز وہ سید حمید کے کمرے میں آیا۔ حمید کمرے میں کھڑا پاگلوں کی طرح چاروں طرف
باقاعدہ پچھے... وہ بستر پر پڑا تھا اور اس کی زبان تالوں سے نہیں لگ رہی تھی۔
”یکچھے! پہلے میری بات سن لیجھے۔“ حمید چار ہزار الفاظ نئی منت کی رفتار سے بولنے لگا۔

”ایسے موقع پر آدمی بوکھلا جاتا ہے۔ پاگل ہو جاتا ہے مڑی ہو جاتا ہے۔ پہلے پوری بات سن کبھی کبھی بدحواسی میں اس قسم کی غلطیاں ہوتی جاتی ہیں۔ دیکھنے پہلے پوری بات سن لیجئے آدمی ہی سے ہوتی ہے۔ میری جگہ اگر آپ ہوتے۔ نہیں پہلے پوری بات سن لیجئے۔“

”خاموش رہو۔“ فریدی نے جھلا کر کہا۔

”حمدی خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کے ہونٹ اب بھی مل رہے تھے۔“
”یہ بچہ کہاں تھا۔“

”میری کار کی بچپنی سیٹ میں تھا۔ آپ پوری بات بھی تو سنے۔“

”پوری بات کے بچے اب تک تم نے چوتھائی بات بھی نہیں بتائی۔“

”یہ بچہ! حمید بچے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔“ جیرت انگیز طور پر میری کار میں پالا
”کیا مطلب۔“

”جی ہاں....!“

”میا جی ہاں! تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“

”میں ہوش میں ہوں۔ اچھا شروع سے نئے میں کار راجر اسٹریٹ کی ایک گلی میں
کر کے ایک دوکان میں چلا گیا۔ وہی پر میں نے کار گلی سے نکالی اور چل چڑا۔ وہاں مجھے
نہیں معلوم ہو سکتا۔ کافی دور چلنے کے بعد اچاک اس سورنے رو ناشروع کر دیا۔“

”لیکن تم اسے یہاں کیوں لائے ہو۔ سیدھے کو توالی نہیں لے جاسکتے تھے۔“

”اُف.... اس رنجیدی کا حال سن کر آپ مجھے مارنے دوڑیں گے۔“

”بچہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔“

”بکو جلدی سے۔“ فریدی اس کی گردان دبوچ کر جھٹکے دیتا ہوا بولا۔

اور پھر حمید کو پوری داستان دہرا دینی پڑی۔

”میری اخیال ہے“ فریدی اس کے خاموش ہوتے ہی بُراسامنہ بنا کر بولا۔ ”تم سے نبا
تو وہ لوگ ہوں جے جو عدالتوں میں عراطف نویں کرتے ہیں۔“

”اب جو دل چاہے کہئے، حماقت تو ہو ہی گئی۔“ حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا

”تموڑی دریہ د فریدی فون پر کو توالی کے نمبر ڈائلن کر رہا تھا۔“

”دوسرا طرف حمید بچے پر جھکا ہوا کو اس کر رہا تھا۔“ اُرے چپ ہو جا۔... میرے باپ کے
ہوا۔... شباباں.... شو شو۔“ وہ سیٹی اور چکلی بجانے لگا۔ ”آدمی کا بچہ برا سور ہوتا ہے۔ برا
دھلا جاسکتا ہے حتیٰ کہ چوہے بھی ٹرینڈ کے جاسکتے ہیں مگر آدمی کا بچہ اس سے برا سور شاید
بئے زمین پر نہ ملے۔“

یاقوت کی انگلشتری

تقریباً دو گھنٹے گذر جانے کے بعد فریدی ان کپڑوں کو الٹ پلٹ رہا تھا جن میں بچہ لپٹا ہوا ملا تھا۔
بچہ پولیس کے حوالے کر دیا گیا اور پولیس نے اسے شہر کے سب سے بڑے میٹنی سینٹر
بے پہنچا دیا تھا۔

”کون کی کار لے گئے تھے۔“ فریدی نے حمید سے پوچھا۔
”آمن...!“

”اگر تم نے پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”خیر.... آؤ.... میں اسے بھی
لپٹوں گا لیکن میر اخیال ہے کہ یہ حرکت دیدہ دانتہ نہیں کی گئی۔“

”دیدہ دانتہ سے کیا مراد ہے۔“

”یعنی یہ سمجھ کر بچہ کار میں نہیں ڈالا گیا کہ وہ تمہاری کار ہے۔“

”اس کا والہ ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں بعض حالات میں ہو سکتا ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا اس سے پہلے بعض
امول نے اصل واقعی سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے اس قسم کی دوسرا حرکتیں نہیں کیں۔“

”اوہ.... ہاں.... ممکن ہے۔“

”لیکن مجھے تمہاری بوکھلاہٹ پر افسوس ہے۔“

”میری جگہ اگر آپ ہوتے۔“

”خنوں باتیں نہ کرو۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ یہ ایک الگ بات ہے لیکن اگر تم
اکی بکھر ہوتے تو کبھی کی تمہاری بہیاں سڑگل گئی ہوتیں۔“

”حمد پکھنے بولا۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر گیراج میں آئے۔ کار و اپس آگئی تھی اور ڈرائیور۔“

اسے گیراج میں چھوڑ کر غالباً سونے کے لئے جا پکا تھا۔

فریدی نے بچپنی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر روشی کر دی۔

وہ بچپنی نشست کے ایک ایک جوڑ کا جائزہ لے رہا تھا۔

”بہت مشکل ہے۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”تم نے زبردست حماقت کی.... نشانہ کی خلاش فضول ہے قطعی فضول۔“

”میرا خیال ہے کہ اب اس معاملے میں سرماد نے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“ حمید بولا۔

”ضرورت ہے میں بخ ہی آگیا ہوں۔ میرا خون بہت دونوں سے کھول رہا ہے۔ آئے دن ٹھیں اس قسم کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ آدمی کے بچے کی اتنی بھی وقعت نہیں رہ گئی جتنی کئے کے پلے کی ہوتی ہے۔ کیا تمہیں یاد نہیں چھپلے ماں ایک نالے میں ایک نوزادیہ بچے کی لاش کی گھینٹے پھر رہے تھے۔ پچھلے چہ ماہ میں جتنے بھی اس قسم کے کیس ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی بچہ نہیں لگایا جاسکا۔ اور پھر یہ سب پولیس کے بیں کاروگ نہیں۔“

”میں....!“ فریدی کا دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔ ”میں دیکھوں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔“

وہ پھر برآمدے کی طرف واپس ہو رہے تھے۔ اچانک فریدی پورچھی میں رُک گیا۔ اس کا آنکھیں زینے کے نیچے پڑی ہوئی کسی پچکدار چیز پر تھیں۔ نہیں سی سرخ روشنی۔ پنگاری کی دبک رہی تھی۔ دوسرا ہی لمحے میں فریدی نے بچک کر اسے اٹھالیا۔

یہ ایک انگشتی تھی جس میں یاقوت کا ایک بڑا سامنیہ جگہ گرا رہا تھا۔

”میکا یہ تمہاری ہے۔“ فریدی نے حید سے پوچھا۔

”نہیں....!“ حید اسے فریدی سے لے کر دیکھتا ہوا بولا۔ ”اوہ.... کہیں یہ اس لڑکی کی نہ ہو۔“

”نہیں اس کی بھی نہیں ہو سکتی۔“

”کیوں....؟“

”عقل استعمال کرو۔“ فریدی نے خنک بیجے میں کہا۔ ”اگر یہ اس لڑکی کی ہے تو وہ اسے کے انگوٹھے میں پہنچتی ہو گی۔ اس کی نرم و نازک انگلیاں تو میں دیکھے ہی چکا ہوں۔“

واقعی یہ حقیقت تھی کہ انگشتی کا قطر کافی بڑا تھا.... اتنا بڑا کہ کم از کم وہ کسی عورت کا انگشتی تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔

”یہ ہمارے کسی ملازم کی بھی نہیں ہو سکتی۔“ فریدی بڑی بڑی لیکے ”بے داغ یا وقت کا اتنا بڑا سامنے۔“

”ہمارے کہیں ہے کہیں ہے کی ملے والے کی ہو۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں.... آج یہاں اس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا۔“

”واہ.... ابھی جلدیش آیا تھا.... اس کے ساتھ ایک سب انپکٹر بھی تھا۔ چار کا نشیل۔ زنانہ پولیس فورس کی ایک کار پورل بھی تھی۔“

”ان میں سے کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔ کسی کی بھی انگلیاں اتنی موٹی نہیں ہیں۔“

”جب پھر دادا مر حوم کی روح آئی ہو گی۔“ حمید بیزاری سے بولا۔ ”مر حوم کو انگشتیوں کا نھا جو انگلیوں میں نہیں آتی تھیں انہیں گلے میں لٹکائے رکھتے تھے۔“

فریدی خاموش رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے حمید کی بکواس سنی ہی نہ ہو۔ ”اوہ....!“ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر گیراج کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

”کہاں....!“

”وہیں جہاں تم نے کار کھڑی کی تھی۔“

”دیکھئے.... میں پھر کہتا ہوں کہ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیے۔“

”معاملہ اگر کسی غریب گھرانے کا وہ تاؤ تو شائد میں باز بھی آ جاتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”بائیں.... گھرانے کا بھی پتہ لگایا آپ نے....!“

”قطی..... جس قسم کے کپڑوں میں وہ بچہ لپٹا ہوا ہے وہ تو اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہے۔ کسی غریب گھرانے میں ایسے کپڑے کہاں۔ نہایت عمدہ قسم کی تمن عدد مردانی قمیں ہیں۔“

”لیڈر اگر غریب گھرانے کے لوگ اس طرح کپڑے نہیں ضائع کیا کرتے.... کیا سمجھے۔“

”ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ واقعی یہ بات غور طلب ہے۔ لیکن اب اس وقت وہاں جانے سے کیا کوہو گا۔ جبکہ نہش وغیرہ تو وہاں پہنچنے گئے ہوں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے کسی روز نامچے کی خانہ پری کی تو کرنی نہیں ہے میرے اور لمشک کے نظر میں فرق ہے۔ چلو بکواس مت کرو۔“

”اے سے کھینچ کر گیراج میں لا لایا اور پھر وہ دونوں راجر اسٹریٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔“

”بعض اوقات آپ کی دوڑھوپ قطعی غیر ضروری ثابت ہوتی ہے“ حمید نے راستے میں کہا
”غیر ضروری سے کیا مراد ہے۔“

”یہی کہ اب آپ وہاں کیا پائیں گے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جرم کرنے والے عکس پولیس
سے اپنی چالاکیوں کی داد و صول کرنے کے لئے وہاں اب بھی موجود ہوں گے۔“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ بچہ وہاں کسی دوسری بستی سے لاایا گیا ہو گا۔ اگر یہی خیال ہے ا
فضول ہے۔ چور کا دل ہی کتنا۔ ایسے معاملات میں زیادہ دور کا سفر کوئی بھی نہیں اختیار کرتا اور ہم
ایسی صورت میں جب کہ بچہ زندہ بھی ہو۔“

”میرے خدا۔“ حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”تو اس وقت گھر گھر کی کندھی ٹکٹکھائیے گا
”دیکھا جائے گا۔“ فریدی لاپرواں سے بولا اور سکار سلاکنے لگا۔ کار حمید ڈرائیور کر رہا تھا۔
زیادہ رات نہیں گذری تھی مشکل سے دس بجے ہوں گے۔ شہر کی روتنی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔
کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ ”راجر اسٹریٹ کی اندر ورنی گلیاں تو اسکی
جہاں دولت منڈھرانے آباد ہوں۔ تجھ دناریک عمارتیں ہیں۔“

”ہاں.... آں....!“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد پہلو بولا۔ ... پہ نہیں یہ ”ہاں“ حمید
جواب میں کہی گئی تھی یا وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

”وہ جلد ہی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ حمید نے کار ٹھیک اسی جگہ کھڑی کی جہاں پہنچے کھڑی کی
دو کاشیبل وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ایک تی اطلاع دی۔ لیکن اس اطلاع کی وضاحت
نہیں کر سکے۔ ان کے بیان کے مطابق جمکش وغیرہ کسی قریبی عمارت کے قیمت میں اس م
کی چھان بین کر رہے تھے۔

ایک کاشیبل نے ان کی رہنمائی کی اور وہ وہاں پہنچ گئے جہاں جمکش نے درجنوں آدمی
پوچھ گچھ کے لئے روک رکھا تھا۔ ”جمکش فریدی کو دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں ابھی آپ کو
کرنے والا تھا۔“

”کوئی خاص بات۔“ فریدی نے چاروں طرف ایک اچھتی ہوئی نظر ڈال کر کہا۔
”جی وہاں.... میں بتاتا ہوں۔“

”وہ اس وقت ایک عمارت کی دوسری منزل پر تھے۔ جمکش، فریدی اور حمید کو ساتھ لے کر
راہبادی میں ایک طرف چلتے گا۔“

آئے چل کر انہیں ایک قیمت کے دروازے پر ایک کاشیبل کھڑا نظر آیا۔
”یہاں تاپاچتے ہو مجھے۔“ فریدی چلتے چلتے رک کر بولا۔

”میں یہاں تحقیقات کرنے آیا تھا کہ اس قیمت کے ایک کرایہ دار نے ایک عجیب اطلاع دی۔
یہاں کے مطابق پچھلے دو ماہ سے یہاں ایک پہاڑ اسراز جوڑا آیا رہا ہے۔ عورت حاملہ تھی۔
”پہاڑ اسراز جوڑا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”پہاڑ اسکیوں؟ کیا مرد بھی حاملہ یا حال تھا۔“

”پوری بات سنائیجھے.... حمید صاحب۔“ جمکش جھنجھلا گیا۔

اگر فریدی بھی اسے غصیل نظروں سے تھکور نے لگتا تو حمید نے دوبارہ جمکش کی ٹاک لی۔
فریدی نے سر کی جیسی سے بیان جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

”میں نے اسے پہاڑ اسراز کہہ کر غلطی نہیں کی۔“ جمکش بولا۔ ”پہلو سیوں سے ان کے
تہرے اچھے تھے اور پڑو سی بھی ان کا کافی خیال رکھتے تھے۔ آج یہاں زچھی ہوئی تھی۔“

”زچھی..... لا حول ولا قوتہ۔“ حمید نے اس امنہ بنا کر پیچھے کھک گیا۔

”تم کہتے جاؤ۔“ فریدی جمکش سے بولا۔

”پہلو کی ایک عورت نے اس سلسلے میں ان کی بہت مدد کی۔“

”جمکش وہ خاص بات بتاؤ جس کے لئے مجھے یہاں لائے ہو۔“ آخر فریدی نے بھی
ملائے ہوئے لجھ میں کہا۔

”باب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زچھی کے بعد پہلو کی ایک بوڑھی عورت زچھ کے پاس
لگا تھی اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ رات اسی کے ساتھ گذارے گی لیکن ابھی ایک گھنٹہ قبل
مال بوڑھی عورت کے کسی عزیز کو اس سے ملنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے یہاں اگر
انسے پڑھک دی۔ لیکن جواب ندارد۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اندر کوئی موجود ہی نہ ہے۔
اگر مک دھک دینے کے بعد بھی وہ کامیاب نہ ہو سکا۔... پھر ایک عورت اندر آگئی۔ پہلو کی
کامیابی ایک جگہ فرش پر بیہوٹ پڑی تھی اور زچھ پیچے، شوہر وغیرہ منع سامان غائب تھے۔
”جی.....!“ حمید حلق پھاڑ کر بولا۔

لی کی یادداشت کے وہندگوں میں گردش کرنے لگے اور اس نے چک کر کہا۔ ”واقعی۔“
”میں نے اُسے حقیقت تاوی ہے۔“

”یہ بہت بُرا کیا آپ نے۔“

”جمید تم اپنے اس رجحان کی بناء پر کسی دن جہنم رسید ہو جاؤ گے۔ اسی واقعہ سے تمہیں
ت پکڑنی چاہئے۔“

”میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ میں حسن کو ایک آرٹ کی نظر سے دیکھتا ہوں اور بن
اپنے گرد و پیش رنگینیاں چاہتا ہوں.... آدمی اور جانور کا فرق برقدت میرے پیش نظر رہتا ہے۔“
”اس معاہطے میں آدمی اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ خیر اسے جانے دو.... میں دوسرے
ہات پر غور کر رہا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ تمہارے خلاف کی قسم کی سازش ہو۔“
”سازش.... میرے خلاف.... میں نہیں سمجھا۔“

”ہاں.... ہاں.... فرض کرو آج کوئی عورت دعویٰ کرتی ہے کہ وہ بچہ تمہارا تھام نے
لیا سے بچتے کے لئے اُسے زبردستی مال سے چھین لیا۔“

”اُسے اس کا شہود دینا پڑے گا۔“ جمید بولا۔

”بُوت تم خود ہی مہیا کرچے ہو۔ تم نے پچھلی رات اسے اپنا بچہ کہا تھا اور ایک عورت تم پر
کھا کر اسے تمہارے گھر تک پہنچا گئی تھی۔ تم نے درجوں آدمیوں کے سامنے اعتراف کیا تھا
تمہارا بچہ ہے۔“

”لیکن کوئی عورت خواہ مخواہ اس کا دعویٰ کرنے ہی کیوں لگی۔“

”بیٹے غال... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کریہا ہمارے ہزاروں دشمن ہیں۔“

”دشمن ہیں تو۔“ جمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن اس حرکت سے انہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔ میرا
بُولتا ہے کہ ہمارے دشمن تو صرف ہماری زندگیوں ہی کے گاہک ہو سکتے ہیں۔“
فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

استئن میں نو کروں نے دوسرا بار میز پر ناشتہ لگادیا تھا۔

حمد ناموشی سے پیشوں پر ہاتھ صاف کر تارہا اور فریدی اخبار دیکھتا رہا۔ ٹھوڑی دیر بعد وہ
بلند میز پر ٹکر کر ہونٹوں میں کچھ برباد نہیں۔ چہرے پر جھنجلاہٹ کے آثار تھے۔

”میں فلیٹ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں اور وہ بڑھیا کہاں ہے۔“ فریدی نے کہا۔
”جب وہ کسی طرح ہوش میں نہ آسکی تو اسے ہستال بیچ دیا گیا۔“
”خیر.... یہی فلیٹ ہے۔“

”جی ہاں....!“

”آؤ....!“ فریدی نے کہا اور فلیٹ میں چلا گیا۔

پھر کافی دیر تک وہاں سرمانتے رہے لیکن ایک مرد لانہ قمیض کے علاوہ اور کچھ بھی ہاتھ نہ ادا

”جمید....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”یہ چجھی قمیض ہے۔“

”ہاں کم از کم ایک درجن تو ہوئی ہی جائیں.... اور یہ حقیقت ہے یہ قمیض بھی انہیں
قمیضوں بکے سائز کی معلوم ہوتی ہے۔“

”میں آئیے قمیضیں اتنی بے درودی سے کیوں استعمال کی گئی ہیں۔“

”دیکھتے میں پھر آپ سے عرض کروں گا کہ یہ کیس جگہ لیش ہی وغیرہ کے لئے جو

آپ کے شایان شان نہیں۔“

”پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر اب مجھے اپنا خیال بدلتا پڑا۔“

”اگر آپ کو اپنا خیال بدلتا پڑا ہے تو پھر مجھے بھی اپنا خیال بدلتا پڑے گا۔“ م

بڑی بے بھی سے کہا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک فریدی وہاں ٹھہر کر لوگوں سے پوچھ گچھ کر تارہا۔ لیکن یہ کوئی

ہتھا کا کہ وہ عورت اور مرد کوں تھے اور کہاں سے آئے تھے۔

حالات پیچیدہ تھے لیکن سننی خیز نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ اسی لئے جمید کی

بھی اعتدال سے تجاوز نہیں کر سکی تھی۔ پیچیدے گیوں کے وجود بھی کیس بالکل سیدھا سا

بعد کے واقعات نے بچ کی حیثیت بھی واضح کر دی تھی۔

ابتدہ فریدی کا ذہن ان قمیضوں میں الجھا ہوا تھا۔

دوسری صبح جمید دیر میں اٹھا۔ فریدی ناشتہ کر چکا تھا لیکن ابھی ناشتے کی میز سے اٹھا۔

”ابھی وہ لڑکی آئی تھی۔“ فریدی نے جمید سے کہا۔

”لڑکی....!“ جمید حرمت سے بولا۔ پچھلی رات کے واقعات کی ادھورے خواب کا

”کیا بات ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”پتہ نہیں یہ آدمیوں کی سو سائی ہے یا جانوروں کا بیویٹ۔ اخبار اخبار... تو... قفر اغوا اور عصمت دری کے علاوہ اور کسی قسم کی خبریں نہیں دکھائی دیتیں۔“

”آخر اس کی وجہ کیا ہے۔“

”مستقبل کی طرف سے یہ اطمینانی خود اعتمادی کا تقدیم۔“

”اس کا علاج بھی ہے کوئی۔“

”شانی علاج ہے۔ مگر یہ دور ہے نئے تجربات کا۔ ایک اشیٰ پر نئے تجربات بھی فتح گے اس کے بعد پھر اسی دیانتوں کی طرف دنیادوڑے گی۔“

”اعتدال قناعت اور جهد مسلسل۔“

”بس قناعت کا توانم ہی نہ لجھے۔“ حمید نے اسامنہ بنا کر بولا۔ ”اس لفظ سے جلد ہو بُآتی ہے۔“

”تمہارے ذہن میں قناعت کا تصور بہت ہی کھلیا قسم کا معلوم ہوتا ہے۔ قناعت یہ مراد یعنی ہو کہ آدمی تارک الدنیا ہو جائے۔ ملے تو کھائے ورنہ فاقہ کرے۔ حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے۔ قناعت کا مطلب ہو سے دامن بچانا ہے۔“

”کچھ اس بیچے کے متعلق بھی فرمائیے اس کے سلسلے میں قناعت کس طرح ہو جا سکتی ہے۔“

”بالکل اسی طرح جیسے تم بھوک کی شدت میں ہالیوں کا کچھ نہیں چاندا شروع کر دے۔ سلسلے میں تمہیں مستقبل سے اچھی توقعات نہ ہوں تو تم یہ بھی کر سکتے ہو۔“

”بڑی ٹھنڈک بات ہے۔ اس کے کمی مفہوم ہو سکتے ہیں۔ خیر ماریے گولی میں اس قسم کی باتوں کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”تمہیں اب اپنی غلط قسم کی حسن پرستی سے باز آنایی پڑے گا ورنہ...!“

”اوہو... سنئے تو... بابا...!“ حمید نے اسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ ”درانئے شاندار دیہاتی پروگرام ہو رہا ہے۔“

آج اتوار تھا اور فریدی کے ملازم میں قریب ہی کے ایک کمرے میں ریٹنیو پر دیبا

من رہے تھے۔

ٹھیک اسی وقت اتنا نسر کی آواز سنائی دی۔ ابھی آپ دھویوں کے گیت من رہے تھے اب ایک ضروری اعلان سنئے۔ ہمارے ملک کے آئزن پرنس مسٹر آئی۔ جے خاور اطلاع دیتے ہیں کہ کل شام کو ریلوے اسٹیشن سے ان کا ایک سوت کیس گم ہو گیا ہے جس میں کچھ استعمالی کپڑے، کچھ کاغذات اور چند بیش قیمت انگشتیاں تھیں۔ مسٹر خاور اعلان کرتے ہیں کہ سوت کیس ان ملک پہنچانے کے والے کو مبلغ دو ہزار روپے انعام دیئے جائیں گے۔ اگر صرف کاغذات ہی پہنچادیئے جائیں تو بھی پہنچانے والا اسی انعام کا مستحق ہو گا اور اس سے بقیہ دوسری چیزوں کے متعلق باز پس نہ کی جائے گی۔

قارون کا مقبرہ

اعلان قسم ہو جانے کے بعد پھر پروگرام شروع ہو گیا۔ اس بارے چہاروں کا ناج نشر ہو رہا تھا۔

”یہ مردگ بھی بڑے غصب کی چیز ہوتی ہے۔“ حمید مردگ کی تھاپوں پر سر ہلاتا ہوا بولا۔

”اور اس سے پہلے کے اعلان کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”مشکلہ خیز...!“ حمید نے کافی اتنی لیتے ہوئے کہا۔

”مشکلہ خیز کیوں؟“

”سوٹ کیس جس کے بھی ہاتھ لگا ہو کاہہ واپس کیوں کرنے لگا۔“

”دو ہزار کے انعام کا اعلان تھا۔“

”بذریں...!“ حمید منہ بنا کر بولا۔ ”صرف کاغذات پہنچادیئے پر بھی انعام کی رقم بدستور برقرار رہے گی اور پہنچانے والے سے بقیہ دوسری چیزوں کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔“

”ہو سکتا ہے کہ کاغذات دوسری چیزوں سے زیادہ اہم ہوں۔“

”ٹھہریے۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آخر آپ یا یک اس اعلان کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔“

”مغض اس لئے کہ آئی۔ جے خاور کی گم شدہ انگشتیاں میں سے ایک نیزے پاس ہے۔“

”کیا مطلب...!“ حمید کافی کی پیالی رکھ کر فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

فریدی نے جیب سے ایک انگشتی نکال کر میز پر ڈال دی۔ یہ وہی یا قوت کی انگشتی تھی جو

اے پچھلی رات پورچ میں پڑی ہوئی تھی۔
”اے دیکھو....! اندر کی طرف آئی جے کے حروف کندہ ہیں۔ عشرت بھل خوار
نے اسے بھی دیکھا ہے۔“

”اتفاق نہیں ہوا۔“ حمید نے جواب دیا۔

”لوہہ کا سب سے بڑا تاجر.... اور لوہا پکھلانے کی بھی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا
گول مٹول اس کے ہاتھوں کے لئے ایسی ڈبل روٹوں کا تصور کرو جن میں پانچ پانچ شاخیں
آئی ہوں.... بھر اس کے بعد اس انگلشتری کو دیکھو.... غیر معمولی حد تک موٹی انگلوں پر
آسکے گی۔“

”چلنے مان گیا.... لیکن اگر یہ اعلان آپ نہ سنتے تو....!“

”آئی جے کے سے کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکتا۔ شہر میں خاور یہیے درجنوں موٹے ہوں گے
بہر حال۔“ حمید ایک گھری سانس لے کر بولا۔ ”اگر یہ انگلشتری خاور ہی کی ہے تو اس
کھوپڑی میں بھی مخزے بجائے لوہے کا براہد ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”ہاں یہ اعلان تو یہی ظاہر کرتا ہے.... ہو سکتا ہے کہ اخبار میں بھی اشتہار ہو۔
اشتہارات کا صفحہ تو دیکھو۔“

حمدید اخبار کے صفحات اٹھنے لگا۔

”آپ کا خیال بالکل درست ہے۔“ اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”اشتہار کے وہی الفاظ
جو ہم ابھی ریڈ یو پرسن چکے ہیں۔“

”ٹھیک۔“ فریدی کرسی کی پشت سے نیک گاتا ہوا بولا۔ ”معاملہ دلچسپ ہے۔“ دلچسپ
سوچنے لگا۔

”وال ذرا مشکل ہی سے گلے گی۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”وہ بہت بڑا آدمی ہے۔“

”مجھے تاؤ دلار ہے ہو۔“ فریدی نے خفیہ سی مکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”تاؤ نہیں دلار ہاں، حقیقت عرض کر رہا ہوں۔ اگر وہ واقعی مجرم ہے تو اس کی دیکھ دلیل
کی داد دینی پڑے گی جناب۔“

”اوہو.... ایک معمولی ساچور بھی اپنی گلو خلاصی کے لئے ہاتھ پر ضرور مارتا ہے۔“

ب بھی یہ چار عدد تمیں ابھیں میں ڈالے ہوئے ہیں۔ انکو بھی ہاتھ سے نکل کر گر سکتے
تمیں.... اور تمیں بھی وہ جن پر شہر کی سب سے مشہور ٹیکرگ شاپ کے لیلے گئے
ہیں۔ یعنی وہاں سے تمیں کے مالک کا پتہ ہے آسانی لگایا جاسکتا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ آج تو دو کان بند ہو گی۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں تو اور کو ساری بڑی دو کانیں بند رہتی ہیں۔ لیکن ہمیں خاور سے ضرور ملتا چاہتے ہے۔“

”اس کا آفس بھی تو بند ہو گا۔“

”کرنے کو... میں اس کی رہائش گاہ سے واقف ہوں۔ روشن محل میں رہتا ہے۔“

”افوس اتوار بھی ہاتھ سے گیا۔“ حمید سر پیٹ کر بولا۔

”چلو اٹھو! بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی گھٹری دیکھتا ہوا بولا۔ ”کپڑے تبدیل
کے لئے صرف آدھا گھنٹہ دے سکتا ہوں۔“

”یہ چنچلا جانا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔“

”وش محل شہر کی ایک عظیم الشان عمارت تھی اور اس میں ملک کا سب سے بڑا لوہے کا تاجر
جیل خاور رہتا تھا۔“

”فریدی اور حمید کو زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ملازم نے انہیں روشن محل کی شاندار
ائیں پہنچادیا۔ وہاں شاندار دس منٹ تک انہیں خاور کی آمد کا انتظار کرنا پڑا۔“

”میدنے اسٹڈی میں داخل ہونے والے انسان نما تدوے کو بڑی حرمت سے دیکھا۔ خادر کا قد
شے نے زیادہ نہیں تھا۔ مگر پھیلا تو.... خدا کی پناہ....!“

”ٹپے کا انداز ایسا تھا جیسے پیروں میں چھوٹے چھوٹے پہنچے گے ہوں اور وہ چلنے کی بجائے پھسل
کر جائے۔“

”آ..... فوں..... آ..... فوں.....!“ وہ صوفے پر گر کر ہانپتا ہوا بولا۔ ”فرمائیے کر تھا
ب..... آفون..... کیسے تکلیف..... فرمائی..... آفون..... آ..... فوں۔“

”میں نے ریٹن یو پر آپ کا اعلان سناتا۔“

”کوئو..... بہت..... آفون..... شکریہ..... آپ نے توجہ فرمائی..... آ..... فوں..... خوش
انہیں سمجھتی..... آ..... فوں۔“

میں جھپک رہی تھیں جیسے وہ اس سوال پر غور کر رہا ہو۔
”میا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا تعلق میری ذات سے ہو گا۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔
”نہیں! میں قبل از وقت کچھ نہیں سمجھتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں اس واقعے کی تحقیقات کر رہا ہوں۔“

”میں اس نوزائدہ بچے کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ شائند کوئی مجھے چانسے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن یہ اس کی خام خیالی ہے۔ میں نہیں پھنس سکتا۔ پہلے میں سمجھا تھا شائند سوت کیس کانفڑات کے لئے لے آیا گیا ہے..... مگراب..... میرے خدا.....!“
وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔۔۔ پھر بے چینی سے پبلو بدل کر اپنے گالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”میں معاملات کی تھبہ تک پہنچ رہا ہوں۔“

”کیسے معاملات.... اگر بہت زیادہ تجھی نہ ہوں تو مجھے بھی آگاہ کیجئے۔“

”آگاہ کرتا ہی پڑے گا۔ یقیناً مجھ پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔“

وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ حیدر اس کے چہرے میں ایک خاص بات محسوس کر رہا تھا۔ وہ یہ کہ اس کے چہرے سے جذباتی تغیری کا ظہار قطعی نہیں ہوتا تھا۔

”میں بہت بدتفیض آدمی ہوں۔“ خاور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”اور کوئی میری اس بد نصیبی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ میں لاولد ہوں۔ دوسری بات ابھی حال تھی میں دو سال کی طویل ریٹنگ کے بعد میری بیوی یہاں آنے پر راضی ہوئی ہے شائند ذوقیاً تین دن بعد آجائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات بھی کسی کو ناگوار گذری ہو۔ وہ نہ چاہتا ہو کہ ہم دونوں صلح و آشتی کی ازندگی بسرا کر سکیں۔“

”تو کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں رہتیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”بھی نہیں..... وہ دو سال سے مجھے سے الگ ہے۔ سعید آباد میں اپنے والدین کے ساتھ مقیم ہے۔ میں نے کبھی بخوبی نہیں کی۔ لاس کے اخراجات بھی پورے کرتا رہا ہوں ہاں البتہ اس دو سال کے عرصے میں کبھی اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔“

”اور اب وہ خود ہی آنا چاہتی ہیں یا اسکی تحریک آپ کی طرف سے ہوئی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔
”ویکھے..... میں نے ہمیشہ یہی چاہا ہے کہ ہم دونوں میں ارتجاع باقی نہ رہے لیکن وہ ذرا تیز

” غالباً یہ انگلشتری آپ کی ہے۔“ فریدی نے جیب سے انگلشتری نکال کر
بڑھاتے ہوئے کہا۔
”بھی ہاں..... میری ہے۔“ وہ اسے لٹنے پلٹنے لگا۔ پھر جلدی سے بولا۔ ”اوہ
سوٹ کیس مل گیا ہے۔“

فریدی نے حیدر کی طرف دیکھا اور اس نے قیفیوں کا بندل فریدی کی طرف پر
”اور یہ قمیضیں بھی غالباً آپ ہی کی ہیں۔“ وہ تھبہ کی ہوئی قمیضیں اس کے پیرو
فرش پر ڈالتا ہوا بولا۔

”میں یہ سب نہیں۔ کانفڑات چاہتا ہوں کرتل صاحب.... آ..... فوں....
ہیں اور اسی سوت کیس.... آ..... فوں.... میں تھیں.... میں بھلا آپ کو انعام دے
کیا کروں گا.... البتہ آپ کا احسان.... زندگی بھر بیار ہے گا۔“
”مجھے افسوس ہے کہ مجھے صرف یہی چیزیں مل سکی ہیں۔ سوت کیس یا کانفڑا
سے نہیں گزرے۔“

”پھر یہ چیزیں آپ کو کیسے میں.... آفون.... فوں۔“
”ایک نوزائدہ بچہ انہیں قیفیوں میں لپٹا ہوا پڑالیا گیا تھا اور انگلشتری بھی انہیں قمیضوں
”نوزائدہ بچہ۔“ خاور حیرت سے منہ اور آنکھیں چھاڑ کر رہ گیا۔ کمرے کے سماں
کی مسلسل ”آ..... فوں“ گونج رہی تھی۔

”جی ہاں..... یہ بچھلی رات کی بات ہے۔ کسی نامعلوم آدمی نے بچے کو کیپن؟
ڈال دیا تھا۔“

”ڈالا بھی تو آپ ہی لوگوں کی کار میں۔ خدا کی پناہ۔“ خاور نے دونوں ہاتھوں
”آپ کا سوت کیس کن حالات میں کھویا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔
”ریلوے اسٹشن سے.... میں مکل شام کو تار جام سے واپس آیا تھا۔ گھر بچھ کر
وہی سوت کیس غائب ہے جس میں بہت ہی ضروری قسم کے کانفڑات تھے۔“

”اس نوزائدہ بچے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔
خاور نے اس کا جواب فوراً نہیں دیا۔ وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا اور اس

مزاج کی ہے۔ وقت برداشت بالکل نہیں رکھتی۔ میں بہت زمی سے پیش آتا ہوں اس رہبھی.... خیر چھوڑیے۔ ”
”وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“ فریدی نے اُسے ٹوکا۔
”کس سوال کا...؟“

”یہی کہ وہ خود سے آنا چاہتی ہیں یا آپ نے اس پر زور دیا۔“
”نہیں وہ خود نہیں آنا چاہتی ہے۔“

”بہر حال آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی یا تو اپنا پچھہ آپ کے سر تھوپنا چاہتا ہے یا یہ چاکہ آپ دونوں کے تعلقات طلاق پر ختم ہو جائیں۔“

”ٹھیک بالکل یہی بات ہے کہ مثل صاحب۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ اس کیس کی تعقیش کریں۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔“

”کیا آپ اپنے کسی ایسے دشمن کا پتہ بتا سکتے ہیں جس کی طرف سے آپ کو اس تم خدشات لاحق ہوں۔“

”ہاں میں بتا سکتا ہوں۔ لیکن آپ اس پر میرا نام نہ ظاہر کیجئے گا۔“

”یہ میرے ٹھیکہ کا مخصوص ترین اصول ہے۔“

”اچھا تو سنئے.... وہ میرا سوتلا بھانجا ضیغ ہے۔ اشار سر کس کاماںک۔ جانوزوں کی صفت خود بھی جانور ہو گیا ہے۔ مجھ سے خدا اس طے کا پیر رکھتا ہے۔ اور یہ بات بھی کھلی ہوئی ہے کہ میں لاولد مر جاؤں تو میرے تر کے کاماںک وہی ہو گا۔“

”ضیغ.....!“ فریدی آہستہ سے بڑا لیا۔ پھر خاور سے بولا۔ ”اچھا جتاب۔ فی الحال یہ اور انگلشتری میرے ہی پاس رہیں گی۔“ فریدی بولا۔

”ضرور ضرور..... شوق سے.... میں بھی آپ سے ملتا ہوں گا۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ جب میں مناسب سمجھوں گا خود ہی مل لوں گا۔“
اس دوران میں حمید بڑی توجہ اور دلچسپی سے خاور کو دیکھتا رہا اور اب وہ ایک بارہ کے چلنے کا منظر دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن خاور ان کی روائی کے وقت بھی صوفے سے نہ اٹھا بلکہ

بنی ہمالغے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

وہی پر حمید نبڑی طرح قیچے لگا رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

”ہمال ہے.... اور مجھے اپنی قسمت پر بھی روٹا آ رہا ہے کہ اس شہر کا باشندہ ہونے کے باوجود بھیں قارون کے مقبرے کی زیارت نہ کر سکا تھا۔“

”قارون کے مقبرے کی داد نہیں دی جاسکتی حمید۔“ فریدی تھیں آمیز لمحے میں بولا۔ اس کے لئے اس سے بہتر تشییع کوئی دوسرا نہیں ہو سکتی۔ بعض اوقات تمہاری ذہانت کا بھی انکل ہوا پڑتا ہے۔“

”اور یہ مقبرے بد تیز اور بد اخلاق بھی ہے۔“ حمید چیک کر بولاب
”نہیں..... یہ بات تو نہیں۔“

”ہے کیوں نہیں.... اسے کم ایکم کھڑے ہو کر ہم سے مصافحہ کرنا چاہئے تھا۔“

”اوہ.... تم دراصل اس بیچارے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ وہ خود سے کھڑا ہی نہیں سکتا۔ جہاں بیٹھ گیا بیٹھ گیا۔ پھر دو تین توکر مل کر اسے اٹھاتے ہیں۔ ہمارے چلے آنے کے بعد ہو کر دوں نے اٹھایا ہو گا۔“

”ہمارے مقدار میں بھی جو بے ہی لکھے ہوئے ہیں۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ مگر اس ، تعلق آپ کے خیالات کیا ہیں۔

”اس واقعے سے اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ اپنی قمیض نہ نعل کرتا۔ اور اگر سہوں آیا ہو، بھی گیا ہوتا تو سوت کیس کی گمشدگی کا اعلان کبھی نہ کرتا۔“

”اوہ ٹھیک یاد آیا۔ آپ نے ان کا نہزادات کے متعلق اس سے کچھ نہیں پوچھا۔“

”وہ میرے لئے غیر ضروری ہیں۔“

”اچھا اگر اس نے محض بکواس کی ہو تو۔“

”تب بھی میرے موجودہ روئی سے کیس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ انگلشتری اور قمیض اسی کی ہیں یا نہیں۔“

”اچھا.... اب.... دوسرا قدم۔“

”فی الحال ہم اس ہسپتال تک جائیں گے جہاں وہ بڑھیا زیر علاج ہے۔“

”میں بھی تھی۔ ذاکر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پولیس اس کا بیان لینے میں ناکام رہی تھی۔“
پہلے فریدی نے ان رسول سے پوچھ گچھ شروع کی جو رات بھرا سے قریب رہی تھیں۔
تھیں کی ذاتی حالت نہیں تھی۔ میزبان نے فریدی کو بتایا۔ ”ہوش اور بیہوٹی کی کش
بھر جاری رہی تھی اور وہ بے تحاشہ ہذیان بکری رہتی تھی۔“
”دکڑو...!“ فریدی بولا۔ ”کیا کہتی تھی۔“

”بے کمی باشیں.... مثلاً.... ارنے ارنے.... پاگل ہوئے ہو.... نکل جاؤ پہاں سے۔
یہ.... کیرہ ہٹالے جاؤ.... زیادہ تر وہ سیکھنے تھی.... کیمرہ ہٹاؤ.... بے شرم کہیں کے
دھناؤ۔“

دوسرے دلائل

وزی دیر بعد وہ پھر سڑکیں ناپ رہے تھے۔ لیکن شاہزادہ اس وقت ان میں سے کوئی بھی
رموز میں نہیں تھا۔ دونوں ہی بڑھایا کے ہذیان میں الجھے ہوئے تھے
اب کی ارادہ ہے۔ ”خوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔
سروچ رہا ہوں کہ صیغم سے بھی مل لوں۔“

اچھا یہ تائیے کیا آپ بڑھایا کے ہذیان کو اہمیت دے رہے ہیں۔
اہمیت دی بھی جاسکتی ہے اور نہیں بھی۔“

” واضح بات۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ” واضح ترین بات یہ ہے کہ ابھی یہ کیس خود
قیادہ بن میں صاف نہیں ہے۔ کئی الجھاوے ہیں۔ کئی سوالات ہیں.... بے شمار۔“
”آن آپ کوئی واضح بات نہیں کہہ رہے ہیں۔“

”الئے بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔
اگر کچھ اگر تو اگر۔“

”اگر آج اتوار ہے۔“ حمید شہنشہ سانس لے کر بولا۔ ”فتر کے چپر اسی بھی آج ہی
ٹالا ہے ہوں گے.... لیکن میں ناکاراں...!“

”الئے بھی جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔“ فریدی نے لفظ ”بے شمار“ پر تان توڑی تھی اور حمید نے
”پرانگتم کیا۔“

”اوہ.... ہا۔ آپ کو سب سے پہلے اُسی سے ملا چاہئے تھا۔“
فریدی کچھ نہ بولا۔ خوڑی دیر بعد اس نے کہا۔
”ضیغم کو جانتے ہو۔“

”جانا چہ مقی دارو! کئی بار سوچ پچاہوں کہ اسے دوچار دن کے لئے بند کر دوں۔“
”کیوں؟“

”پر لے سرے کا بد تیز اور شنی خورہ ہے۔ اس طرح سینہ تان کر چتا ہے جیسے اُس کی گز
آج تک کوئی پیدا ہی نہ ہوا ہو۔ طاقت پر بڑا گھنٹہ ہے۔ لڑکوں کے سامنے خاص طور سے ٹیکا
بگھارتا ہے۔ بڑے فخر سے کہتا ہے کہ شیروں سے رکشتی لڑنا اس کا محظوظ ترین مشغله ہے۔“
”وہ غلط تو نہیں کہتا۔“

”سرکس کے شیر اور بار بارداری کے گدھے میں کیا فرق ہوتا ہے۔“ حمید نہ اسامنہ بنا کر بولا۔
”لیکن آخر تمہیں اُس سے اتنی پر خاش کیوں ہے۔“

”لیں ہے.... وجہ میں خود نہیں جانتا۔“

”وجہ یقیناً کوئی لڑکی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی کے سرکس کی کوئی لڑکی ہو۔“

”لڑکوں کی وجہ سے کسی سے پر خاش رکھنا میرا شیوہ نہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی کہ اُ
محجہ بھی کسی بس پر جگہ نہ ملے تو میں بس کنڈیکنٹر کا دشمن ہو جاؤ۔“

”اچھا بس! اب اس بات کو میہن ختم کر دو۔ ورنہ تمہیں بکواس کے لئے موضوع مل جا۔
گ۔ میں خاموشی کے مودوں میں ہوں۔“

”حید نہ اسامنہ بنا کر کار کے باہر دیکھنے لگا۔ لیکن پھر جلد ہی پلٹ کر بولا۔

”ضیغم سے کب مل رہے ہیں۔“

”اگر ضرورت بھی تو ملوں گا ورنہ نہیں۔“

حمد خاموش ہو گیا۔

”خوڑی دیر بعد وہ سوں ہپتال بیکنج گے.... لیکن انہیں ایک غیر متوقع خبر سے دوچار“
”پڑا۔.... بڑھایا رچکی تھی۔ ذاکر نے بتایا کہ اسے گلا گھونٹ کر بیہوٹ کیا گیا تھا اور غالباً اسی پر
اسکے پھیپھروں کی بعض رگیں پھٹ گئی تھیں۔ صبح تک ناک اور منہ سے خون جاری رہا تھا۔“

مگر فریدی اس طرح خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اُسے حمید کی آواز بھی نہیں سن سکی دی تو
تھوڑی دیر بعد اس نے چونک کر کہا۔ ”نہیں... وہ ضیغ نہیں ہو سکتا۔ مرد کا جو مل
جاتا ہے کسی طرح بھی ضیغ اس پر پورا نہیں اترتا۔“

”میک اپ سر کار...!“ حمید بولا۔ ”ضیغ برا اچھا ہو دیا ہے۔“

”انتا اچھا بھی نہیں ہے کہ اپنے سر کی مخصوص بناوٹ کو چھپا لے جائے۔ اُس کا پورا جام
اس قابل نہیں ہے کہ اس پر کامیاب قسم کا میک اپ کیا جاسکے۔ لہذا وہ اس قسم کا خطرہ مول
ہی نہیں سکتا۔“

”تب تو پھر مجھے کہنے دیجئے کہ آپ حشر میک اصل مجرم کا پتہ نہ لگا سکیں گے۔“

”کیوں...؟“

”ظاہر ہے کہ اب مجرم عام آدمیوں کی بھیڑ میں تم ہو گیا ہو گا۔ خاور بھی بتائے ہوئے
نہیں ہے۔ رہ گئی عورت تو... اس کا ملنا بھی حال ہے۔ میں تو یہ عرض کروں گا کہ اس کو
اپنے ہاتھ میں لے کر گذشتہ کار ناموں پر غاک نہ ڈالنے۔ اس قسم کی چوری چکاری کے کیس
پولیس ہی کے لئے مناسب ہیں۔“

”حمدیہ ایسی کیس سول پولیس کے بس کا نہیں ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔ ایسے ہی درجنوں کیس ہیں جن میں پولیس آج تک ناکام رہی ہے
میں آئے دن نو اسیہ پکے زندہ یا مردہ شاہراہوں پر پڑے پائے جاتے ہیں۔ لیکن پولیس...
ایک نیصدی کا میلیاں بھی پولیس کے حصے میں آئی ہے؟“

”ٹھیک ہے! لیکن اس کی نوعیت ہی الگ ہے۔“

”کیس آپ کے ذمہ میں صاف بھی نہیں ہے اور آپ اس کی نوعیت سے بھی واقف
عجیب بات ہے... اور... ہا... کتنا حسین چور گذر گیا ایسے موقعوں پر گزاری کی رفتار ذرا کم کر دیا گئے
کیس کی نوعیت۔“ فریدی اس کی بعد کی بکار پر دھیان دیئے بغیر بولا۔ ”اچھا شوا
گند ضرور ہے لیکن اس کی بالائی منزل خالی نہیں معلوم ہوتی۔ وہ ایک حد تک کافی چالاک
ہے۔ اگر یہ حرکت اس کی ہوتی تو وہ اسے اپنی قمیقوں میں لپیٹ کرنے پہنچاتا۔ اور اگر اسی مادہ
بھی جاتی تو وہ اپنے گشیدہ سوت کیس کے متعلق ہرگز اعلان نہ کرتا۔ اچھا چلو خود اسی کے

15
طابن فرض کر لو کہ کوئی اسے پھنسنا چاہتا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھنسنے کا مقصد
تلکا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بچہ غیر قانونی ہی ہونے کی بناء پر پھینکا گیا تھا۔ اگر پھینکنے والا اسے
کے سر تھوپنا چاہتا ہے تو وہ پر لے سرے کا حق ہے کیونکہ وہ غیر قانونی بچہ خاور کی دولت
پر جبکہ کا بھی حق نہیں ہو سکتا اور اگر وہ اس طرح خاور سے کچھ روپیہ ایٹھنا چاہتا ہے تو یہ
ن کی غام خیالی ہے۔ اس واقعہ کے پولیس کے علم میں آجائے کے بعد وہ اس سے ایک کوڑی
صول نہیں کر سکتا۔ پھر اس نے یہ حرکت کیوں کی۔“

”اُسے اگر اس بات کا علم ہوتا کہ خاور سوت کیس کی گشیدگی کا اعلان کرادے گا تو شائد وہ
وہ ماطرین کا اختیار کرتا۔“ حمید نے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

”ہاں بات معقول ہے۔ اسے تسلیم کیا جاسکتا ہے ممکن ہے اسے علم نہ رہا ہو کہ اسی سوت
میں کپڑوں کے علاوہ کچھ ایسے کاغذات بھی ہیں جو بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی
گی خاور کو اعلان کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ لیکن یہ تو سوچو جو کہ اعلان نہ ہونے کی صورت
لیا پولیس خاور تک پہنچ سکتی تھی؟“

”قطعاً پہنچ سکتی تھی۔“ حمید نے کہا۔ ”اور یہ خود آپ کی کہی ہوئی بات ہے کہ جس ٹیکنگ
پر میں تمہیر کی گئی ہیں اسی کے ذریعہ خاور کا پتہ معلوم کیا جاسکتا ہے۔“

”لیکن اگر اس نے یہ حرکت پولیس کے علم میں لانے ہی کے لئے تھی تو پھر اس کی افادت
اُتم ہو جاتی ہے۔“

”کیوں...؟“

”زر اکھو پڑی استعمال کرو۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔

”کثر استعمال کی بناء پر اب وہ استعمال کے قابل ہی نہیں رہ گئی ہے۔“

”بکواس مت کرزو۔ کیا تم اتنا نہیں سوچ سکتے کہ مجرم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔“

”ندہ اس صورت میں پہنچا جب وہ اسے تمہاری کار میں پھینکنے کی بجائے خاور کی کوئی نہیں میں پھینکتا
ر، مورت اسے خاور کا بچہ ثابت کر کے اس کا اعلان کر دینے کی دھمکی دیتی۔ اس طرح وہ خاور
کا کافی روپیہ ایٹھ سکتے تھے۔“

”چلے گی میں اسے تسلیم کئے لیتا ہوں کہ اس جرم کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا۔“ حمید نے کہا۔

”لیکن خاور نے تو ایک بات اور کہی تھی... یعنی اس طرح کوئی دشمن اس کی بیوی کو اس سے ہی رکھنا چاہتا ہے۔“

”اس مسئلے پر تو ابھی گفتگو ہی نہیں کی جاسکتی۔“

”کیوں...؟“

”ہم اس کی بیوی کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ نہ ہمیں یہی معلوم کہ ان دونوں کے درمیں ناچاقی کی وجہ کیا ہے۔“

”اسے معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

”قطیعی ہے... اگر ناچاقی کی وجہ خاور کی جنسی بے راہ روی ہے تو اس واقعے کا اثر کے تعلقات پر پہنچتا ہے۔ درنہ نہیں... سینکڑوں آدمی روزانہ اس قسم کی حرکتیں کیا کرتے لیکن ان کی بیویاں اس بناء پر ان سے قطع تعلق نہیں کر لیتیں۔“

”تو اب آپ اس کی بیوی کی بھی ہستی کھنگالیں گے۔“

”یقیناً وہ تو کرتا ہی پڑے گا... جرم کا مقصد معلوم کئے بغیر جرم کا سراغ مشکل ہی سے ملتا ہے حسید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کیڈی اسٹار سر کس کمپنی کے آفس کے سامنے را گئی۔ یہ دفتر اتوار کو بھی کھلا رہتا تھا۔ ضیغم دفتر ہی میں موجود تھا۔

اس کی عمر چالیس کے قریب رہی ہو گی۔ یہم شجیم اور دروزشی جسم کا آدمی تھا۔ جزوں بھاری بن کے مقابلے میں اس کا سر اتنا چھوٹا تھا کہ غیر مناسب معلوم ہوتا تھا ہونٹ پتلے اور ان کی طرف دھنے ہوئے تھے۔ رنگت سفید لیکن صحت آمیز سرخی کی حالت تھی۔ جب وہ گفتگو کر تو اس کے سارے دانت پورے طور پر فمیاں ہو جاتے۔ سفید اور چکیلے دانت لیکن اسے مٹھے دیکھ کر کسی ایسے بھیزیرے کا تصور زہن میں ضرور پیدا ہوتا تھا جو اپنے شکار کی ہڈیاں چاہیے۔ اس کے لبجھ میں بھی عموماً بڑی تلنگی ہوا کرتی تھی... ظاہری بناوٹ کے ساتھ ہی ساتھ ان کی ذہنی ساخت بھی عجیب تھی... اس کی کھوپڑی میں یہ خیال برف کی طرح مخدود کر رہا گیا کہ وہ دنیا کے ہر آدمی کو طاقت سے زیر کر سکتا ہے۔

فریدی اور حسید کو دیکھ کر اس نے بہت بُراسامنہ بنایا۔

فریدی جو بشرہ شناسی میں ماہر تھا جلدی سے بولا۔ ”ہم دراصل ایک انکوائری کے سلسلہ میں

”جب آپ جیسے حضرات انگوائری کے سلسلے میں آئیں تو معاملہ بڑا ہی ہو سکتا ہے...“
”ضیغم ان کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتا ہوا بولا۔“

”خیریہ...! میں سگار پیتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا آپ آئزن پر فس مسٹر خاور کے پلن کے متعلق کچھ بتائیں گے۔“

”خاور کا چال چلن!“ ضیغم نے حیرت سے کہا۔ پھر بے تحاشہ فس پڑا۔ اس کا نہ ختم ہونے تھے کیونکہ کی غراہت سے بہت زیادہ مشاہدہ رکھتا تھا۔

”خدا کی شان ہے کہ اب خاور جیسے لوگ بھی چال چلن کے قابل ہونے لگے۔“ اس نے کچھ دکھل کر

فریدی اس کے جواب میں کچھ نہیں بولا۔ شاکریہ بات ضیغم کے لئے خلاف توقع تھی۔“

”لارڈ فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اپنے جملے پر فریدی کا ریمارک سننے کا تھنگی ہو۔“

پھر اس نے خود ہی کہا۔ ”لیکن آپ نے اس کے چال چلن کی تصدیق کرنے کے لئے اس رکو گوں منتخب فرمایا ہے۔“ اسکے لبجھ میں تلنگی کے ساتھ ہی ساتھ ایک حتم کا چیلنج بھی تھا۔

”مغل اسلئے کہ آپ دونوں کے تعلقات خوبگوار نہیں ہیں۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

”تب پھر میں اس کے خلاف غلط باطنی بھی کہہ سکتا ہوں۔“

”غلط باطنی میں بھی کچھ درست ہوتی ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اور مجھ میں اتنا سلیقہ میں اپنے کام کی باطنی منتخب کر سکوں۔“

”بات کیا ہے؟“ ضیغم فریدی کو گھوڑنے لگا۔

”نہایت اہم! پچھلی رات کو ہمیں ایک نو زائدیہ پچھے ملا ہے جسے چند تمیفوں میں لپیٹ کر کہیں لایا گیا تھا... اور وہ تمیھیں خاور کی ہیں۔“

”کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ تمیھیں خاور ہی کی ہیں۔“

”مجھے یقین ہے.... صرف مجھے ہی نہیں خاور کو بھی یقین ہے کہ وہ تمیھیں اسی کی ہیں۔“

”وہم بے تحاشہ نہیں پڑا۔ وہ کافی دیر تک پنستا رہا... حسید اول ہی دل میں بیچ و تاب کھارہا کر کر انہیں کے ہنسنے کا انداز بڑا تو ہیں آمیز تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نادان

پھل گانہ ایک ہی گونے میں اس کا سڑا ہوا منزٹاک کے راستے بہر جائے گا۔

پھر مجھے علم ہے کہ آپ بہت طاقت ور ہیں۔ ”فریدی اُسے تحسین آمیز نظرؤں سے دیکھتا ہو ابوالا۔

”میرے۔“ ضیغم سنجیدگی سے بولا۔ ”میں بتاتا ہوں کہ اس کی چال کیا ہے۔“

”پھر لمحے کچھ سوچ سوچ کر سر ہلا تارہا پھر بولا۔“ آپ جانتے ہیں کہ اس کی بیوی اس سے

” ۔۔۔“

”مجھے علم ہے۔“

”سنجیدگی کی وجہ بھی جانتے ہیں۔“ ضیغم نے پوچھا۔

”نہیں اس کا مجھے علم نہیں۔“

”خاور کافی دولت مند آدمی ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔“

” ۔۔۔ یہ بتاتا ہوں۔“

”بھراں کی بیوی اس کے ساتھ کیوں نہیں رہتی۔“

”میکن ہے مرا جوں میں ہم آہنگی نہ ہو۔“

”مرا جوں میں تو بڑی ہم آہنگی ہے جناب۔“ ضیغم مسکرا کر بولا۔ ”اتنی ہم آہنگی کہ آپ

کو بھی عورت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مگر عورت.... بیوی نہیں بلکہ شوہر چاہتی ہے۔“

”اوہ.... اچھا.... اچھا۔“ فریدی اس طرح آنکھیں بھاڑ کر سر ہلانے لگا ہیسے اصل بات اس

کو مجھے ملنا اب آئی ہو۔

ضیغم نے پھر ایک زور دار تھہبہ لگایا لیکن اس بار وہ جلد ہی سنجیدہ ہو کر بولا۔ ”پچھے بھی ہو

”اویک ایک ایسی ہستی کی ضرورت یقیناً محسوس ہوتی ہو گی جو اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ وہ چاہتا ہے

، اس کی بیوی پھر واپس آجائے۔“

ضیغم خاموش ہو کر سگریٹ سلاکنے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ”اسے واپس لانے کیلئے خاور کے پاس آخری حررب ہی کیا تھا۔ یہ

تلکیں اس کیلئے فائدہ مند ثابت ہو گی۔ میرا خیال ہے کل کے اخبارات میں یہ خبر آجائے گی۔“

”خود ری نہیں ہے۔“

”اوہ.... تب تو اس کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ نہیں فریدی صاحب اس کی

بیچ کی حادثت آمیز گفتگو پر قہقہے لگا رہا ہو۔

فریدی کے رویے میں البتہ کسی قسم کا بھی تغیر نہیں واقع ہوا تھا۔ اس کے چہ سارے

آثار تھے اور آنکھوں سے بے تعلق جھلک رہی تھی۔

”اب میں سمجھ گیا۔“ ضیغم بدستور ہستا ہو ابوالا۔ ”آپ اپنا وقت خالع کر رہے ہیں۔“

”کیوں! وقت کیوں خالع کر رہا ہوں۔“

”آپ خاور کے حالات سے واقع نہیں۔ وہ اس بیچ کا باپ ہرگز نہیں ہو سکتا اس

بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ حرکت بھی اس کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔

”آپ دو مقصاد باتمیں کہہ رہے ہیں۔“

”اویبا! وہ بچہ کسی اور کا ہو گا۔ خاور اسے اپنا ظاہر کرنا چاہتا ہے۔“

”یعنی خود ہی اپنی گردن پھنسوانا چاہتا ہے۔“ فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

”بھلا اس کی گردن کیا پھنسنے گی۔ دو چار ہزار روپے دے کر معاملہ برابر کرائے گا

ہے بایا۔“

”لیکن وہ یہ سب کچھ کرے گا ہی کیوں؟ کیا اس میں اس کی بدنائی نہیں۔“

”بدنائی....!“ ضیغم ہنس پڑا۔

”کیا لفظ بد نائی پر آپ کو نہیں آرہی ہے مسٹر ضیغم۔“ حید نے جھنجلا کر کہا۔

”نہیں کیپن حید مجھے آپ لوگوں کی سنجیدگی پر نہیں آرہی ہے۔“

”اوہ مجھے آپ کی عقل پر زوٹا آرہا ہے۔“ حید بولا۔

فریدی نے سوچا اگر بات بڑھ گی تو وہ بہتری باتمی نہ معلوم کر سکے گا اس لئے وہ

بول پڑا....“ خاور نے مجھے بتایا ہے کہ آپ اسے پھنسانا چاہتے ہیں۔

”کیا....؟“ ضیغم فریدی کی طرف پلٹ پڑا۔ ”میں اسے پھنسانا چاہتا ہوں۔“

خراب ہو گیا ہے.... میں اسے پھنساؤں گا.... وہ کہتے کاپلا ہے۔

”نہیں وہ تو ہا تھی کا بھی اب ہے۔“ حید ہنس پڑا۔

”کیپن حید میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ وہ پھر حید کی طرف پلٹ پڑا۔

اسے کھا جانے والی نظرؤں سے گھورتا رہا پھر فریدی سے بولا۔ ”اگر مجھے اس سے پہنچا

پلشی ضرور ہوئی چاہئے۔

”کیوں....؟“

”تاکہ اس کی بیوی واپس آجائے۔“ ضیغم نے اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگایا۔

”اوہ.... تو آپ بھی سیکھی چاہتے ہیں کہ وہ واپس آجائے۔“

”نہیں....!“ ضیغم سنپھل کر بولا۔ ”بھلا مجھ سے کیا غرض۔ لیکن میں بعد کے میخ حالات سے ضرور لطف انداز ہونا چاہتا ہوں۔“

”بعد کے حالات سے کیا مراد ہے۔“

”ممکن ہے کہ وہ اس خبر پر چلی ہی آئے.... لیکن پھر.... آپ بچے تو نہیں ہیں کریں۔“
”نہیں انہیں ان معاملات میں بچہ ہی سمجھتے۔“ حمید بول پڑا۔ ”ابھی ان کی شادی نہیں ہوا۔“
”خوب خوب....!“ ضیغم سر ہلا کر مسکرا بائے لگا۔

”مگر مسٹر ضیغم! اس نے بچے کہاں سے مہیا کیا ہوگا۔“ فریدی نے پوچھا۔ اس نے جو
ریمارک کو اس طرح نظر انداز کر دیا تھا جیسے کچھ سنائی نہ ہو۔

”دولت سب کچھ مہیا کر سکتی ہے کریں۔ اور پھر اس طرح بچے کے ضائع ہو جانے
کوئی امکان نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نے اسے کسی ایسی ہی جگہ پھیکو لیا ہو گا جہاں سے وہ جلد
لیا جاسکے۔ بچے کے والدین کو بھی اطمینان ہی ہو گا۔ انہیں دو چار ہزار روپے بھی مل گئے
گے اور ان کا بچہ اس وقت کسی سر کاری پر درش گاہ میں محفوظ ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ خاور
کے لئے اپنے کسی ملازم ہی کو منتخب کیا ہو۔ نہیں کریں یہ سارا معاملہ بالکل آسان ہے مگر؛
ذہانت کی بھی وادی نہیں پڑے گی۔ میں اب تک اسے صرف ایک فرست کلاس گاؤں کی تص
تحا۔ مگر اب مجھے اپنی رائے بدلتی پڑے گی۔“

فریدی بڑی سنجیدگی سے اس کی گفتگو سن رہا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس۔
”مسٹر ضیغم! اگر میں آپ سے نہ ملتا تو مجھے بڑا افسوس ہوتا۔ آپ نے معاملے کو بالکل ہی
کر دیا۔ مجھے تو آپ کی ذہانت پر حیرت ہے۔“

”کیوں؟ ہے نا....!“ ضیغم نے قہقہہ لگایا۔ ”مگر یہ بیچارے کی بد نصیبی ہے کہ بکیر
جیسے ذہین آدمی کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ بھی میری رائے تو یہ ہے کہ اس معاملے کو ا

”گا۔ ورنہ ابھرے بغیر اس بیچارے کا مقصد حل نہیں ہو گا.... وہ بھی خوب رہی۔“
”نہیں پھر ہنسنے لگا۔

کیکو اکندا

فریدی چند لمحے غور سے ضیغم کو دیکھتا ہا پھر بولا۔ ”مگر مسٹر ضیغم جب آپ یہ سوچ سکتے ہیں
کی بیوی بھی کیوں نہ یہی نتیجہ اخذ کر سکے گی۔“

اس سوال پر ضیغم شپنا گیا۔ لیکن اس نے اس تغیر کو پھر ایک بناوٹی قہقہے میں چھپانے کی
سماں۔

”اوہ....! اگر اس نے بھی یہی سوچا تب تو پھر میں اس پکویشن سے محظوظ نہ ہو سکوں گا۔
ووی اسے یقین دلا دیتا۔“

”خاور سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔“
اس سوال پر ضیغم اسے گھورنے لگا۔

”کیوں کریں! کیا اب میرا متعملکہ اڑانے کا رہا ہے۔“ اس نے تلخ لبجھ میں فریدی سے پوچھا۔
”قطعی نہیں! میں نے تو سرف رشتہ پوچھا تھا۔“

”اچھا تو سنئے!“ ضیغم نے گرج کر کہا۔ ”ہم میں بھی رشتہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے
ناہیں۔“

”اوہ.... آپ نے تو عربی طرز کی رجزیہ شاعری شروع کر دی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔
”اچھا شاعری کر رہا ہوں اور کسی دن ایک خونی ڈرامہ اٹھیں کروں گا۔“ ضیغم میز پر گھونسہ مار
دلا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”تو کچھ لبجھے! خاور میرے ہی ہاتھوں مارا جائے گا۔“

”اپ ایک ذمہ دار افسیر کے سامنے گفتگو کر رہے ہیں۔“ فریدی نے خنک لبجھ میں کہا۔
”مجھے اس کی پرواہ نہیں۔“

تو بھر اسے یاد رکھنے کے اگر خاور قدرتی موت بھی مرا تو میرا ملکہ اس میں دلچسپی لئے بغیر نہ

رہ سکے گا۔

”آپ کا محکمہ۔“ ضیغم خارت آمیز قبیلے کے ساتھ بولا۔ ”میں نے اب تک دس خون ری ہیں۔ لیکن پھر بھی اس وقت ایک آزاد شہری کی حیثیت سے آپ سے لفٹو کر رہا ہوں۔“ ”واقعی کمال ہے۔“ حمید نہیں پڑا اور ضیغم جلا کر بولا۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ خوب مہیا بچھے اور میرے ہھکلیاں لگا دیجئے۔“

”اچھا میں خیال رکھوں گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ورا اس کیس سے فرصلت جائے تو

”ضرور کوشش کیجئے گا۔“ ضیغم تلخ لمحے میں بولا۔

فریدی اور حمید اٹھ گئے۔

واپسی پر حمید نے راستے میں کہا۔ ”کہنے اب کیا خیال ہے اس جانبور کے متعلق۔“

”اگر میں نے اسے سبق نہ دیا تو مجھے زندگی بھرا فوس رہے گا۔“ فریدی بولا۔

”اچھا اس نے جو کچھ خاور کے متعلق کہا ہے اس کے بارے میں آپ کی کیارائے ہے۔“

”فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”اچھا بھجھے کہنے دیجئے۔“

”بکو...!“

”آپ نے کل رات والی لڑکی کو اصل واقعے سے کیوں آگاہ نہیں کیا۔“

”بکواس مت کرو۔“

”کم از کم اس کا پتہ ہی پوچھ لیا ہوتا۔...“ حمید نے کہا۔

”پتہ... پتہ تو مجھے معلوم ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ نہ جانے کیوں یہک اس کا

ٹھیک ہو گیا تھا۔

”تو پھر بتا دیجئے تا۔“ حمید بچوں کی طرح ٹھنک کر بولا۔

”اٹھا رہ کنکس لین... نام بھی بتا دوں۔“

”کاش آپ بچھے بتا دیں۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”زریشہ پر دین۔“

”ہائیں تو کیا شادی شدہ ہے۔“

”نہیں پر دیز اس کے باپ کا نام ہے۔“

”ٹھنڈر ہے پر در دگار... اور اس کے باپ کا بھی بہت بہت شکریہ دیغیرہ۔“

”تو پھر تمہیں کنکس لین کے پاس انتار دیا جائے۔“

”ارے آج آپ اتنے مہربان کیوں ہیں۔“

”بکھر کبھی تم پر ترس بھی آتا ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں نہیں مان سکتا۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”کوئی بات ضرور ہے۔“

”کیا بات ہو سکتی ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”اس طرح آپ کا کوئی کام بننا ہو گا۔“

”میرے تو سارے کے سارے کام کسی نہ کسی طرح بن ہی جاتے ہیں حمید صاحب۔“

”ہمیا آپ اس لڑکی پر کسی قسم کا شہر کر رہے ہیں۔“

”شبہ نہیں.... بھی میں تو فی الحال تم سے پیچھا چھڑا کر کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔“

”ٹھنڈری ٹھری۔“ حمید نے خوش کا اظہار کیا۔

”اچھا باب اتر جاؤ۔“ فریدی نے ایک جگہ کینڈی روک دی۔ ”اگر ممکن ہو تو آج ضیغم کے رکس میں ضرور جائی۔“

”یہ بات کہی ہے آپ نے۔ اب میں اس کیس میں دل و جان سے وچکی لوں گا... ہاہا ضیغم کے ٹھنڈا مرہ آجائے گا۔ میں بہت عرصہ سے اس کی گردن توڑنے کی فکر میں ہوں۔“

”حمدی! سنجیدگی سے میرا ایک مشورہ سنو۔ ضیغم سے بھڑنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری ”ونکل ہڈیاں بھی بہت عزیز ہیں۔“

”آپ اس سے مر عوب ہو گئے ہیں۔“

”چلو ہی کچھ لو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں نازرن یا زمبوکا بیٹھا نہیں ہوں کہ ہر ایک پاکبھی اٹار ہوں۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ سنگ ہی ساجیے کیڑے نے مجھے عاجز کر دیا تھا۔“

”تمہری میں آپ کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کروں گا۔“ حمید نے کہا اور کینڈی سے اتر گیا۔ ”لیکن فرانٹ بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔“

”حمدی! چند لمحے سڑک کے کنارے ہی کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر کنکس لین کی طرف مڑنے کی نگہ داری کی دستان کے لئے جاسوسی دنیا کے ناول ”نیلی لکیر“ اور ”خونی بگولے“ ملاحظہ فرمائیے۔

بجائے ایک قریبی ریستوران میں گھس گیا۔

اتوار ہونے کی وجہ سے ریستوران میں کافی بھیڑ تھی۔ حمید کو ایک بھی میر خالد نہ مل سکے ویسے وہ یہاں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ زرینہ پرویز سے ملنے اور ریستوران کے غسل خانے کے آئینے میں اپنے حلے کا ایک بار جائزہ لے سکے۔

اس نے کاؤنٹر پر کھڑے ہی کھڑے ایک کپ چائے لی اور پیے ادا کر کے سیدھا غسل نہ کی طرف چلا گیا۔

پھر شائد بیس منٹ بعد وہ باہر آیا۔ اس دوران میں اس نے اپنے چہرے اور بالوں کی نا مرمت کر لی تھی۔

یہاں سے کنس لین کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ پیدل ہی چل پڑا۔ ایک بچہ کھانا اور دھوپ کافی تیز تھی۔ لیکن اسکے باوجود جیسی طبیعت جوانی پر تھوڑا کنس لین کی اخراجوں کو تھی کے سامنے وہ رک گیا۔ وہ یہاں تک تو چلا آیا تھا لیکن اب رہا تھا کہ اس سے ملے کس بہانے سے۔ اگر وہ گھر پر موجودہ ہوئی تو پھر اسے کیا کرنا پڑے گا اگر اس کا باپ کوئی دینی نصیحت کا آدمی ثابت ہوا تو صورت حال کیا ہو گی۔ اسے اس سے قل کنی المذاہر نصیحت کی لڑائیوں کے قدمت بیند والدین سے ملنے کا اتفاق ہو چکا تھا اور وہ اس اچھی طرح پیش نہیں آئے تھے۔

اور پھر وہ سوچ رہا تھا کہ ”تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے۔“

اچاک اس کی نظر پا میں باغ کے ایک گوشے کی طرف اٹھ گئی۔ جہاں ایک بڑا سماں ایک درخت کے تنے سے لٹک رہا تھا۔ اور اس پر ”برائے فروخت“ تحریر تھا۔

درخت کے نیچے بے شمار گملوں میں صد ہا قسم کے پودے نظر آرہے تھے۔

”اب“ ”برائے فروخت“ کا مفہوم اس پر واضح ہو گیا۔ اور ساتھ ”تقریب بہر ملاقات“ سوچ گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ بے کشکٹ پائیں باغ میں داخل ہو رہا تھا۔ پھر وہ سیدھا وہیں جا کر رہا ”برائے فروخت“ کا بورڈ لٹک رہا تھا۔

”فرمائیے۔“ اسے پشت سے کسی کی آواز سنائی دی اور وہ چونکہ کر مڑا۔ اس کے سامنے

بلاپٹ اور پت قد بوڑھا پلکیں چھپ کر رہا تھا۔
جید نے اس کے رکھ رکھاؤ سے انداز لگایا کہ وہ کوئی کام لکھی ہی ہو سکتا ہے۔

”مجھے یہ بوڑھیاں لایا ہے۔ ویسے میں مس زرینہ سے واقع ہوں۔“
”تو فرمائے نا آپ کیا چاہتے ہیں۔“ بوڑھے نے زم لجھ میں کہا۔

”کیکو اکنڈا...!“ حمید سنجیدگی سے بولا۔
”یا...?“ بوڑھا سے گھورنے لگا۔

”کیکو اکنڈا...!“ حمید کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔
”یہ کیا بلایا ہے؟“

”ارے آپ کیکو اکنڈا نہیں جانتے۔“ حمید نے حرمت سے کہا۔ ”اوہ.... شاکر آپ پو دوں
کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“

”جی! کیا فرمایا۔“ بوڑھا نتھنے پھلا کر بولا۔ ”جناب میں پو دوں پر احترامی ہوں۔ مجھے ڈاکٹر
پوری کرتے ہیں۔“

”اوہ.... ڈاکٹر صاحب۔“ حمید مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ”آپ سے مل کر بڑی
نوٹی ہوئی۔“

”مجھے بھی ہوئی۔“ بوڑھا اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ”مگر کچھ اکنڈا...!
کیکو اکنڈا...!“ حمید نے تھیج کی۔ ”مجھے حرمت ہے کہ کیکو اکنڈا سے متعلق لڑپچ آپ کی
نثرے نہیں گذرائیں۔ یہ آرچ دکی ایک نسل سے تعلق رکھتا ہے اور گامگو کے خلے میں پایا جاتا ہے۔
اگلی حال ہی کی دریافت ہے۔“

”اوہ! اب بھی اسے اس سال کی نباتات کی انسائیکلو پیڈیا میں ہونا چاہئے۔“
”ضرور ہو گا۔“ حمید نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ نہیں ہے۔“ بوڑھے نے تشویش آمیز لجھ میں کہا۔
”تو بہر حال کیکو اکنڈا آپ کی نسری میں نہیں ہے۔“

بوڑھے نے اس کے چہرے پر نظر جائے ہوئے فنی میں سر ہلا دیا۔
”اچھا زیور اس کا ہو گا۔“

”مصیت۔“ حید بوجھا کر بولا۔ ”فی الحال مجھے اپنے ڈیڈی سے بچا ہے۔“

”کیوں... کیا ہوا۔“

”اوہ... میں دراصل رات والے معاملے کے متعلق مذکور کرنے کے لئے آتا تھا کہ پ کے ڈیڈی سے مدد بھیڑ ہو گئی اور اب وہ بنا تات کی انسانیکو پیدی یا لینے گئے ہیں۔“

”جناب! رات میں آپ کو نہیں جانتی تھی ورنہ اس طرح لوٹنے بنتی۔ میں نے آپ کے انبہت سنے ہیں۔“

”اوہ... وہ تو سب تھیک ہے مگر.... انسانیکو پیدی یا۔“

”ارے تو آخر گھر اہست کی کیا بات ہے۔ تھوڑی دیر سک آن سے بنا تات پر گفتگو کیجھے تب میں باہر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤں گی۔ میں خود آپ سے ملتی۔ نہ جانے کیوں میں ایک بار پھر اپنے کو دیکھنا چاہتی ہوں.... بیچارہ.... نہ جانے کس بد نصیب نے ایسی حرکت کی ہے۔“

اتے میں بوجھا ایک موٹی سی کتاب بغل میں دبائے ہوئے واپس آگیا۔

”لیکو اکنڈا تو نہیں ملا جناب.... دوسرا سے کا کیا نام بتایا تھا۔“ بوجھے نے حید سے کہا پھر یہ سے بولا۔ ”اوہو... کیا تم انہیں جانتی ہو۔“

”مجی ہاں.... یہ ملکہ سراج رسانی کے آفسر کیپٹن حید ہیں۔“ زرینہ مسکرا کر بولی۔

”ملکہ سراج رسانی کے آفسر۔“ بوجھا پلکش بچپکا نے لگا۔

”مجی ہاں.... آپ نے کرتل فریدی کا نام سنا ہو گا۔ یہ آن کے اسٹنٹ ہیں۔“

”کرتل فریدی۔“ بوجھا جلدی سے بولا۔ ”اوہ ہاں ہاں۔ میں اُسے جانتا ہوں۔ وہ میرے خود دوست.... کا لڑکا ہے۔ وہی فریدی تا۔“

”مجی ہاں.... وہی۔“ حید بولا۔

”لیا آپ نے اسی کی زبان سے ان پوڈوں کے نام سنے ہیں۔“

”مجی ہاں.... مجی ہاں۔“ حید جلدی سے بولا۔

”جب تو یہ پھر ضرور ہوں گے۔ اس کا بابت افریقہ اور جنوبی امریکہ پر اعتمادی تھا۔ کیا نام بتایا کرے کا۔“

”زیوراں....“ حید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

”زیوراں کا...!“ بوجھا جیرت سے بڑا بڑا۔

”اوہ تو آپ زیوراں کا بھی علم نہیں رکھتے۔“

”وزرا ایک منٹ تھہریے...!“ بوجھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ یہ بھی کوئی نام معرف قسم ہو۔“

”غیر معرف نہیں جناب! بہت ہی تیقی ہے۔“

”اچھا تو میرے ساتھ آئیے۔ میں انسانیکو پیدی یا میں دیکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں پوڈوں کے کوئی اور بھی نام ہوں۔“

”ضرور دیکھنے... لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان ناموں کے علاوہ اور کوئی نہیں۔“ دونوں پورچ سے گذر کر برآمدے میں آئے۔

اس نے ایک نوکر سے کہا۔ ”زرینہ سے کہو کہ انسانیکو پیدی یا لے کر آئے۔“ نوکر جانے لگا۔ ”تھہرو۔“ بوجھے نے کہا۔

”نوکر رک گیا۔“

”کیا کہو گے؟“ اس نے اس سے پوچھا۔

”سانیکل کا پیڈل لے کر چلے۔“ نوکر نے نہایت سنجیدگی سے دست بستہ کہا۔

”دیکھا... آپ نے۔“ بوجھا حید کی طرف دیکھ کر بولا۔

”انسانیکو پیدی یا... مائی ڈیسر۔“ حید نے نوکر سے کہا۔

”ہمیں بنے گا سر کار مجھ سے۔“ نوکر بیز اری سے بولا۔

”گزارو ہو تم...!“ بوجھا جھلا گیا۔ ”میں خود ہی لاتا ہوں۔“

بوجھا ہاتھ کر چلا گیا۔

ادھر حید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ بوجھا بنا تات کی انسانیکو پیدی یا پر اتر آئے گا ورنہ وہ کبھی بے تکلی نہ ہانکتا۔ لیکو اکنڈا اور زیوراں کا خود اسی کی تخلیق تھی۔

حید گھوٹھا صی کی تدبیر سوچ ہی رہا تھا کہ اچاک ایک دروازے سے زرینہ برآمد ہوئی۔ حید کو کرٹھکی پھر بے تھا شہہ ہٹنے لگی۔

”فرمائیے حید صاحب۔“ وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ ”اب کون سی مصیت نازل ہوئی آپ؟“

زیرینہ مسکراتی ہوئی اندر چل گئی اور حمید پودوں کے متعلق بکواس سن کر بور ہوتا رہ لیکن کرتا بھی کیا۔ جب اس کی شامت آتی تھی تو وہ اسی قسم کی حماقتوں کر بیٹھتا تھا۔

پھر شام کے آدھے گھنٹے کے بعد وہ زیرینہ کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا اپنی گلوخلا صی پر خدا کاٹا او کر رہا تھا۔ بوڑھے نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا دیں تھیں۔

“آپ نے بچپنی رات جھوٹ کیوں بولا تھا۔” زیرینہ نے حمید سے کہا۔ وہ خود کار فروہ کر رہی تھی۔

“صلحت....! حمید شفندی سانس لے کر بولا۔ اگر میں نہ کرتا تو لوگ میرا بیججا چاٹ رکھ دیتے۔ مقصد یہ تھا کہ کسی طرح جلد سے جلد دہا سے چل دوں گا مگر آپ در میان؟ آکو دیں۔”

“میں بچپنی رات ٹھیک سے سو نہیں سکی۔” زیرینہ نے کہا۔ “مجھے بار بار بچے کا خیال آتا اور ساتھ ہی آپ کی دشواریاں بھی سامنے آ جاتی تھیں۔ مگر آپ حمید صاحب۔ وہ ہنسنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ “مگر آپ کی ایکنگ کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ بچھے ایک بار کے بچے کے باپ معلوم ہو رہے تھے۔”

“اور اب میں اس وقت خود کو ایک لاوارث پر محسوس کر رہا ہوں۔”

“کیوں؟”

“پڑھ نہیں....! حمید شفندی سانس لے کر رہ گیا۔

“تو اب آپ لوگ بچے کے والدین کی تلاش میں ہوں گے۔” زیرینہ نے پوچھا۔

“ہاں.... صاحب خواہ مخواہ ایک بلاسر پر ڈی ہے۔ اب اسے بھلکتا ہی بڑے گا۔”

“مجھے سراغ رسانی کا بہت شوق ہے اور میں اس کیس میں آپ کا ہاتھ بٹا سکتی ہوں۔”

“آپ کس طرح ہاتھ بٹائیں گی۔”

“آپ لوگوں کے گھروں کے اندر تو گھس نہیں سکیں گے۔ میں یہ کام نہایت آسانی انجام دے سکوں گی۔ ہمیں دراصل ایک الگی عورت تلاش کرنی ہو گی جو آج ہی کل میں سے فارغ ہونے کے باوجود بھی گود خالی رکھتی ہو۔”

“ایسی سینکڑوں مل جائیں گی۔” حمید نے کہا۔ “جو کل فارغ ہوئی ہوں گی اور آج

یہ بھی خالی ہو گئی ہوں گی۔”

“اوہ.... تو اس کا پتہ لگانا بھی مشکل نہ ہو گا۔ پڑوی کم از کم یہ تو بتا دیں گے کہ اس کے کا انتقال ہو چکا ہے.... مگر اصل مجرمہ کسی حال میں بھی نہ چھپ سکے گی۔”

“لیکن اس مہم کا انتظام شائد چہ ماہ بعد ہو گا۔” حمید بولا۔ “شہر میں لاکھوں مکان ہیں۔”

“بہر حال میں مجرموں کا پتہ لگا کر انہیں معقول سزاد لوٹا چاہتی ہوں۔”

حمد آستین سر کا کر گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ “تمن بنجتے والے ہیں۔ کیوں نہ ہم اشارہ سرکس کے رام دیکھیں۔ آج اتوار ہے ایک شو ساڑھے تم بجے بھی ہو گا۔”

“یک بیک سرکس کی کیسے سوچ گئی۔”

“سرکس میں کئی لڑکیاں ہیں۔ اگر آپ کو سراغ رسانی کا شوق ہے تو وہاں پتہ لگانے کی لٹکیجھا کہ اصل مجرمہ کون ہے؟”

“کیا اوٹ پنگ ہاٹ رہے ہیں.... حمید صاحب۔”

“نہیں میں قلعی سنجیدہ ہوں۔” حمید نے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

کوٹ لے گیا

سرکس سے واپسی پر حمید زیرینہ کو ہائی سرکل ہائٹ کلب لے گیا۔ لیکن یہ بات اس کی کبھی نہ آئی کہ فریدی نے اسے اشارہ سرکس جانے کے لئے کیوں کہا تھا۔ وہاں کوئی خاص واقعہ نہیں آیا تھا۔ حتیٰ کہ ضیغم بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔

ہائٹ کلب کی دیپنیاں شباب پر تھیں۔ اس لئے حمید نے یہ سوچنا ہی ترک کر دیا کہ فریدی سے سرکس کے لئے کیوں تاکید کی تھی۔

ہائٹ کلب کے نیجرنے حمید کی شکل دیکھتے ہی جھر جھری ہی لی لیکن پھر اس کے ساتھ کے لیے بجائے ایک لڑکی دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔ وہ حمید سے بہت زیادہ خائف رہتا تھا۔ اور وہ تھا کہ اسی حتم کا اওی کہ بچھے اس کے پیچے تالیں بجا سکتے تھے۔ یعنی اس کی شخصیت میں بھاری انکل نہیں تھا۔

حمد اور زیرینہ اکا۔ مد۔ سرگ۔ نہ۔ گھنے۔

نمبر 15
ہمیں ایک درجن بھوتوں نے اس کے انجر پھر ڈھیلے کر دیئے۔ وہ پاگل ہو کر سڑکوں پر بھوکتا ہے۔

زیرینہ ہنسنے لگی اور حمید بکتا رہا۔ ”نجر آباد ایک آزاد علاقہ ہے۔ وہاں عورتوں کے لئے کوئی نہیں۔ صرف مردیتے ہیں۔“

اور ان کے مرتبے ہی بستی ویران ہو جائے گی۔ ”زیرینہ نے کہا۔
”اب جو کچھ بھی ہو۔“

”نہیں سمجھ دی گئی سے بتایے کہ آخر آپ لوگ شادی کیوں نہیں کرتے۔ خصوصاً فردی صاحب۔“
”کوئی پوچھتا بھی ہے ہم لوگوں کو۔“ حمید نے دردناک لمحے میں کہا اور ایک دشیر کو اشارے بلکر کھانے کا آرڈر دیا۔

”اوہ.... کھانا نہیں.... کھانا گھر ہی پر کھاؤں گی۔“ زیرینہ نے کہا۔

”آج باہر ہی سکی.... نہیں تکلف کی ضرورت نہیں۔“ حمید نے کہا۔ پھر بڑھانے لگا۔
”یہ بوار تو اور ہر ہی آرہا ہے۔“

”کوئی....!“ زیرینہ چوک کر دوسرا طرف دیکھنے لگی۔
”فیجر! اس سور کی غزل سننی ہی پڑے گی۔“

”آنے دیجئے.... تفریق رہے گی۔“ زیرینہ نہ کر بولی۔

”آداب بجالاتا ہوں پکتان صاحب۔“ فیجر میز کے قریب پہنچ کر بولا۔

”آخا! امراض تو اچھے ہیں۔ بیٹھنے بیٹھنے۔“ حمید نے سر کی جنبش سے کری کی طرف اشارہ کیا۔
”بہت دنوں بعد نیاز حاصل ہوئے۔“

”کون نیاز....!“ حمید نے حرمت کا اظہار کیا۔ ”نہیں وہ تو پرسوں بھی ملا تھا۔“

فیجر احقوں کی طرح ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ ”آپ تو یقین شاعر....!“

”تمہریے شہریے۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”ایک ضروری بات یاد آگئی۔ کل میرے لئے

ایک سر زمین سے تعلق رکھتے ہیں آپ۔“ زیرینہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”نجر آباد.... نام ہے اس سر زمین کا۔ وہاں دور دور تک عورتوں کا پتہ نہیں۔ عقیدہ کا یہ ہے کہ جس گھر میں عورت ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ ایک بار ایک فروٹس بوڑھ پر نہیں پڑی۔“

”آپ تمکھ گئی ہیں شائد۔“ حمید بولا۔

”تمہاروئی تو ضرور تمکھ جاتی۔ لیکن آپ کی گفتگو تمکھ محسوس کرنے کا موقع ہی نہیں لایا۔“
”پڑھنے کیوں آپ کے ڈیڈی مجھے ہوتا اچھے لگے ہیں۔“

”ڈیڈی کی پندیدیگی کا شکر یہ۔“ زیرینہ نہیں پڑی۔ پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولی۔ ”واہ۔“
آپ کو بہت بُری طرح گھور رہا ہے۔“

”کون....!“ حمید چوک کر دیکھنے لگا پھر مسکرا کر بولا۔ ”میا آپ اسے نہیں جانتیں۔“
”نہیں.... میں یہاں پہلی بار آئی ہوں۔“

”یہ یہاں کا فیجر ہے.... اور میں اسے مہابور کہتا ہوں۔ اسے شعر نانے کا خط ہے اور اس کے ساتھ عموماً بہت ہی غیر شاعرانہ قسم کی حرکتیں کیا کرتا ہوں۔“

”مشلاً....!“

”کبھی کبھی میں اپنا بکرا یہاں لے آتا ہوں۔“

”بکرا!....!“ زیرینہ نے حرمت سے کہا۔

”ہاں.... میں نے کتے کے بجائے بکرا پال رکھا ہے۔ بخش بھی نہیں ہوتا اور وقت میں ذبح کر کے کھلایا بھی جاسکتا ہے۔“

”اور آپ کو شرم نہیں آتی.... کیا ساتھ لئے پھرتے ہیں۔“

”یہاں بکرا کروں تو مجھوڑی ہے۔ تمہائی اگر ان گذرتی ہے اس لئے بکرا ہی سکی۔ ان عورتوں کو کیوں نہیں آتی جو کتنے ساتھ لئے پھرتی ہیں۔“

”تمہائی گراں گذرتی ہے تو شادی کیوں نہیں کر لیتے۔“

”اپنی طرف شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔“ حمید مختنڈی سانس لے کر کرسی کی پٹی میک لگاتا ہوا بولا۔

”کس سر زمین سے تعلق رکھتے ہیں آپ۔“ زیرینہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”نجر آباد.... نام ہے اس سر زمین کا۔ وہاں دور دور تک عورتوں کا پتہ نہیں۔ عقیدہ نے غلطی سے شادی کر لی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سال ایک نیا بھوت اس کے پیچھے لگ جاتا

تھی کہ آخر فریدی نے اسے سر کس دیکھنے کے لئے کیوں بھیجا تھا اور غالباً وہ بھی چاہتا تھا کہ پہلی دہائی لے جائی جائے۔ اسی لئے اس وقت اس نے سر کس کے لئے کہا تھا۔ جب وہ سکس ہانے کے لئے کیڈی سے اتر رہا تھا۔

کھانے کے بعد زریعنہ کہا کہ اب وہ گھر واپس جائے گی۔ نوبخت کے بعد وہ گھر سے باہر رہنے والی نہیں۔ حمید نے بھی یہی سمجھا کہ اب اسے جانے ہی دے۔ وہ کلب کے ممبر سے دوبارہ پڑھا جاز کرنے کا رادا رکھتا تھا۔

زرینہ چل گئی اور حمید و ہیں بیٹھا پاپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ اچاک اس نے اپنے قریب اکنی زور دار قیقہ نے۔ وہ چوک کر مڑا۔ قریب ہی کی ایک میز پر تین آدمی بُری طرح خس ہے تھے اور ایک نوجوان ان کے قریب کھرا ہوا جھینپی ہوتے انداز میں اپنے پچدار دانتوں کی اکش کر رہا تھا۔

”تمہاری موچھیں کہاں گئیں۔“ ایک نے پوچھا۔

”ارے یار خارش ہو گئی تھی۔“ نوجوان بیٹھتا ہوا بولا۔

”کہاں....!“ وہ آگے جھک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا ہو کر بولا۔ ”کیوں اڑاتے ہو.... ساری جلد سپاٹ اور بے داغ پڑی ہے۔ بھی اتنی شاندار موچھوں کی غالی مجھے تو بہت کراں گز ری ہے۔“

”کسی عورت کی عنایت معلوم ہوتی ہے۔ آج کل کی عورت میں بڑی موچھیں قطعی نہیں پسند رہتی۔“ دوسرا نے کہا اور معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

”یارو یقین کرو۔“ نوجوان بے بسی سے بولا۔

”کر لیا یقین۔... اچھا یہ بتاؤ وہ عورت کون ہے۔“

”کوئی نہیں یار.... خارش ہو گئی تھی۔“

”بھوٹ کی حد ہوتی ہے۔ اچھا ختم کرو!“ ہمیں کیا۔“ ایک نے کہا۔

”کیا پرسوں تک خارش نہیں تھی۔“ دوسرا بول پڑا۔

”نہیں تھی! بکھی نہیں تھی۔“ نوجوان جھنجلا گیا۔ ”موچھیں میری تھیں یا تمہاری تھیں۔“

”امال تو خاکوں ہوتے ہو۔ بولو کیا پیو گے۔ پتہ نہیں وہ عورت ہے یا جنت کی حور جس کا

”کل بھی میری نظر نوٹس بورڈ پر نہیں پڑے گی.... آپ بے فکر رہئے۔“
”آپ نے وعدہ کیا تھا۔“ مخبر بے بسی سے بولا۔
”یہ ۵۳ء کی بات ہے۔“

”دیکھنے پر بیشان نہ سمجھے۔ میرا بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔“

”ایک شرط پر میں آپ کی بات مان سکتا ہوں۔“

”کس شرط پر۔“

”کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس پر یقین نہ آئے۔“

”جی....!“ مخبر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

زرینہ کا نہ احال تھا۔ وہ دانتوں میں رومال دبائے بھی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ہاں جلدی سے سنائیے۔“ حمید بولا۔

”مجھے کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں آ رہا ہے۔“ تخبر مردہ سی آواز میں بولا۔

”یاد نہیں آ رہا ہے.... تو آپ کوئی سچا واقعہ یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پچ

کے یقین نہ آئے گا۔ میں تو ایسی بات سننا چاہتا ہوں جس پر یقین نہ آئے۔“

شیخ چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر جھلا کر بولا۔ ”میں گدھی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔“

”مجھے یقین ہے۔“ حمید نے انہائی سمجھدی سے کہا اور زرینہ بے ساختہ پھوٹ پڑی۔

شیخ پر پیک وقت شرمندگی اور جھنجلاہٹ کا حملہ ہوا اور اس کی شکل حد درج محفوظ

آنے لگی۔ وہ بُر اسامنہ بنائے ہوئے اخدا اور سیدھا اپنے آفس کی طرف چلا گیا۔

زرینہ اب تک نہیں جا رہی تھی۔

”واقعی حمید صاحب.... کمال کے آدمی ہیں آپ۔“ اس نے کہا۔

”کیا کروں.... یہ نہ کرتا تو اس کمخت کی کئی غزلیں زہر مار کرنی پڑتیں۔“

”کہیں وہ بیاض لینے کے لئے نہ گیا ہو۔“ زرینہ بولی۔

”فکر نہیں.... بیاض سیت اسے کسی اندر ہے کتوں میں چھلانگ لگانی پڑے گی۔“

استئنے میں دیٹر نے میز پر کھانا چین دیا۔... کھانے کے دوران میں زیادہ تر خاموشی تھی۔

جب حمید کا ذہن پھر موجودہ کیس کے سلسلے میں بھکنے لگا تھا۔ سب سے زیادہ الجھن اسے اس

تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

”خود ہی سمجھ لو۔“ نوجوان لاپرواں سے بولا۔

”ملاؤ گے نہیں؟“

”کوئی گرنی پڑی عورت نہیں ہے۔ بس اب اس سے آگے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ کوئی بیٹھوں تمہارے ساتھ ورنہ اٹھ کر چلا جاؤ۔“

”آج کیا ہو گیا ہے میرے شیر کو۔“ ایک نے دوسرے کو مناطب کر کے کہا۔

”چھوڑو بھی یاد کیوں بور کر رہے ہو چکارے کو۔“

”بھی اب نہ بولیں گے۔“ ان میں سے ایک نے ویژہ کو بلکہ شراب کا آرڈر دیا۔

حید کا ذہن قلبابازی کھانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ وہی آدمی نہ ہو جس کی انہی طلاق تھی۔ اس کا حلیہ بھی قریب قریب یہی بتایا گیا تھا۔ بڑی اور گھنی موچھیں یہیوی چیز گھوٹکھری والے بھورے بال۔ اور ٹھوڑی میں خفیت سا گڑھ۔ لیکن اب اس کے چہرے پر موچھیں نہیں تھیں۔ ممکن ہے پہچان لئے جانے کے خوف سے اس نے موچھیں صاف کر دی ہوں۔ بڑی موچھیں رکھنے والوں کی شخصیت میں سب سے نمیاں چیز موچھیں ہی ہوتی ہیں۔ اور پھر اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے برسوں تک اس کے چہرے پر موچھیں دیکھی تھیں۔ پچھلی رات کہ واقعہ ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے آج ہی موچھوں کی مصالی کی ہو۔

حید سوچتا رہا لیکن پھر اسے اپنے اسی خیال پر بُنسی آنے لگی۔ وہ پھر سوچنے لگا کہ اگر ای طرف بھرم ہاتھ آنے لگیں تو پھر جاسوسی نادلوں اور حقیقی زندگی میں فرق ہی کیا رہ جائے۔... گویا وہ اس وقت یہاں اسی لئے آیا تھا کہ اصلی مجرم سے مبھیز ہو جائے۔... حید لا حول پڑھتا ہوا آنٹاٹا کے اخبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ادھر شراب آگئی تھی اور وہ چاروں پی پی کر ڈیگیں مارنے لگے تھے۔

”تم کیا جانو۔... ایڈوپھر کے کہتے ہیں۔“ نوارد نوجوان نے کہا۔ ”میں نے ایسے الی کارنا سے انعام دیے ہیں کہ سن تو پسینہ آجائے۔“

”نہیں سنتا چاہتے بھائی۔“ ان میں سے ایک بے ڈھنگے پن سے ہستا ہوا بولا۔ ”تم بتاؤ وہ کہا کون ہے جو تمہاری موچھیں چاگئی۔ مجھ سے نہ چھپا پیارے۔ ورنہ میں تمہارے سرال والوں کو

”دوں گا۔“

”لیاں بھائی.... خدا قسم۔“ دوسرے بولا۔ ”یہ سرال کیا ہے۔ اسے سرال کیوں کہتے ہیں۔“

”جب گھٹیا قسم کی بے ٹھنگو کر رہے تھے لیکن نوارد ڈیہن بھی معلوم ہوتا تھا اور تعلیم بھی۔ حید سوچ رہا تھا کہ اس کا تعاقب کرنے میں کیا حریج ہے۔ ہو سکتا ہے یہ وہی ہو جس کی طلاش تھی۔ فی الحال دو باتیں تو اس میں پائی جاتی تھیں۔ اس کے بال بھی گھوٹکھریا لے تھے۔ یار نگت بھوری تھی اور ٹھوڑی میں خفیف سا گڑھ۔ موچھوں کے متعلق تو وہ سن ہی چکا تھا۔ موچھیں بڑی شاندار رہی ہوں گی ورنہ اتنی کڑی تقدیم کی جاتی۔

حید نے تہہ کر لیا کہ اس کا تعاقب ضرور کرے گا۔ اس نے ویژہ کو بلا کر کھانے کا بل ادا کیا۔

وبارہ پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

ٹھوڑی دیر بعد نوارد اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اٹھ گیا۔ انہوں نے اس کو روکنا چاہا گر اس شانک کی ضروری کام کا بہانہ کیا۔ حید نے اس کا جملہ نہیں سنایا لیکن وہ ریمارک ضرور نہ جو بیٹھے پر دیئے گئے تھے جن کا مقصد وہی ”مر نے کی ایک ناگ“ تھا۔ یعنی ضرور کوئی نہیں عورت جس کے چکر میں موچھیں بھی گناہ میں اور اب دوستوں کی دل ٹکنی بھی کی جا رہی ہے۔

اس کے ساتھی کافی پی گئے تھے لیکن وہ خود زیادہ نشے میں نہیں تھا۔ نہ تو اس کے قدموں ہی الغفرش تھی اور نہ آنکھوں ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے شراب پیا رکھی ہے۔ حالانکہ اس، بھی کافی گپ لئے تھے۔

وہ باہر نکل ہی رہا تھا کہ حید بھی اپنی چکر سے اٹھ گیا۔ نوارد باہر کھڑی ہوئی ایک کار میں ڈکیا اور حید سوچنے لگا کہ یہ بہت نرا ہوا۔ لیکن اُسے فور ایاد آگیا کہ نیکیوں کا اڑہ کلب کی کپڑا ٹھنڈک کے سامنے ہی ہے۔ قل اس کے کہ وہ اپنی کار اسٹارٹ کرتا حید تیزی سے چلتا ہوا اسک سے گزر گیا۔ اس کا رخ نیکیوں کے اڑے کی طرف تھا۔ وہ تمیں نیکیاں کھڑی دیکھ کر اس نا طمیان کا سافس لیا۔

اور پھر جب تک وہ کار چک سے باہر آتی حید ایک نیکی میں بینچے چکا تھا۔ تعاقب شروع ہو گیا۔ سڑک پر ٹریک کی زیادتی تھی لیکن نیکی ڈرائیور کافی نوشیار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنی نیکی اس کار کے پیچے لگائے ہی رکھی۔

اگلی کار والا جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فضائی تمنی سے لعلہ اندوں ہوتا چاہتا ہو۔ اس کی کار آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

حیدر سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ دیدہ دانستہ اپنا نہ کر رہا ہو۔ کہیں اسے اس تعاقب کا علم نہ ہو گیا ہو۔ تیکی کے اندر کی روشنی اس نے پہلے بیٹھنے کی کاری کی تھی۔

لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد حیدر کو اپنا خیال بدلتا پڑا۔ اگر اسے تعاقب کا علم ہوتا تو اسے آزمائے کی کوشش کرتا۔ اپنی کار کسی سنسان سڑک یا گلی میں موڑ دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اسکی سڑکوں سے اس کی کار گزرنے کی تھی جن پر بہت زیادہ ٹریک قرار۔

حیدر بار بار کلائی کی گھری دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ حمایت نہ کر رہا ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد کار کا رخ موزل ناؤں کی طرف ہو گیا۔ یہ ایک جھوٹی سی خوبصورت بُنْت تھی۔ یہاں چالیس یا پچاس چھوٹے بُنْگلے تھے اور ان میں زیادہ تمتوں لوگ رہتے تھے۔ ہیڈلا نیشن بُنْس بُجھا دو۔ ”حیدر نے تیکی ڈرائیور سے کہا۔

”چالان ہو جائے گا صاحب۔“ ڈرائیور بولا۔

”فکر نہ کرو۔ میں سپاہی کو کچھ دے دیا کر ٹھیک کرلوں گا۔“

اگلی کار موزل ناؤں میں داخل ہو رہی تھی۔ پھر وہ ایک بُنْگلے کے سامنے رک گئی۔

حیدر نے تیکی ڈرائیور سے روکنے کو کہا اور اس کے ہاتھ میں دس کافوٹ پکار کر اتنا ہوا بولا۔ ”تینیں پر میرا انتظار کرتا۔ جانا نہیں۔۔۔ سمجھے میرا تعلق پولیس سے ہے۔۔۔ ٹلے گئے تو نہت میں پڑو گے۔ تیکی کا نمبر مجھے زبانی یاد ہے۔“

”اچھا صاب۔“

حیدر آگے بڑھ گیا۔ سڑک پر اندر ہیرا تھا۔ اگلی کار سے اتراء ہوا آدمی شائد بُنْگلے کا چاہا کوں رہا تھا۔ پھر اس نے چاہا کو دھکیل کر اس کے پیوں کو ادھر ادھر کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ حیدر سمجھ گیا کہ وہ تینیں رہتا ہے اور اب کار کو بھی اندر لے جائے گا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے محوس کیا جیسے وہ کسی سے لڑ پڑا ہو۔ وہ اس کی آواز اچھی طرح پہچانتا تھا۔ غصیل آواز گالیوں میں تبدیل ہو گئی۔ چاہا کے اندر دو آدمی ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حیدر بھی کوئی فیصلہ نہیں کر پہا تھا کہ ایک نے دوسرے کو

۔ گردابیا۔

نیز دراہی کیا ہو رہا ہے۔ ”حیدر تھی کر آگے بڑھ۔ دوسرا آدمی جو اپنے شکار کو دبائے ہوئے سار کر رہا ہے۔۔۔ اور غالباً یہ مجرہ ہی تھا کہ حیدر سے ٹکرانے کے باوجود بھی اس کی گرفت میں جید جھوٹ جھل میں آ کر گرتے گرتے بچا۔ ابھی سنجل بھی نہیں پیا تھا کہ اس نے قریب ہی

ڈر سائیکل اشارت ہونے کی آواز سنی۔

دوسرا آدمی چاہا کے میں کھڑا گلوں کی طرح تھی رہا تھا۔

لے گیا۔۔۔ میرا کوٹ لے گیا۔“

حیدر نے جب سے نارج نکال کر روشن کی۔ یہ وہی آدمی تھا جس کا تعاقب کرتا ہوا دیہاں پہا تھا۔

سڑک کے کنارے

”وہی ہو تم۔۔۔!“ وہ جھلا کر حیدر پر جھپٹ پڑا۔

”راگیر ہوں بھائی۔۔۔ تمہیں لوتے دیکھ کر رک گیا تھا۔“ حیدر نے زرم لجھ میں کہا۔

”اوہ شائد میں پاگل ہو گیا ہوں۔“ اس نے کہا اور اپنی کار میں بیٹھ کر اجنب اشارت کر دیا۔ اب

ہاکاری طرف موڑ رہا تھا جو حصہ موڑ سائیکل کی آواز آرہی تھی۔

حیدر بھی اپکر تیکی میں جای بھاٹا۔

”ابھی ٹھہر۔۔۔!“ اس نے ڈرائیور سے کہا۔ ”اس گاڑی کو کچھ دور نکل جانے دو۔“

اگلی کار بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ حیدر نے بھی رفتار تیز کر دی۔ لیکن اس بار

تیکی ڈیڈلا نیشن روشن تمیں خود حیدر نے ڈرائیور کو خاص طور سے ہدایت دی تھی کہ اب ہیڈ

نکلنے بھائی جائیں۔

اس کی نظر اگلی کار پر تھی اور کان موڑ سائیکل کی آواز پر۔

ہر چاہا کے موڑ سائیکل کی آواز غائب ہو گئی اور ساتھ ہی حیدر نے اپنی اسکیم بدلت دی۔ اب

اک تعاقب نہیں جاری رکھنا چاہتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ اس بُنْگلے کی حلائی لی جائے

گلکا ہے کہ اس آدمی کے خلاف کوئی ثبوت ہی ہاتھ آجائے۔ اس نے سوچا کہ بُنْگلے یقیناً غال

ہو گا۔ شاند وہاں نوکر بھی نہ ہوں۔ اگر نوکر ہوتے تو وہ خود ہی چھانک کھولنے کی زمین کرتا۔ بلکہ کار کا ہارن بجا کر نوکروں کو بلاتا۔ ”ڈرائیور! تیسی پھر اسی طرف موڑلو۔“ اس نے آہتہ سے کہا۔ ”جی صاحب۔“

”تیسی گھنالو۔ پھر واپس چلیں گے۔ تم فکر نہ کرو تمہیں مناسب اجرت وی جائے گی۔“ ڈرائیور نے گازی کی رفتار کم کر کے اسے سمت مخالف میں موڑ لیا۔ ”اب جتنا تیر چل سکتے ہو چلو۔ ہمیں دیں جانا ہے جہاں پہلے تیسی روکی تھی۔“ تیسی فرانٹ بھرنے لگی۔ حمید مژمزر کر دیکھتا جا رہا تھا۔ مگر دور دور تک کسی دوسری کا نہیں تھا۔

اسے کوٹ والے مسئلے پر حیرت تھی۔ آخر وہ اس کا کوٹ اتار کر کیوں لے جانا اور ہم کے متعلق اس آدمی کی بدحوابی۔

اگر کوٹ کی جیب میں کوئی بھاری رقم تھی تو جسم سے کوٹ اتارنے کے مقابلے میں جب صرف رقم نکال لینا نسبتاً زیادہ آسان تھا۔ آخر حملہ آور نے کوٹ اتارنے کی زحمت کیوں کیا۔ واقعی یہ ایک بہت بڑی ستمی تھی جسے سلجمانا بغاہر آسان کام نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ”ٹھیک! بس نہیں روک دو۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد ڈرائیور سے کہا۔

تیسی رک گئی۔ حمید نے اترے وقت پھر ایک دس کافوٹ ڈرائیور کے ہاتھ میں کھلا آہتہ سے بولا۔ ”کی روڑ پر سر کو چج کے سامنے میرا منتظر کرو۔“

تیسی چل گئی اور حمید بیگلے کیلئے بڑھنے چھانک اب بھی کھلا ہوا تھا اور اندر گہری تارکی جمید بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ برآمدے میں بھی اندر ہی اور سنا تھا۔ حمید جس سخت حیرت ہوئی۔ اسے نتھ تھی کہ اسے کسی کھڑک کی کشیشہ توڑ کر اندر داخل ہونا پڑے۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک ایسی عمارت جس میں کوئی موجود نہ ہو متفہ نہ ہو گی۔ ”وو۔“ کر کے پچھے ہٹ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کہنی اندر کسی سے نہ بھیزنا ہو جائے ایسی صورت میں پر پانچھلی۔

”پھر تھا کیونکہ جلاشی کا یہ طریقہ قطعی غیر قانونی تھا۔“ ابھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اندر قدموں کی بیکی سی آواز سنائی دی اور حمید تاریکی میں سرک گیا۔ کوئی باہر ہی کی طرف آ رہا تھا۔ حمید ایسی صورت میں برآمدے سے باہر نہیں چانا پا رہتا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں دیکھ لئے جانے کا خطرہ تھا۔

کوئی دروازہ کھول کر باہر آیا۔ اندر ہرا ہونے کی وجہ سے حمید صرف آہتہ ہی سے اُس کا اندازہ لگا تھا۔ دوسرے لمحے میں اس نے روشنی کی ایک باریک سی لکیر دروازے پر پڑتی دیکھی اور پھر ایک ہاتھ دکھائی دیا جس میں کوئی نکیلا اور باریک سا اوزار تھا۔ اور پھر اسے یہ سمجھ لینے میں دیر نہیں گلی کہ وہ آدمی کس قسم کا ہو سکتا ہے۔ یقیناً وہ بھی چوری پھی اس مکان میں داخل ہوا تھا اور اب اس اوزار کی مدد سے دوبارہ قفل بند کرنے جا رہا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب اس کا تعاقب کرنا غصوں ہی ہے۔ کیوں نہ اسے اس حال میں پکڑ لے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک غیر قانونی حرکت کر رہا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ بھی اسی آدمی کے ساتھیوں میں زہاں جو مالک مکان کا کوٹ اتار کرنے بھاگا تھا۔

”ٹھہر دو....!“ حمید آہتہ سے بولا۔ ”میرے ہاتھ میں..... رویا اور ہے..... دوست!“

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس پر حیر توں کا پہاڑا ٹوٹ پڑا۔ اس آدمی پر اس کی دھمکی کا مطلق اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مشغول رہا۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“ حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

”میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔“ دوسری طرف سے جواب ملا اور حمید کے ہوش شکانے ہو گئے۔ آواز فریدی کی تھی۔ وہ خود کو بالکل گھاڑی محسوس کرنے لگا۔ پھر اس نے دوسری بار فریدی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ ”ٹپ آؤ چپ چاپ۔“

اس نے باہر تاروں کی چھاؤں میں ایک دھنڈا سایہ دیکھا اور بچھے ہوئے دل کے ساتھ اس کی طرف بڑھ گیا۔

”وو دنوں باہر آئے۔“

”میں تم پر فخر کروں یا یہ محض اتفاق تھا۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”نہیں مجھ پر فخر ہی سمجھتے۔ کیونکہ میں آج کل دھمکی دینے کے بعد ہی تاگ پر گولی مار دیتا

ہوں۔ بلکہ بعض حالات میں پہلے فائز کر دیا ہوں وہ ممکنی بعد میں دیتا ہوں۔ ”
”شکر کرو میں تھا کوئی دوسرا ہوتا تو تم اس وقت کہیں اور ہوتے۔“ فریدی بُش کر بولار
”اگر آپ بول نہ دیتے تو حقیقت واضح ہو جاتی۔“
”بکواس مت کرو۔ تمہارے پاس رویوالر نہیں ہے۔“
”ہے کیوں نہیں۔“

”اچھا اسی پر ایک ایک ہزار کی شرط رہی۔“

حمدید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ سڑک پار کر کے دوسری طرف نکل آئے تھے۔
”تمہاری آواز میں وہ وزن نہیں تھا جو حق بولتے وقت ہو تا چاہے۔“ فریدی نے کہا۔
”حمدید کچھ نہ بولا۔ فریدی کہتا ہے۔“ ذرا کھوپڑی استعمال کیا کرو۔ ایسے موقع پر یا تو خاموشی سے
حالات کا جائزہ لیتا چاہے یا پھر اتنی پھرتی سے حملہ کر دینا چاہے کہ دوسرے کو سنجھنے کا موقع ہونے
لئے۔ مگر فرزند تم اور ہر کیسے آنکل۔“

”ٹھہریے بتاتا ہوں... کیا گاڑی لائے ہیں آپ۔“
”ہاں... وہڑی روڑ پر ہے۔“

”اچھا پھر میں پہلے اپنی ٹیکسی کا تصفیہ کر لوں۔ آپ ساتھ ہی چلیں گے تا۔“
”قطیں...!“

وہ سی روڑ پر آئے یہاں حمید نے ٹیکسی والے کو کچھ اور رقم دے کر رخصت کر دیا۔ پھر ذیلی
روڑ پر وہ کیڈی لاک میں بیٹھ گئے۔

”ہاں تم نے بتاتا نہیں کہ تم یہاں تک کیسے پہنچے۔“
حمدید نے اپنی داستان شروع کر دی اور جب کوٹ والے والے واقعے پر پہنچا تو فریدی بے چینتے
پہلو بدلنے لگا۔

”یہ بڑی عجیب بات ہے۔“ اس نے آہتہ سے کہا۔ ”کہیں اس نے یونہی نہ کہہ دیا ہو کہ
اس کا کوٹ لے جا گا ہے۔“

”نہیں... میں نے نادرج کی روشنی میں دیکھا تھا اس کے جسم پر کوٹ نہیں تھا۔ حالانکہ اُر
سے تمودی ہی دیر قابل جب میں نے اسے کلب میں دیکھا تھا اس کے جسم پر کوٹ موجود تھا۔“

”جید تم نے غلطی کی۔ تمہیں موڑ سائکل کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔“

”میرے کاموں میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی خایر رہ جاتی ہے۔“ جید خونگوار بچہ میں بولا۔

”نہیں کہنے کا یہ مطلب نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مجھے پہلے ہی سے اس کا علم نہ ہوتا تو تم
نہ کام کر کے واپس لوئیں۔ خیر.... خیر....!“

”آپ کو کیسے علم ہوا تھا۔“

”محض مونچھوں کے تذکرے پر۔ تم جانتے ہو وہ کون ہے۔“

”نہیں... میں اس کام تک نہیں جانتا۔“

”اس کام رشید ہے.... اور وہ خاور کی ایک آڑن فیکٹری کا فیجر ہے۔“

”خاور کی فیکٹری کا فیجر۔“ جید نے حیرت سے کہا۔

”اں.... اور آج جب میں خاور کے بعض آدمیوں سے مل رہا تھا مجھے اس کی مونچھوں کا
وہ ہوا۔ اسی شاندار مونچھوں پر اسٹر اچلوانا کوئی بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اسی بناء پر میں نے

مکان کی تلاشی لینے کا پروگرام بنایا۔ لیکن مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کیس پر
لی ہو۔ البتہ میں اس کی ایک ایسی تصویر لئے جا رہا ہوں جس میں مونچھیں ہیں۔“

”تو اس سے بھی تصدیق ہو جائے گی۔ راجراستہ بیٹ وائلے اسے پہچان لیں گے۔“

”بڑی تموزی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔“ مگر یہ کوٹ والا معاملہ۔“

”نا اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔ پھر تموزی دیر تک خاموشی رہی۔“

”خراپ نے مجھے سر کس کیوں بھیجا تھا۔“ جید نے پوچھا۔

”میں تھیں اور زیرینہ کو ساتھ دیکھنے کیلئے۔“ فریدی ہنسنے لگا۔ ”کافی اچھے لگ رہے تھے تم
رہیں نہ دیکھنے تو آنکھیں بھی دیکھنے کیلئے۔“

”سالی آنکھیں تھیں؟“

”غم کی...!“

”ماکاڑی بیس سے کیا تعلق...!“

”بڑے کوئی تعلق نہیں۔ میں تمہاری بات کر رہا تھا۔“

”جس کیز نہ نظر و نظر و نظر سے کیوں دیکھ رہا تھا۔“

اس کی موت کی بھی خبر نہیں تھی۔
”ٹھیک ہے۔“ فریدی بولا۔ ”رپورٹ میں نے ہی مرتب کرائی تھی اور میرے ہی ایکاء پر
کی اشاعت ہوئی ہے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ
اکواں کا علم نہ ہوگا۔ کیا وہ یہ نہ جانتا ہو گا کہ یہوش بڑھانے ہوش میں آنے کے بعد سارے
ات بیان کردیے ہوں گے اور کیا ان کی پر اسرار گمشدگی کی شہرت نہ ہوئی ہوگی۔“
ٹھیک ہے وہ سب کچھ جانتا ہوگا۔ اگر نہ جانتا ہو تو تم موچیں منڈوانے کی ضرورت ہی نہیں
یہ سب کچھ مجرم کو دھوکے میں رکھنے کے لئے نہیں کیا گیا بلکہ اخبارات اور پیلک کی نکتہ
لے سے بچنے کیلئے کیا گیا ہے۔ پتہ نہیں ہم کب مجرموں کو گرفتار کر سکیں۔ اگر دیرگلی تو اندر
لگیں گے کہ اتنے سارے موجود ہونے کے باوجود بھی پولیس ابھی تک کچھ نہیں کر سکی۔“
حمد کچھ نہ بولا۔ لیکن تھوڑی دنی بعد اس نے کہا۔ ”اب رشید کو گرفتار کر لینے میں کیوں
ٹھے۔“

”کوئی پکچاہت نہیں۔ بس اس کی موچیوں والی تصویر راجراستہ والوں کو دکھا کر تصدیق
ہے۔ اس کے بعد میں اُسے پکڑ لوں گا۔“

لیکن لاک رات کے بنائے میں فرانٹ بھرتی رہی۔ سڑک بالکل سنان پڑی تھی۔ حمید
کے کوٹ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے فریدی کے ذہن میں بھی یہی رہا ہو۔
”ایک بات ہے جتاب۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”ضیغام کے دلائل بھی قابل قبول تھے۔
یہے دولت مند آدمیوں کے لئے یہ کام مشکل نہیں۔“
”یعنی وہ اس طرح برگشتہ یہوی کو اپنے پاس لانا چاہتا ہے۔“

”تمہاں! اس قسم کے شوہر اپنی یو یوں پر دھاک بھانے کے لئے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔
بے کئی آدمیوں کو جانتا ہوں جو عیاشی کی صلاحیت نہ رکھنے کے باوجود بھی بہت ہی مشہور قسم
اُں ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی یو یوں پر صلاحتوں کی دھاک بٹھائیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ
کر کرستے ہیں کہ تم ہمارے معیار پر پوری نہیں اتری ہو اسی لئے ہم تمہاری پرولہ نہیں کرتے۔“
”ٹھیک ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں تمہارے اس نظریے کی تزوید نہیں کروں گا اور نہ میں
تھا جاں پچ پیدا ہوا تھا۔ اس بڑھا کے بدے میں بھی کچھ نہیں تھا جسے گامکوٹ کر سکتا۔“

”اوہ... کیا تمہارے دل میں اس کے خلاف کینہ نہیں۔“
”ہے لیکن کسی خاص وجہ سے نہیں۔ مجھے اس کی لاف دگزاں پسند نہیں۔“

”کچھ بھی ہو وہ تمہیں اچھی نظر دوں سے نہیں وکھر رہا تھا۔“
”لیکن وہ مجھے کہیں بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔“

”وہ چھپ کر تمہاری نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا تھا اور میں نے تمہیں وہاں دراصل
لئے بھجا تھا کہ میں ضیغام پر اس کا رد عمل دیکھ سکوں۔ اس کی صحیح ولی گفتگو کو میں نے کوئی اب
نہیں دی تھی۔ لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ اس کا اس معاملے میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔“
”کیوں آپ نے صحیح ولی گفتگو کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دی تھی۔“

”وہاں وقت دراصل نئے میں تھا اور نئے میں وہ ہمیشہ بہت ہی بھی چوڑی ڈینگیں مار کر تاہے
”مگر میں کیسے سمجھ لوں کہ وہ نئے میں ہونے کی وجہ سے بڑکا ہوا تھا۔“ حمید نے کہا۔ ”کیوں
خاور کے معاملات پر اس نے کافی مدل قسم کی گفتگو کی تھی۔“

”میں ان شیخوں کے بارے میں کہہ رہا تھا جو اس نے اپنے جرام کے سلسلے میں بھگداری فرمی
”ہو سکتا ہے کہ وہ محض شیخیاں ہی نہ ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”اس کی شخصیت میری نظر
میں ہمیشہ مشتبہ ہی ہے۔“

”میں بھی اُسے شہبہ کی نظر سے دیکھتا رہا ہوں۔ لیکن حمید صاحب سب سے بڑی چیز
ہے۔ اس شہر میں درجنوں ایسے افراد ہوں گے جو مجرم ہوتے ہوئے بھی قانون کی زدۃ
ہوئے ہوں گے۔ ہم اُسی وقت کچھ کر سکتے ہیں جب جرم ہمارے علم میں آجائے۔“
ٹلاش ہمارا کام ہے۔ ہاں یہ بتاؤ کہ رشید کس طرف گیا تھا۔“

”اُسی طرف.... ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔“
کچھ دیر تک فاموشی رہی۔ پھر حمید نے کہا۔ ”شام کے اخبار میں تو اس پیچے کے شہر
آگئی ہے اور یہ بھی تھا کہ جن قمیفوں میں پچھے لپٹنا ہوا ملا ہے وہ مسٹر خاور کی ہیں۔ مسٹر
اسے تعلیم بھی کر لیا ہے لیکن اس کا بیان ہے کہ وہ کسی ایسے پیچے سے واقف نہیں۔ تکش
کیس اور اس کے متعلق خاور کے اعلانات کا بھی تذکرہ تھا۔ مگر اس مکان کے جعلنے کی وجہ
تھا جاں پچ پیدا ہوا تھا۔ اس بڑھا کے بدے میں بھی کچھ نہیں تھا جسے گامکوٹ کر سکتا۔“

نے بھی کہا ہے کہ ضیغم کے دلائل غلط تھے۔

”پھر کیا دشواری ہے۔“

”عدالتیں ٹھوس قسم کے ثبوت چاہتی ہیں۔ فحیاتی امکانات پر کوئی غور نہیں کر بلکہ کیس کے متعلق ضمیمے جو کچھ بھی کہا ہے اس کے امکانات ہیں لیکن پوزیشن کے ساتھ بھی جا سکتا کہ حقیقت ہی ہے۔ امکانات تو اس کے بھی ہو سکتے ہیں کہ خاور کو کوئی بدنام کرنا چاہا چھان بین کرنے پر مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ عنقریب ہونے والے اسمبلی کے انتخابات میں لینے والا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے کسی خریف نے اسے بدنام کرنے کے لئے کچھ کیا ہو۔ اگر اس کے خلاف جرم ثابت ہو جائے تو اس کی سو شل پوزیشن کیا ہو گی۔ کیا صورت میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو سکے گا۔“

”قطعاً نہیں...!“ حمید نے کہا۔ ”مجھے اس کا علم نہیں تھا۔“

اچاک کیڈی کی ہیڈ لاٹش کی روشنی سڑک پر کھڑی ہوئی ایک کار پر پڑی اور فریڈی کی رفتار کم کر دینی پڑی۔ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی اور وہ کار اس طرح ترچھی کفر تھی کہ راستہ قریب قریب بند ہو گیا تھا۔

کچھ اور آگے بڑھنے پر انہیں ایک آدمی دکھائی دیا جو سڑک کے کنارے اونچا پڑا اس کا ایک پیر کار کے پائیداں پر تھا۔

فریدی نے کیڈی روک دی اور وہ بڑی تیزی سے بیچھا تر آئے۔

حمد نے مضطربانہ انداز میں اس آدمی کو سیدھا کیا۔

”یہ تو وہی ہے... کیا نام بتایا تھا آپ نے۔“ اس نے کہا۔

”رشید...!“

”جی ہاں...!“

”پھر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ فریدی کی نارچ کی روشنی بیہوش آدمی کے چہرے پر پڑتے“

تعاقب

دوسری صبح حمید دراڈ پر میں بیدار ہوا اور آنکھ کھلتے ہی پچھلی رات کے واقعات ذہن میں پڑھا تھا۔

کاٹنے لگے۔ وہ کافی دیر تک رشید کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے تھے لیکن انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ پھر تھک ہار کر انہیں اسے ہسپتال پہنچانا پڑا۔ وہاں بھی تقریباً دو گھنٹے تک وہ اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن انہیں مایوسی ہی ہوئی۔ پھر وہ گھر واپس آئے۔ بہر حال ڈاکٹر نے اس کی بیہوشی کے بھی وہی اسباب بتائے جو بڑھیا کی بیہوشی کے بتائے تھے۔ یعنی رشید کو بھی گلا گھونٹ کر بیہوش کیا گیا تھا اور اس کے خیال کے مطابق رشید کی حالت بھی خطرے سے باہر نہیں تھی۔

حمید کافی دیر تک بستر ہی پر پڑا اس کے متعلق سوچتا رہا۔

فریدی کو تھی میں موجود نہیں تھا۔ ناشتے کی میز پر بھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ناشتے کے دوران ہی میں زیرینہ کا فون آیا۔ وہ حمید سے آج کے پروگرام کے متعلق پوچھ رہی تھی اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس بچے کو لے کر اس کی پرورش کرنا چاہتی ہے۔ حمید اس ڈاکٹر پر چوکے بکھر نہ رہ سکا۔ اس نے اس وقت تو اسے مذاق میں ٹال دیا۔ لیکن پھر بہت دیز تک اس کے متعلق سوچتا رہا۔

دوسرا بجے فریدی واپس آگیا۔ اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار تھے۔

”وہ بھی ختم ہو گیا۔“ اس نے آتے ہی کہا اور فلکت ہیٹھ میز پر پھینک کر ایک صوفے میں گر گیا۔ ”کون ختم ہو گیا؟“ حمید نے پوچھا۔

”رشید... اور وہ بھی کوئی بیان نہ دے سکا۔ کچھ بولا ہی نہیں۔ مرنے سے دو تین گھنٹے پہنچ لائے اور ناٹک سے خون بداری ہو گیا تھا۔ بہر حال اس میں بھی وہی سب علا میں پائی گئی ہیں ریڈھیا میں پائی گئی تھیں۔“

فریدی خاموش ہو کر سرگار سلاکا نے لگا۔

کچھ دیر سکوت رہا پھر فریدی نے کہا۔ ”دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ راجراستہ و الون شرنشید کی تصویر دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہی آدمی زچہ کے ساتھ تھا۔“

”تو پھر اس صورت میں ہم اسے بڑھیا کا قاتل نہیں قرار دے سکتے۔“ حمید بولا۔

”میں بھی بھی سوچ رہا ہوں۔ لیکن پڑوسیوں نے رشید کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو وہاں کی نہیں کہا تھا۔“

”اب آپ رشید کے کوٹ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔“

”میا کہوں! کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اب کیس بہت زیادہ الجھ گیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رشید پر بعد کو بھی اسی آدمی نے حملہ کیا تھا جو اس کا کوٹ اتار لے گیا تھا تو پھر ہمیں یہ بھی تسلیم کر لیا۔ پڑے گا کہ وہی شخص بڑھیا کا بھی قاتل ہے کیونکہ دونوں کی موت یکساں حالات میں واقع ہوئی ہے۔ اگر اسے بڑھیا کا بھی قاتل تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ رشید اس کی شخصیت سے واقع تھا کیونکہ اس نے بڑھیا کا گلا رشید کی موجودگی ہی میں گھونٹا ہوا گا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ رشید اور وہ دونوں شریک کرتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے رشید کا گلا کیوں گھونٹ دیا اور رشید کا کوٹ اتارنے کا کیا مطلب تھا۔ پھر رشید اس کوٹ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اُن بدحواسی میں بھاگا تھا جیسے اس کوٹ کی قیمت لاکھوں روپے رہی ہو۔۔۔۔۔ اب اس ساری لمحے کے مقصد پر غور کرو کیا یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ خاور کو ایک غیر قانونی پیچے کا باپ تباہ کیا جاسکے۔ اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس سے خاور کو جو نقصان پا گا وہ اس تگ دوسرے کے مقابلے میں کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے یا نہیں۔“

”آپ خاور ہی کو اصل مجرم قصور کر کے اس مسئلے پر کیوں نہیں غور کرتے۔“ حید بولا۔

”اچھا چلو ہم اس نقطہ نظر سے بھی واقعات کا جائزہ لیتے ہیں۔“

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”ضیغم کی گفتگو کا لب لباب بھی تھا ان کو وہ اس طریقے میں اس کا پروپیگنڈا کر کے اپنی بیوی کو واپس بلاتا چاہتا ہے۔ لیکن اب سنو! اگر اس میں اُن بنے کی صلاحیت ہے ہی نہیں تو وہ بیوی کو بلا کر کرے گا کیا۔ اور اگر صلاحیت ہے تو اسے ایک ہزار عورتیں مل سکتی ہیں کیونکہ اس کے پاس دولت ہے۔ دولت سینکڑوں عیوب پر پر دہڑاں ہے اور پھر ایسے موقعے پر جب کہ وہ ایکشن کے لئے کھڑا ہو رہا ہے بھی یہ نہ چاہے گا کہ ال سو شل پوزیشن خطرے میں پڑ جائے۔ یہ حرکت اس سے ایکشن کے بعد بھی سرزد ہو سکتی ہے اچھا چلو۔ اس کی بیوی اس کے پاس نہیں ہے اگر وہ اس کے لئے اتنا ہی بے تاب ہے کہ پھر دوسال سے اس کی بیوی اس کے پاس نہیں ہے اگر وہ اس کے لئے اتنا ہی بے تاب ہے کہ کی واپسی کے لئے ہر سچی یا غلط راستہ اختیار کر سکتا ہے تو اس نے ان دو برسوں کے عرصے میں کبھی ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ ہمیشہ یہی کہتا رہا ہے کہ اگر اسے میرے ساتھ رہنا خود ہی چلی آ جے گی۔۔۔۔۔ بولو۔۔۔۔۔ اب کیا کہتے ہو! اچھا اور سنو۔ اگر وہ خود ہی اس حرکت کا ذ

”ایس کا یہ مطلب ہوا کہ اس نے اس سلسلے میں اپنے ایک ملازم رشید سے مددی تھی۔ لیکن پھر نتم کر ا دینے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟“

”رشید کو کیوں نتم کر دیا۔“ حید نے حرث سے دہرا لیا۔ ”کمال کرتے ہیں۔ آپ بھی۔۔۔۔۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے۔“

”یا کھلی ہوئی بات ہے۔“

”اُرے خاور نے اس سے اس معاملے میں مددی اور پھر اس خیال سے اسے نتم کر دیا کہ نہیں اضافاً نہ کر دے۔“

”خود خاور نے نتم کر دیا۔“ فریدی مسکرا لیا۔ ”میا وہ خاور ہی تھا جس نے رشید کا کوٹ اتارا تھا۔ اس پہلا سے توقع رکھتے ہو کہ وہ اتنا پھر تیلا، ہو گا۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی دوسرے سے کام لیا ہو۔“

”تمہاری کھوپڑی اس وقت شاند کی دل دل میں پھنس گئی ہے۔ رازداری کے خیال سے اس ب آدمی کو نتم کر دیا اور ایک دوسرے آدمی پر اعتماد رکھتا ہے۔ کیا کو اس ہے۔ نہیں حید خاور میں اس قسم کے جرام کی صلاحیت قطعی نہیں ہے۔“

”اُرے پھر کیا جرم بھی کسی کے بطن سے بیڈا کیا جائے گا۔“ حید اپنے سر پیٹ کر بولا۔ ”جنم۔۔۔!“ فریدی مسکرا لیا۔۔۔۔۔ لیکن پھر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”کچھ کہتے خاموش کیوں ہو گئے۔ کوٹ کا مسئلہ مجھے نبڑی طرح پریشان کے ہوئے ہے۔“

”کوٹ کا مسئلہ۔۔۔۔۔ میں خود اسی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔“

”لیکن میں اس سلسلے میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔“ حید اپنے سر پیٹ کر بھرتا ہوا بولا۔

”کیا سوچ رہے ہیں آپ۔“ فریدی مسکھہ اڑانے والے انداز میں بولا۔

”نید غالباً اس کے لیکھر جھنجھلا گیا۔ اس لئے اس نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ میں جو کچھ بھی سوچ رہا ہوں۔“ وہ سبجد گی سے بولا۔ ”مجھے اس ملکے میں آنے سے پہلے ہی اپنے تھا۔“

”لہ کی اس پر کچھ نہیں بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ تھوڑی دری بعد حید نے اسے زیرینہ لٹا تباہ جو اس پیچے کو سر کاری پر درش گاہ سے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ حید سمجھا تھا کہ یہ

اطلاع فریدی کو چونکا دے گی لیکن خلاف توقع فریدی نے اسے سرسری طور پر سنائیں اپنے
نہیں ظاہر کیا۔

یہ حقیقت تھی کہ رشید کی موت نے ایک بار پھر انہیں تاریکی میں چھوڑ دیا تھا۔ اور اب
کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ فریدی صرف خاور ہی کو کھنگاتا نچوڑتا رہے۔ اسے
تھی کہ وہ رشید کے قاتل نک خاور ہی کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے۔ پنج واں کیس کے سلسلے
رشید مجرم ثابت ہوا تھا اور پنج کا تعلق خاور سے ظاہر کیا جا رہا تھا۔ ایسی صورت میں اب خا
فریدی کے سامنے تھا۔ اور پھر دوسرا طرف ضیغم تھا۔ لیکن اس کے خلاف فریدی کی اگر
بیوں بھم نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ویسے ضیغم کے معاملے میں بعض دوسرا دشواریاں بھی تھیں۔
خاور کا کھلا ہوا دشمن تھا۔ خود اس نے اس کا اعتراض کیا تھا لیکن اب پھر یہی سوال پیدا ہوا
ضیغم کے نزدیک خاور کو ایک غیر قانونی پنج کا باپ ثابت کرنے میں کیا افادہ ہو سکتی تھی۔
اس سے اسے کیا فائدہ پہنچتا۔ فریدی اور حمید تین دن تک اسی موضوع پر بحث کرتے
لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

فریدی نے رشید کے بنگلے کی ساری چیزیں الٹ پلٹ ڈالیں لیکن اسے کوئی ایسی چیز نہ
جس سے پنج کی ماں کی شخصیت پر روشنی پڑتی یا اس کا سراغ مل سکتا
حقیقتاً اب وہی ایک ہستی رہ گئی تھی جو اس جرم کی نوعیت یا اس کے مقصد پر روشنی
تھی۔ اس کی تلاش اشد ضروری تھی۔

فریدی زیادہ تر خاموش رہتا تھا۔ اس نے اپنی موجودہ مشغولیات کے متعلق حمید
کرتا ترک کر دیا تھا۔ یادوں سے الفاظ میں حمید کو بالکل چھپتی تھی۔

دوسری طرف شہر کے اخبارات روزانہ اپنے اداریوں میں نئی نئی باتیں لکھ رہے
ہیں تو یہاں تک مطالبہ کر بیٹھے تھے کہ خاور کے خلاف قانونی کارروائی شروع کر دی
بعض اخبارات نے اس واقعے کو سیاسی اغراض کے تحت نبڑی طرح اچھا لاتھا خاور وہی پرانی
باتیں بد سلیمانی کے ساتھ دہرائی گئی تھیں جو عام طور پر سرمایہ داروں کے خلاف تھے
ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مقامی حکام پر بھی چوٹیں کرنا کتنا ضروری ہو جاتا
ہے۔ ایک دن حمید فریدی کو چھپتی ہی بیٹھا۔

”آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔“ اس نے کہا۔
”میں نہیں اور بہت کچھ کر رہا ہوں۔ بہت جلد تم کسی کے ہاتھوں میں ہٹھڑیاں دیکھو گے اور
اپنی آنکھیں جیسے سے پھیل جائیں گی۔“

”آخر کچھ تو بتائیے۔“

”اُبھی کچھ نہیں! محض شہبے کی بنا پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دیے اب یہ کیس ایک نیا رخ اختیار
ہے۔ مگر حمید کوٹ کامل کئے ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔“
”تنے! ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے۔“
”میں....؟“

خاور کا سوٹ کیس اسی لئے اڑایا گیا تھا کہ اس کے کپڑوں کے ذریعہ اس کے خلاف ایک
اثبات کیا جائے۔ ممکن ہے رشید کا کوٹ بھی اسی لئے چھینا گیا ہو۔“

”مگر رشید تو پہلے ہی سے ایک جرم میں الجھا ہوا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر اس کا کوٹ بھی
تم کے کسی کام میں استعمال کیا جانے والا تھا تو پھر رشید کو خشم کیوں کر دیا گیا۔ مگر نہیں حمید یہ
نہیں ہے۔ حقیقتاً حملہ آور صرف کوٹ ہی حاصل کرنا چاہتا تھا اسے مارڈا لئے کی نیت نہیں
تاھا۔ اگر نیت یہ ہوتی تو وہ پہلے اسے مارڈا تاپھر کوٹ اتار لیتا۔ رشید اس کا تعاقب کر رہا تھا
تھا۔ اسے دونوں پھر گلکار گئے ہوں۔ رشید نے کوٹ چھیننے کی کوشش کی ہو اور اسی جدوجہد میں مارا
ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رشید اس شخص نے واقف تھا۔“

”اس کیس میں آپ بار بار اپنے نظریات تبدیل کر رہے ہیں۔ غالباً اب آپ یہ ثابت کرنے
اوٹش کریں گے کہ رشید حملہ آور سے واقف تھا۔ حالانکہ شاہزاد آپ ایک بار یہ ثابت کر کچے
اکہ رشید حملہ آور کی شخصیت سے ناواقف تھا۔“

”تم بھول رہے ہو۔ میں نے یہ کبھی نہ کہا ہو گا۔ رشید کی موت کے بعد سے میرا نظریہ یہ رہا
ہے کہ رشید اور وہ شریک کا رہتھا۔ کیونکہ بڑھیا اور رشید کی متین یکساں حالات میں واقع ہوئی
لمباً اگر رشید نہ مرتا تو میں اسے ہی بڑھیا کا قاتل ٹھہراتا۔“

”لوہ گر کوٹ کی بات پھر رہ گئی۔“ حمید نے کہا۔
”کوٹ...!“ فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ ”حالات یہ کہہ رہے ہیں کہ رشید کوٹ

حاصل کرنے کے لئے حملہ آور کے بیچھے دوڑا تو ضرور تھا لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اس کو ر لئے قانونی چارہ جوئی نہ کر سکتا۔ ”

”لیکوں نہ کر سکتا۔ یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔“

”عقل استعمال کرو فرزند...!“ فریدی سگار سلاکتا ہوا بولا۔ ”هم اس بات کو تسلیم ہیں کہ رشید اور حملہ آور ایک دوسرے سے واقف تھے۔ اس نے اس پر پہلا حملہ اس کے کپاڈ نہ میں کیا تھا اور حملے کا مقصد محض کوت چھیننا تھا۔ رشید کو ماردا نہیں۔ اُسے اطمینان کہ رشید کوٹ کے حصول کیلئے قانونی چارہ جوئی نہیں کر سکتا وہ اسے پہلے ہی حملے میں ماردا ہے۔“

”حید ہے... میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔“ حید سرپلا کر بولا۔

”اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کوٹ میں کیا تھا۔ یقیناً کوئی اسی چیز رہی ہو گی جو حقیقتی ہ لیکن اس کے حصول کے لئے قانون کا سہارا لینا ممکن نہ ہو گا۔“

”لیا چیز ہو سکتی ہے۔“ حید بڑا لایا۔

”الہام ہونے دو۔ بتا دوں گا۔“ فریدی بُراسمنہ بنا کر بولا۔

”کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔“ اس کیس کے دوران میں مجھ میں ایک ذہنی ا ہوا ہے۔“

”وہ کیا...؟“

”قدامت پر بُری طرح جان دینے لگا ہوں۔ عورتوں مردوں کے آزادانہ تعلقات کو نظروں سے نہیں دیکھتا جسی معاشرات میں جذبات کی تہذیب ناممکن ہے۔ اس سلسلے سائنسیک بحث قطعی کبواس ہے۔ بچاؤ صرف پابندیوں میں ہے۔ بعض مغربی عالم جنہیں میں سمجھتا ہوں اس سلسلے میں بُری سائنسیک قسم کی بخشی چھیڑتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ پابندیاں بے راہروی کو جنم دیتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مغرب کدھر جا رہا ہے۔ وہاں تو اب جنوں کے باہمی تعلقات پر کسی قسم کی بھی پابندی نہیں رہ گئی۔ لیکن میراد عویٰ ہے کہ مغربی ممالک کا ہر پانچواں آدمی جسی بے راہروی کاشکار ہے۔ ذرا انسائیکلوپیڈیا سکول اس اخاکرد مغربی ممالک میں پائی جانے والی جسی بے راہروی کی اتنی اقسام میں گی کہ تم سنائے میں آجائے۔“

”بہت بُرا ہوا جتاب۔“ حید مختنڈی سانس لے کر بولا۔

”میا مطلب....!“

”مجھے ذر ہے کہ کہیں آپ اس کے اختتام پر ڈاڑھی نہ رکھ لیں۔ ارے سر کار کیا رکھا ان فنول باتوں میں.... بابرہ بے عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ چار دن کی زندگی ہے اگر بُری بن کر جئے تو قبر میں افسوس کرنا پڑے گا۔“

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ انھوں کر شملے لگا تھا۔

دن بھر وہ آفس سے بھی غائب رہا اور شام کو جب آفس سے گھر آیا تو فریدی موجود تھا۔ نا ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے اس نے کچھ نہ بولنے کی قسم کھائی ہو۔ حید نے بھی چیزیں سمجھا۔ کھانے کی آمیزش بھی خاموشی ہی رہی۔

نوبجے فریدی نے فون پر کوئی اہم پیغام و مصوٰل کیا۔

”چلو... جلدی کرو۔“ اس نے حید سے کہا۔ ”کچھے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”لاؤٹ ڈال لو۔“

حید نے چپ چاپ تسلیم کی۔ فریدی کے موڈیں جھلاہٹ کی آمیزش بھی تھی۔ اسی لئے بُرے چوں وچر اکی بہت نہیں کی۔

فریدی نے گیراج سے کیڈی کے بجائے چھوٹی آسٹن نکالی۔ حید سمجھ گیا کہ معاملہ اہم ہی نکال ہے۔ یہ کار بہت ہی مخصوص قسم کی ہموں میں استعمال کی جاتی تھی۔

فریدی اب بھی خاموش تھا۔

تحوڑی دیر بعد کار راجن پورے کی ایک تاریک گلی میں کھڑی کر دی گئی۔ دونوں طرف کنیں اسی اونچی عمارتیں تھیں اور گلی میں اس قدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سمجھائی دیتا تھا۔ فریدی کار سے اتر گیا۔ حید نے بھی اس کی تقلید کی۔

گلی سے گذر کر وہ سڑک پر آگئے۔

فریدی کو شاند کسی کا انتظار تھا۔ وہ سڑک کی دوسری طرف کے ایک بُک شال پر جا کر لے رہا گئے۔ فریدی اس طرح مختلف شوکیسوں پر نظر دوڑا رہا تھا جیسے اسے کسی خاص کتاب کی دلائل۔ ان دونوں نے اپنے الشرود کے کار کھڑے کر کر کے تھے اور فلک ایکوں کے گوشے پہنچنے پر بھلے ہوئے تھے۔

”وہی جو کچھ دیکھتا ہوں اور قطعی موجہ رت نہیں ہوں کہ دنیا کیا ہو جائے گی۔“
جید مجھ خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ عورت وہی ہے جس کی انہیں تلاش تھی مگر
وہ عورت تو راجرا سٹریٹ کے ایسے مکان میں تھی جہاں کی رہنے والی کسی بھی عورت سے
نہیں کی جاسکتی کہ وہ کارڈ رائیو کرنا بھی جانتی ہو گی اور نہ وہ اتنی دولت مند ہو سکتی ہے کہ
میں اتنا شاندار فرنگا کسکے۔

تو ہوڑی دیر بعد اگلی کار شہر کی حدود سے باہر نکل گئی اور دفعہ احمد چوک کر بولا۔
”یہ کیا معااملہ ہے۔ اس کے آگے بھی ایک کار معلوم ہوتی ہے۔“

”ہاں وہ ارجمن پورے ہی سے اس کا رکھا تھا کہ کرو ہی ہے۔“ فریدی نے کہا۔
فریدی نے اپنی کار کی ہیڈ لائٹس بجھادی تھیں اور اگلی کار کی عقبی سرخ روشنی پر نظر جماعتے
ہے راستے کر رہا تھا۔ سڑک بالکل ویران تھی۔ اور وہ اس وقت جھریالی کے ویرانے سے
رہے تھے۔

”یہ آخر کہاں جا رہی ہے۔“ حید مختبر بانہ انداز میں پہلو بدل کر بولا۔
”جہنم میں۔“ فریدی غریباً۔ ”بہمیت کے ان ہولناک ویرانوں میں جہاں انسانیت سک
ل کر دوم توڑ دیتی ہے۔“

”لیکن اگلی کار پر کون ہے؟“

”حید خاموش رہو..... باتیں پھر ہو جائیں گی۔“

”اچھا صرف اتنا باتا دیجئے یہ عورت وہی تو نہیں ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔“
”حقیقتاً ہمیں کسی کی تلاش نہ ہونی چاہئے تھی۔ مجرم ہمارے علم میں تھے۔“
”کون....؟“

”شیطان کا بیٹا..... حیوان کی بیٹی۔“
”آغا خاشر یاد آرہے ہیں۔“ حید مسکرا کر بولا۔

”شہاپ....!“ فریدی مجھ خاموش میں تھا۔

اب وہ اس علاقے میں تھے جہاں لوگ دن کے ابجائے میں بھی جاتے ہوئے پہنچاتے تھے۔
اوونوں کاریں سڑک چوڑ کر کچھ راستے پر اتر گئی تھیں اور ان کی روشنیاں بھی ہوئی نہیں

شاہزاد کاؤنٹر کے پیچے بیٹھے ہوئے آدمی کو اس بیت پر تعجب نہیں ہوا تھا۔ ہوتا بھی کہ
جب کہ وہ ہر رات اس قسم کے آدمیوں کو ارجمن پورے کے چکر لگاتا ہوا دیکھا کرتا تھا۔ ارہ
پورہ غریب آدمیوں کی بستی تھی اور ہر رات یہاں شہر کے متعدد لوگ اپنے منہ چھپائے ہو
آتے۔ ننگ و تاریک گلیوں سے لاکیاں نکل کر ان کی کاروں میں بیٹھ جاتیں اور ان گلیوں
تار کی جگہ ہوتی ہوئی سڑکوں کے اس ظلم پر روتی اور سکتی رہ جاتی۔

غالباً اس بڑو شان دونوں کو بھی اسی قسم کا آدمی سمجھا تھا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مشغول
اپنک ایک عورت ان کے قریب سے تیزی سے گزری۔ حید چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
ایک دراز قد عورت تھی۔ اس نے ایک لمبا کوٹ پہنن رکھا تھا اور کوٹ کے کارپر اتنا اوپنچا فرما۔
تھا کہ اس کا سر قریب قریب چھپ کر رہا گیا تھا۔ چال سے جوان ہی معلوم ہوتی تھی۔ حید۔
اس کے سفید اور سبک ہاتھ دیکھے۔ چورہ دیکھنے کی حرمت ہی رہ گئی تھی۔

فریدی نے جلدی سے ڈا بجست کی ایک کالپنی فریدی اور حید کا ہاتھ دبا کر آگے بڑھ کر
حید نے اس عورت کو ایک کار میں پڑھی دیکھا۔ غالباً وہ بہت جلدی میں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن
بار بھی وہ اس کا چیڑہ نہ دیکھ سکا۔ فریدی تیز تیز قد موس سے چلتا ہوا اس طرف جا رہا تھا جہاں
نے کار کھڑی کی تھی۔

حید نے محسوں کیا کہ فریدی نے اپنی کار اسی عورت کی کار کے پیچے لگادی ہے۔

فارسروں کی گونج

حید نے ایک جھر جھری کی لی اور اندر ہیرے میں فریدی کو گھومنے لگا۔ کار کے اندر رکھا
تھی۔ کبھی بھی سڑک کی روشنی اس کے چہرے پر پھسلتی ہوئی تاریکی میں گم ہو جاتی تھی۔ فریدی
کے ہونٹ بیچنے ہوئے تھے۔ حید نے ایک طویل سانس لی اور آہتہ سے بولا۔ ”کیا آپ نے
کاچھہ دیکھا تھا۔“

”نہیں..... کیا تم نے دیکھا تھا۔“ فریدی نے کہا۔
”نہیں میں بھی نہ دیکھ سکا۔“ حید مسکرا کر بولا۔ ”ویسے آپ کے لئے نمیک رہے گی۔“
”کیا کیجئے ہو۔“

اک فریدی نے اسے نکل جانے دیا۔ حالانکہ وہ اس کا تعاقب بھی کر سکتا تھا۔ فریدی تارچ بجھا دسری کار کی طرف مرا جو ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ اس نے پھر تارچ روشن کی اور روشنی کا اس سہی ہوئی عورت پر پڑا جو اپنی کار میں بیٹھے ہیں والی تھی۔

”شہر و....!“ فریدی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”کیا بات تھی۔“

”اوہ.... وہ مجھے لوٹانا چاہتا تھا۔ لیکن میں نیچ گئی۔ میری رقم نیچ گئی۔ آپ نمیک وقت پر پہنچے۔ بہت شکر یہ۔“

حید غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک وجہ بہہ اور صحت مند عورت تھی۔ عمر پچس اور تمیں درمیان میں رہی ہو گی۔ چہرہ پر کشش مگر سخت گیر دل کا ساتھ۔ آنکھوں کی بناوٹ صاف کہہ اتنی کہ وہ اپنی مقصد برداری کے سلسلے میں انہائی بے رحم بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

”آپ یہاں اس دیرانے میں اس وقت کیا کر رہی تھیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

اور پھر اس عورت نے اتنی صفائی اور بے تکلفی سے جھوٹ بولا کہ حید اس کی صورت دیکھتا یہ اس نے کہا۔ ”میں تار جام سے واپس آ رہی تھی۔ رہا کے ایک چائے خانے میں اس آدمی ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو میں اس نے بتایا کہ وہ ایک ایسا راستہ بھی جانتا ہے جس سے ہے ہی وقت میں شہر تک کی مسافت طے ہو جائے گی۔“

”خوب.... لیکن فائر کس نے کیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ای نے....!“

”میرا خیال ہے کہ وہ کوئی پاگل تھا۔“ فریدی نے طنزیہ لمحے میں کہا۔ ”کیونکہ پہلے تو اس نے کیا پھر گلا گھونٹنے لگا۔“

”نہیں.... وہ میرا مشینی بیک چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگا نہیں گھونٹا تھا۔“ عورت نے کہا۔

”تواب آپ کہاں جائیں گی۔“

”شہر....!“

”چلے میں ساتھ چل رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ پھر حملہ کرنے۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ نہیں.... آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ میں خود ہی چل جاؤں گی۔“

”تعجب ہے کہ آپ کو خطرے کا احساس نہیں۔ میں آپ کی گاڑی میں بیٹھ کر چلوں گا اور

تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ سب سے آگے والی کار ڈرائیور کرنے والا عورت والی کار، وجود سے بے خبر نہیں تھا۔ اور پھر اچانک ایک جگہ سب سے آگے والی کار رک گئی۔ اس کے ساتھ ہی عورت کی بھی رکی۔

ادھر فریدی نے بھی اپنی کار روک دی۔

”تم مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتے سمجھ۔“ انہوں نے ایک نسوائی آواز سنی۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

وہ دونوں کار سے اتر کر زمین پر لیٹ گئے۔ عورت ان سے زیادہ فاسطے پر نہیں معلوم ہوئی تھی ”بکواس مت کرو۔“ یہ کسی مرد کی آواز تھی۔ ”میں نے تمہیں ایک بات سے آکا کر کے لئے بلا یا ہے۔ وہ یہ کہ آج سے میں تمہارا مالک ہوں۔“

”اور میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں۔ میں خود اپنی مالک ہوں دنیا کی کوئی طاقت مجھے کسی معاملے میں مجبور نہیں کر سکتی۔“

”اگر یہ بات ہے تو تم جاسکتی ہو۔“ مرد بولا۔

”تمہارے لمحے میں دھمکی ہے۔“ عورت نے کہا۔ ”لیکن یہ یاد رکھنا کہ میری زبان کی ایک ہلکی جنبش تمہیں پہنانی کے تختے تک پہنچا سکتی ہے۔“

مرد نے ہلاک ساق تھبہ لگا کر کہا۔ ”خام خیالی ہے۔ میں کبھی کوئی کچا کام نہیں کرتا۔“

اچانک ایک فائر ہوا اور کسی کے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ لیکن دوسرا ہی لمحے میں عورت چیخنے لگی۔

”کون ہے....؟ یہاں کیا ہو رہا ہے۔“ دھلتا فریدی کی گجر جدار آواز سنائی میں لہر لی۔

گنی.... اور وہ اس طرح جیجنی جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو.... حید اور فریدی آواز کی طرف دوڑنے لگے۔ لیکن اب ساتھا چھا گیا تھا۔

قریب ہی ایک کار اسٹارٹ ہوئی اور فرانٹ بھرتی ہوئی اندر ہیرے میں گم ہو گئی۔ اس ساری روشنیاں بھی ہوئی تھیں۔

فریدی کی نازدیکی روشنی نے دوسرا ہی لمحے میں اسے جالیا۔ لیکن حید کو اس پر جرم

میرے ساتھی میری گاڑی لے جائیں گے۔
”نہیں میں تھا جاؤں گی۔“

”آپ تھا نہیں جائیں گی۔“ فریدی کے لمحے میں سخت تھی۔
”کیا آپ بھی اسی ڈاکو کے ساتھیوں میں سے ہیں۔“ عورت نے بے باکی سے کہا۔
”نہیں میں اس کے ساتھیوں میں سے ہوں جس نے اپنی موچیں مندوادی تھیں۔“
عورت چونکہ کردقدم پہنچپے ہٹ گئی۔ مارچ کی روشنی اس کے چہرے پر پوری تھی۔ یہ
نے اس کی آنکھوں میں بدحوسی کے آثار دیکھے۔
”اور محمد.....!“ فریدی تلخ لمحے میں بولا۔ ”آپ کے دینی بیک میں اعتشار یہ دباؤ
پستول ہے اسے میرے حوالے کر دیجئے۔“

”تم کون ہو۔“ اچانک عورت نے سخت لمحے میں پوچھا۔
”میں کوئی بھی ہوں لیکن میں تمہاری ہی گاڑی میں سفر کروں گا۔“ فریدی نے کہا اور از
کے ہاتھ سے اس کا دینی بیک چھین لیا۔
عورت شور چانے لگی۔

فریدی نے قہقہہ لگایا اور آہستہ سے بولا۔ ”اب یہاں کوئی چوتھا آدمی موجود نہیں ہے۔“
دیرانے سے لوگ دن کو بھی نہیں گذرتے کیونکہ میلوں تک انہیں کہیں درخت کا سایہ نہیں
انصیب ہوتا۔ چلواب بیٹھ جاؤ کار میں۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے تمہارے جسم میں ہاتھ نہ لگا پاپے۔“
”کیا آپ نے اس خادم کو فراموش کر دیا۔“ حید علیگن لمحے میں بولا۔ ”یہ خاصاہ ای
فرائض بخوبی انجام دے سکتا ہے۔“

عورت چپ چاپ دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی فریدی دوسری طرف سے گوم
اسٹرینگ کے پیچے بیٹھ گیا۔ حید اس وقت تک نیچے ہی کھڑا رہا جب تک فریدی نے کار اسٹار
نہیں کر دی۔ پھر وہ چھوٹی آشن میں جامیٹا۔

فریدی نے عورت کے دینی بیک سے پستول نکال کر بیک اسے واپس کر دیا تھا۔
”اب اپنا بیک دیکھ لو۔ کہیں میں نے رقمہ نکال لی ہو۔“
عورت پکھنے بولی۔ وہ اس سے بہت زیادہ مرعوب نظر آ رہی تھی۔

”آپ کون ہیں۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”میں کوئی بھی ہوں لیکن میں کبھی کوئی غیر قانونی قسم کی حرکت نہیں کرتا۔“

عورت پھر خاموش ہو گئی۔ فریدی اس کی چھٹی ہوئی سانسوں کی آواز صاف سن رہا تھا۔

”دوسرا تھام سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر میں کیوں نہ کروں۔“ فریدی

رم لمحے میں کہا۔

”یا مطلب....!“ اس بار عورت کے لمحے میں سخت تھی۔

”میں رشید اور اس کی مشغولیات سے اچھی طرح واقف تھا۔“

”میں کسی رشید کو نہیں جانتی۔“

”ہاں اب نہ جانتے ہو گئے کہ وہ چار اب اس دنیا میں نہیں۔“

”آپ نہ جانے کہاں کی باتیں کر رہے ہیں۔“

”یہ اسی عالم آپ و گل کی باتیں ہیں۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ لوگ خواہ مخواہ ایک شریف عورت کو پریشان کر رہے ہیں۔ میں
پکے غلاف قانونی کارروائی کروں گی۔“

”اور گاہوں میں اس بچے کو پیش کیجئے گا جو سر کاری پر درش گاہ میں ہے۔“

”پہنچ نہیں کیا بکار ہے۔“ عورت اپنی آواز میں بولی۔ ”آج سب پاگل ہیں لر رہے ہیں۔“

فریدی ہنسنے لگا مگر ہنسنے کا انداز براز ہریلا تھا۔

”اس میں شک نہیں کہ تم ایک دلیر عورت ہو اور بتیرے مردوں پر سبقت لے جا سکتی
..... مگر آخر عورت ہی ہو۔ ایک مرد کے سامنے بے بس ہو گئیں اور اب میں تمہیں بتانا چاہتا
ہاں کہ اب رشید کا کوٹ اس کے پاس نہیں ہے۔ وہ تمہیں خواہ مخواہ دھمکا رہا تھا.... رشید کا کوٹ
مرے پاس ہے۔“

”آپ کے پاس۔“ عورت بے ساختہ بولی پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگی۔ ”تیسا دن
اٹھوں۔ میں کسی کو نہیں جانتی۔“

”تجانی ہوں گی۔“ فریدی نے لاپرواکی سے کہا اور خاموش ہو گیا۔

کار کی رفتار خاصی تیز تھی اور سڑک بالکل سنان انظر آ رہی تھی۔

حید نے کار انبار کی اور تیزی سے اسے میدان میں اتار دیا۔ عورت والی کار کی عقبی سرخ ہی بہت دور اندیرے میں چمک رہی تھی۔

حید کار کی رہ تیز کر تاہا۔ اسے نہ سمت کا احساس تھا اور نہ مقام کا۔ بس وہ کسی طرح کار میں پہنچ جانا پڑتا تھا۔

عورت بھی شاکر راستے سے ناواقف تھی اور ”جھر سینگ سائے بھاگو“ والے محاورے پر اکر رہی تھی۔

حید نے اسے جلد ہی جالیا۔ دونوں کاروں کا فاصلہ مشکل سے دس گز رہ گیا تھا۔ اچانک اس عورت کی آواز سنی جو چیز کہہ رہی تھی۔ ”میرا یچھا چھوڑ دو۔ تمہیں کتنی رقم چاہئے۔“

”صرف دس بزار۔“ حید نے ہاٹک لگائی۔ ”کار روک کر معاملہ طے کرو۔“

اگلی کار کی رفتار کم ہو گئی اور ساتھ ہی حید نے بھی رفتار کم کر دی۔ دونوں کاریں ساتھ ہی گئیں۔

حید چھلانگ مار کر پہنچ آگیا۔ عورت بھی کار سے اتر آئی۔

”مگر تم... تم کون ہو۔“ اس نے حید سے پوچھا۔

”اس آدمی کا ساتھی جو تمہاری کار میں تھا۔“

”یا یقین ہو کہ تم لوگوں کے پاس ہے۔“

”ہاں... ہاں بالکل۔“ حید جلدی سے بولا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ فریدی نے اس پر علیت نہیں ظاہر کی۔

”اس کوٹ کی اہمیت سے واقف ہو۔“ عورت نے پوچھا۔

”حید سوچنے لگا کہ عورت بہت چالاک معلوم ہوتی ہے۔“

”مر اساتھی سب کچھ جانتا ہے۔“ حید نے جواب دیا۔

”تم نہیں جانتے۔“

”میں تو صرف تمہیں جانتا ہوں۔“ حید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”مجھے جانتے ہو۔“ عورت کے لبچے میں سر اسیکی تھی۔

”جب سے تمہیں دیکھا ہے سب کچھ بھول گیا ہوں اور اگر تمہارے لئے دو چار قتل بھی کر دیا تھا۔“

اچانک ایک کراسنگ پر بائیں طرف سے ایک کار بڑی تیزی سے آکر راہ میں حاکل ہو گی۔ اگر فریدی بڑی پھرتی سے بریک لگا کر کار سڑک کے نیچے نہ اتار دیتا تو یکیڈنٹ لازمی تھا؛ کیفیت حید کی بھی ہوئی۔ وہ بھی کار کو سڑک کے نیچے اتار لے گیا۔

فریدی ابھی سنجھنے نہیں پایا تھا کہ تیسری کار سے فائز ہوا۔ لیکن گولی پچھلے دروازے پر پڑی۔

”لیٹ جاؤ... لیٹ جاؤ۔“ فریدی نے عورت کو چھنجوڑ کر کھا اور خود چھلانگ مار کر باہر کیا۔ اور اس نے اترتے اترتے تیسری کار کے دروازے پر فائز کر دیا۔ حید والی کار کی ہیئت لا نہیں روشنی تیسری کار پر پڑ رہی تھی۔

اس بار تیسری کار کی اوٹ سے فائز ہوا۔

حید بھی کار سے اتر آیا تھا لیکن اس کے پاس روپا اور نہیں تھا۔ انہیں میں فائز ہو۔ اتنے میں حید کو ایک تدبیر سوچ گئی۔ وہ چھوٹی آہمیت کے پیچھے آکر اسے سڑک کی طرز دھکیلنے گا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ سڑک پر پہنچنے کے بعد اس کا رخ تیسری کار کی طرف کیسے ہے جائے۔ وہ دراصل کار کو دھکیلتا ہوا تیسری کار کی طرف لے جانا پڑتا تھا۔ اس طرح وہ کار کی اوڑھتے ہوئے تیسری کار نکل پہنچ جائے جسکے پیچھے سے ایک نامعلوم آدمی فریدی پر گولیاں برسا رہا تو حید کی یہ تدبیر ناکام رہی۔ کار کو موڑنے کے لئے اس کی آڑ سے نکل کر اسی سینگ کا جانا پڑتا۔ لیکن کار کی آڑ سے نکلا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

تحوڑی تھوڑے دتفے سے وہ فائز کی آوازیں ستارہ بنا۔

اس کے لئے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل تھا کہ فریدی کہاں سے فائز کر رہا ہے۔ اچانک اس نے عورت والی کار کو بھاگتے دیکھا۔ وہ سڑک چھوڑ کر جھریاں کی چیل میدا میں دوڑ رہی تھی۔

”دھکنا تھا۔“ حید نے فریدی کی آواز سنی اور وہ کسی قسم کے خطرے کی پرواہ کے بغیر کار آڑ سے نکل آیا۔ پھر اس نے فائزوں کے ساتھ ہی ساتھ یہے بعد دیگرے دو دھماکے نے فائزوں کی آواز سے مختلف تھے۔ شاکر فریدی نے تیسری کار کے نائزوں پر فائز کے انہیں یہ کر دیا تھا۔

بیں نہیں اور شیل لائٹ کے نیچے دو ایسے ہک گئے ہوئے تھے جن میں وقتی طور پر نمبروں کی پیشہ کار سے دوبارہ الگ کیا جاسکتا تھا۔

پیشہ کار سے جو تمہیں یہاں لایا تھا۔ ”حمدی نے عورت سے پوچھا۔

”یا یہ اسی کی کار ہے جو تمہیں یہاں لایا تھا۔ ” ”حمدی نے عورت سے پوچھا۔ ” ”ہاں....! ” عورت نے جواب دیا۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ ”تمہارا ساتھی لہل گیا... مگر میں نہیں سمجھ سکتی۔ ”

”یا نہیں سمجھ سکتیں۔ ”

”تم لوگ صورت سے نہ مے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔ ”

”اوہ تو کیا رشید صورت سے نہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ” ”حمدی آہستہ سے بولا۔

عورت نے کوئی جواب نہ دیا۔

حمدی سوچنے لگا کہ اب شہر کی طرف چل دینا چاہئے۔ پتہ نہیں فریدی کہاں ہو۔ اس لق و دقت یانے میں کسی کو خلاش کر لیتا آسان کام نہیں تھا۔

”اوہ چلیں شہر واپس چلیں۔ ” اس نے عورت سے کہا۔

”نہیں میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں کوئی چیز کی جگہ تلاش کرنا چاہئے۔ ” عورت بولی۔ ” اور تاکہ وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے ساتھی کی لاش قریب ہی پڑی ہو گی۔ ”

”کیوں....! یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔ ”

”ضیغم بہت خطرناک آدمی ہے۔ ”

”ضیغم....! ” ”حمدی ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ فریدی نے ایک بار بحث کے دوران میں ضیغم کو بالکل ہی الگ کر دیا تھا اس نے ثابت کیا تھا کہ ضیغم کو اس حرکت سے کوئی لامدہ نہیں پہنچ سکتا۔

”تم ضیغم کا نام سن کر سنائے میں کیوں آگئے۔ ”

”میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ سر کس کا مسخرہ میرے ساتھی کو کس طرح مار سکتا ہے۔ ”

”وہ درندہ ہے۔ ”

”کون ضیغم....! ” ”حمدی نے حقارت آمیز لمحے میں کہا۔ وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ قریب سے اسے ہلکی سی آواز سنائی دی۔ وہ چوک کر مڑا اور ساتھ نہیں اس کی نارجی کی روشنی دور تک پھلتی۔

کرنے پڑے تو بازنہ آؤں گا۔ بڑی موچھوں والا بے وفا تھا۔ مجھے بھی آزمائ کر دیکھ لو۔ ”

”مجھے ایک ہمدردی کی ضرورت ہے۔ ” ”عورت گلوگیر آواز میں بولی۔

”فکر نہ کرو میں تمہارے لئے جان تک دے سکتا ہوں۔ ویسے میری شکل بھی دیکھ لو۔ ” صورت سے بد معاشر معلوم ہوتا ہوں اور نہ بد صورت ہوں۔ ” ”حمدی نے نارجی کی روشنی رجھے پر ڈالی۔ ”

”تم بہت اچھے ہو۔ ” عورت نے کہا۔ ”میری مدد کرو گے۔ ”

”ارے تم کچھ کہہ کر بھی تو دیکھو۔ تمہیں مصیبت سے نکالنے کے لئے اپنے ساتھی کی کربجی اڑا سکتا ہوں۔ ”

”مجھے وہی سب کچھ چاہئے جو تمہارے ساتھی نے اس آدمی سے جھینا ہے۔ ”

”بہت مشکل ہے جان کی بازی لگانی پڑے گی۔ مگر خیر! اچھا تو ایک تدبیر ہے۔ خود ک لوگوں کے حوالے کر دو۔ جو کچھ میرا ساتھی کہے اس سے انکار نہ کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دن کے اندر تمہارے مطالبات پورے کر دوں گا۔ ”

”میں تیار ہوں۔ ” عورت نے ایک طویل سانس لی۔

ویرانے میں جنگ

ٹھوڑی ویر بعد دونوں گذاریں آگے پیچھے واپس ہو رہی تھیں۔ عورت کی کار آگے تھی۔ نے اس وقت چلکی بجائے ایک دشوار مسئلہ حل کر لیا تھا۔ وہ عورت کو بے بس کر کے تیدڑی حیثیت سے بھی لے جاسکتا تھا مگر اس صورت میں اسے ایک کار دیں چھوڑ دینی پڑتی لگن وہاں تیار نہیں تھا۔

بہر حال اب وہ اپنی خوشی سے دوبارہ ان کے ہاتھ پر گئی تھی۔ وہ ٹھیک اسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن اب یہاں نہا تھا۔ کار خ موجود تھی مگر اس کے آس پاس زندگی کے آثار نہیں تھے۔

حمدی سوچنے لگا کہ اب کیا کرنے۔ اس نے نارجی روشن کر کے کار کا جائزہ لینا شروع کیا۔ دونوں نارجی پھٹ کر بیکار ہو چکے تھے اور حمید نے ایک خاص بات مارک کی۔ کار میں نہر کی پ

چلی گئی۔

فریدی اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ وہ جلد ہی ان کے قریب پہنچ گیا۔

”کیا ہوا اے...؟“ حمید مختصر باتہ انداز میں بولا۔

”نکل گیا... لیکن... اوہ کیا تم اسے لے آئے۔“

”ہاں یہ اب سید گھی ہو گئی ہیں اور ہم بدمعاشوں کو اس بدمعاش پر فوکیت دیتی ہیں۔“

”چلو واپس چلیں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں صح اس سے سمجھ لوں گا۔ وہ کہو شائد میں اس سے واقعہ نہیں ہوں۔“

پھر اس نے عورت کی کار کا دروازہ کھولتے ہوئے اس سے کہا۔ ”چلو بیٹھو۔“

عورت دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ پشت سے ان پر مارچ کی روشنی پڑی اور ہی ایک گرج وار آواز سنائی دی۔ ”تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“

”بہت اچھا سیرے نہیں تلاوت۔“ فریدی بہتباہ ہوا پلٹا۔

انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے تھے۔

”عورت! تم میرے پاس آ جاؤ۔ آئے والے نے کہا۔“ اور تم دونوں کار کے پاس۔

کہ اس وقت تک چلتے رہو جب تک مارچ کی روشنی نظر آئے۔“

”بیکار جھنجھٹ کر رہے ہو۔“ فریدی بولا۔ ”بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں کو گولی مار دو۔“ کے بعد زندگی ہھر بانی سے مکح نکالتے رہتا۔

”نہیں میں خواہ خون نہیں بہانا چاہتا۔ لیکن اگر میرے کہنے پر عمل نہ کرو گے بے دریغ تم لوگوں کو گولی مار دوں گا۔“

”ہم مرنا ہی چاہتے ہیں دوست! تم فائز کرو۔“ فریدی نے ہس کر کہا۔ ”مگر حمید کو کیوں اس کی بڑی خوفناک معلوم ہوئی۔“

اور پھر اچانک فریدی نے اس کی طرف چلا گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں جلتی ہو زمین پر تھی۔

حمدی نے اپنی مارچ روشنی کر لی۔ فریدی ایک نقاب پوش سے گھما ہوا تھا۔

دفعتہ حمید نے محسوس کیا کہ عورت پھر بھاگنے کا راہ کر رہی ہے۔ حمید نے جھپٹ کر ا

پر لالہ۔
”نم ہہاں چلیں۔“

”مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔“

”نہیں یہ منظر ضرور دیکھو۔ ابھی تم اسے درندہ کہہ رہی تھیں۔“

شائب پوش ایک بار پھر فریدی کی گرفت سے نکل گیا۔ لیکن بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

نقاب فریدی کی ہاتھ پلتے دیکھی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے نقاب پوش ہوا میں اڑ گیا ہو۔

اٹ اوپنچا چل کر دھرم سے زمین پر آگئا۔ اس پر فریدی کی لات پڑی اور وہ سر پکڑ کر زمین

پنگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”ضیغم کو اپنی طاقت پر برا گھمٹھا۔“ حمید نے عورت سے کہا۔

”وہ کھڑی بڑی طرح کانپ رہی تھی۔“

نقاب پوش پھر اٹھا اور اس بار اس کا حملہ برا شدید تھا۔

فریدی ایک طرف ہٹ گیا اور وہ اپنے ہی زور میں عورت کی کار سے آٹکر لیا۔ لیکن شائد اب

ہمیں پلنچے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ وہ اٹھا اور کار سے ٹیک لگا کر پیٹھ گیا۔

”اب! ضیغم کو بے نقاب کر دو۔“ فریدی بہتباہ ہوا بولا۔ ”بیو قوف کہیں کا! اگر اس کے پاس

تو ہوتے تو یہ پلے ہی کیوں بھاگتا۔“

لیکن اس جملے پر ایسا معلوم ہوا جیسے ضیغم سوتے سوتے یک بیک جاگ اٹھا ہو۔

اور پھر ایک بھوکے بھیڑیئے کی طرح فریدی پر ٹوٹ پڑا۔ ابھی تک شائد وہ بھی سمجھے ہوئے

وہ پہچانا نہیں جاسکا۔

اس بار کی جدو جہد زندگی اور موت کی جدو جہد تھی۔ اس قسم کی جدو جہد ہمیشہ خطرناک ہوتی

ہے ایک آدمی یہ سوچ لے کہ موت ہی میں اس کی بچت ہے خواہ وہ اس کی اپنی موت ہو یا اس

حریف کی اور اس بارچ بچ فریدی کو دانتوں پینے آگئا۔ لیکن وہ بھی اس نفیاتی لمحے سے بے خبر

رہا۔... وہ جانتا تھا کہ اس وقت زراسی غفلت بھی اسے ہمیشہ سلاسلتی کے لئے سلاسلتی ہے۔

یہ ضیغم نہیں تھا بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے سر کس کا کوئی شیر کثہرا توڑ کر باہر نکل

عورت کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ بیشہ کے روگی ہو گئی ہو۔

”تم پر نیکیوں نہیں ہو۔“ فریدی گرج کر بولا۔ ”یہ نہ سمجھو کہ تمہاری خاموشی اس جرم پر ڈال دے گی اور تمہاری غلطیاں بھی تمہیں نہ پچائے گی۔ اس وقت وہ تصویریں ضیغم کی جیب میں تھی جنہیں حاصل کرنے کے لئے اس نے رشید کا کوت چیننا تھا۔ رشید نے انہیں اپنے کے اسٹر میں چھپایا تھا۔“

عورت نبڑی طرح کاپنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہرہ رہا تھا لیکن یہ شدت خوف کا نتیجہ ہوا رہا۔

”میں پوچھتا ہوں کیا یہ صیحا کا گلا ضیغم ہی نے گھوٹا تھا۔“

”ہاں....!“ عورت کے طبق سے الکی آواز نکلی جیسے کوئی تیز چہری اس کا آدمی خرد کاٹ ہوا۔

”تصویریں رشید نے لی تھیں۔“

اس بار عورت نے اثبات میں سر بلادیا۔

”جمید سے تموزی بر اٹھی دو۔“ فریدی نے جمید سے کہا۔ عورت نے اس پر یہ نہیں کہا کہ ٹرباں نہیں پیتی۔ جمید چلا گیا۔۔۔ فریدی خود بھی نہیں پیتا تھا۔ لیکن مہماںوں کے لئے رکھتا رہتا تھا۔

عورت جمید کے ہاتھ سے گلاس لے کر اس چڑھائی جیسے حقیقتاً سے اس کی ضرورت رہی۔ وہ تقریباً اس منٹ تک آنکھیں بند کئے آرام کر سی میں پڑی رہی۔ پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی بساں کے چہرے پر پھر وہی پہلے سے زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔

”چند لمحے فریدی کو گھوڑتی رہی پھر اس نے کہا۔“ تصویریں آپ کے پاس میں تو ہوا کریں۔ مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں۔ آپ مجھے سے کسی بات کا الزاف نہیں کر سکتے۔“

”مجھے اعتراف کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس سلسلے میں وہ کون سا ایسا راز ہے جو مجھ پر ظاہر ہو چکا۔ میں تمہیں سب کچھ بتا سکتا ہوں۔ تمہارے اور رشید کے تعلقات قائم ہوئے تم

آیا ہو جسے ایک بفتے سے خواراک نہ ملی ہو۔

ایک بار تو اس نے فریدی کو گردی لیا اور اس کی گردی پر مشاتی کے کمال کا مظاہرہ کرنے والا تھا کہ فریدی کے دو نوں ہاتھوں کی انکلیاں اس کی ہنلی کی ہنلیوں میں دھنس پڑیں۔۔۔ دھنسی ہی چل گئیں۔

پھر قبل اس کے کہ جمید اس کی مدد کے لئے پہنچا ضیغم خود ہی نیچے آگیا۔

فریدی کا دہنہا تھا اس کے چہرے پر تھا اور ضیغم کے طبق سے پھنسی پھنسی سی کرایں؟ رعنی تھیں۔ آخر کار وہ بالکل ہی خاموش اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

فریدی نے اس کے چہرے سے ناقاب الگ کر دیا۔

ضیغم زمین پر چلتا ہوا اور اس کی ناک سے خون کلک کر دنوں گالوں پر بہرہ رہا تھا۔ وہ کے منہ سے ایک ہلکی سی جیج نکلی اور اس نے اپنا چہرہ دو نوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

ضیغم بے ہوش ہو گیا تھا۔ فریدی اور جمید نے انہا کر اسے کار میں ڈال دیا۔

جمیریاں کے میدانوں کا سانتا بڑا ہولناک معلوم ہو رہا تھا۔ پھر وہی لاتھا ہی سکوت طاری، تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

چھپلی سیٹ پر ضیغم بیویوں پر اتنا ہوا اور اگلی سیٹ پر فریدی اسٹرینگ کر رہا تھا۔ عورت اس ساتھ تھی۔

شہر پہنچ کر فریدی نے بیویوں ضیغم کو کوتووالی میں چھوڑا اور عورت کو ساتھ لے ہوئے واپس آگیا۔ جمید کو اس کے رویے پر حیرت ضرور ہوئی لیکن اس نے کچھ پوچھا نہیں۔ البتہ عورت کے چہرے پر ہو ایسا اڑنے لگی تھیں۔

ظاہر ہے کہ اگر وہ بد معاش ہوتے تو کوتووالی کا رخ بھی نہ کرتے۔

”بینہ جاؤ۔“ فریدی نے ایک کری کی طرف اشارہ کیا۔ عورت چپ چاپ بینہ گئی۔ اس برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔

”کیا ضیغم شروع ہی سے رشید کے ساتھ تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”آپ کون ہیں۔“ عورت نے خوفزدہ لمحہ میں کہا۔

”محکمہ سراج رسانی کا ایک آفسر۔۔۔ مجھے فریدی کہتے ہیں۔“

جدبات کی دو میں بہر گئیں اور تمہیں آخر وقت تک اس کی نیت پر شبہ نہیں ہوا۔ یہ حقیقت اُن اس وقت کھلی جب وہ انتہائی بے حیائی سے تمہاری تصویریں لے رہا تھا اور اسی وقت تمہیں یہ معلوم ہوا کہ رشید کا ایک شریک کار بھی ہے۔ برھیانے رشید کی بے حیائی پر اجتناب کیا تھا اس پر ضیغم نے دوسرے کمرے سے نکل کر اس کا گلا گھونٹ دیا۔۔۔ اور پھر اس وقت تمہیں ہوش نہیں ہوا۔ اس وقت یہ بات تمہاری بھی میں آئی کہ یہ دونوں تمہیں بیک میل کرنے کے لئے مسودا کا کام کر رہے ہیں۔ وہ تصویریں ساری زندگی تمہارے حواس پر مسلط رہتیں اور وہ تمہیں دونوں ہاتھوں لوٹتے رہتے۔ تم سے کافی لمبی رقبی وصول کی جاتی۔۔۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔۔۔ اور کیا بھی یہ بتانے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ تم خاور کی بیوی ہو۔“

عورت کے منہ سے بلکل سی جیخ نکلی اور وہ پھر آرام کر سی میں گرفتی۔
حمدیا چھل کر کھڑا ہو گیا۔ کبھی وہ آنکھیں چھڑا چھڑا کر عورت کی طرف دیکھتا تھا اور
فریدی کی طرف۔

”خاور کی بیوی۔“ حمدی نے صحابہ انداز میں دہرانا۔

”جتاب خاور کی بیوی۔ جو دو سال سے خاور سے الگ تھی۔ خاور کے ایک طازم رشید نے پڑورے ڈالے اور اپنی چال میں کامیاب ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے خاور کو اس بات پر اہم ہو کر اب اسے اپنی بیوی سے صلح کر لیتا چاہے۔ اس طرح یہ سونے کی چیزیاں ہمیشہ اس کی بھی رہتی اور وہ وقت بے وقت ان تصویریوں کی تشریکی دھمکی دے کر اس سے لمبی لمبی رقبی وصول کرتا رہتا اس اسکم میں غالباً ضیغم شروع ہی سے شریک رہا ہے لیکن بعد میں اس نے تصویر شرید سے چھین لیں۔ وہ تھا ہمیں اس سونے کی چیزیاں مالک بننا چاہتا تھا۔ اور پھر ایک بات اور رشید سے چھین لیں۔“

”خاور اور ضیغم ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر خاور اسی مرجائے تو اس کی دولت کا مالک ضیغم ہی ہو گا۔ لہذا یہ تصویریں وہ دوسرے مقصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ فرض کرو خاور کبھی بچھے باپ بننے والا ہوتا تو یہ تصویریں اس تک پہنچا جاتی۔ پھر اس کی بیوی کا جو کچھ بھی انجام ہوتا ظاہر ہے۔ لازمی امر ہے کہ خاور اسی صورت اسے اپنا پچھلی تسلیم کرنے پر تیار ہوتا اور ضیغم بدستور اس کے ترکے کا امیدوار رہتا۔

”لیکن سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں خاور کی قیصیں کیوں استعمال کی گئی تھیں۔“ حمدی

”اس کی ایکم کے تحت تو مجرموں کا ہرگز یہ مقصد نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ بات پولیس پر اہر ہو جائے ورنہ پھر بیک میلنگ کیسے ہوپاتی۔“

”میں کہا ہے۔۔۔ وہ سمجھے تھے کہ جرم اس کے خلاف ثابت نہیں ہو سکے گا۔ حمید صاحب یہ رکن تو محض اس لئے کی گئی تھی کہ حالات میں شدت پیدا کی جاسکے۔ یعنی اس کیس کے ساتھ میں کیا نہ کسی طرح خاور کو بھی ملوٹ کر لیا جائے اور اس کا نام بھی پولیس ریکارڈ میں موجود رہے۔ اس طرح اس عورت پر مجرموں کی گرفت اور زیادہ مضبوط رہتی اور اس عورت کو خود بھی رہے۔ اس کا احساس رہتا کہ اس کی ذرا سی لغوش بھی اسے جہنم میں پہنچا سکتی ہے۔ لہذا وہ بے دریغ بھرموں کے مطالبات پورے کرتی رہتی۔“

”مگر پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ ضیغم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔“

”میں کہا ہے اس وقت کیس کے متعلق نظریہ دوسرا تھا۔ اس وقت یہ عورت تاریکی میں تھی۔ اس کی شخصیت تو رشید کے کوٹ اور اس کی موت کے واقعات کے بعد سے ابھری ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ اس کوٹ کی حیثیت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اس کے حصول کے لئے قانونی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی۔ پھر ساتھ ہی مجھے بڑھیا کا نہیں بیاد آیا۔ وہ بھی کہتی رہتی تھی۔“

”بے شرم کیسہ رہتا۔۔۔ یہاں سے جاؤ۔“ اب میں نے کیس پر دوسرے ہی پہلو سے غور کرنا شروع کر دیا۔ ایسے موقع پر تصویریں لینے کا مقصد بیک میلنگ کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا اور بیک ایسی مظہروں یا غیر اہم ہستیوں کو نہیں کیا جاسکتا۔ معایماً اخیال خاور کی بیوی کی طرف گیا جو دو سال سے اپنے شوہر سے نہیں ملی تھی۔ میں نے سعید آباد میں تقاضی کرائی اور مجھے یہ روپرث ملی کہ عورت تین ماہ سے وہاں نہیں ہے۔ پھر میں نے اس کی تصویر حاصل کی اور سینیں شہر ہی میں اکٹھاں شروع کر دی۔ تم جانتے ہو کہ میری بیک فورس کے آدمی اس کام میں کتنے پھر تسلیم ہیں۔“

”وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔“ اس سازش میں دوزبردست کمزوریاں تھیں جن کی بناء پر بھرم پکھے گئے ورنہ ان تک پہنچا بہت دشوار ہوتا۔ پہلی بات تو یہ کہ خاور کی قیصیں اور انگشتی استعمال کرتا ہے۔ بڑی حفاظت تھی دوسری خانی یہ کہ بڑھیا کو سکنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اگر اس کے پذیان کا علم مجھے تھا ہوتا تو تصویریوں تک ذہن کی رسائی ملکن نہ ہوتی۔ ہاں ایک خانی اور۔۔۔ رشید کو چاہئے تھا کہ راجر اسٹریٹ میں زپگی کے لئے مکان حاصل کرنے سے قبل ہی اپنی

موچیں صاف کر دیتے۔ اس طرح اس کے ملنے کا طرہ امتیاز ختم ہو جاتا اور لوگوں کو طبیعت
کرنے میں دشواری ہوتی۔ اپنے بیہاں بھروسی موچیں شاذ و نادر عین دکمالی دیتی ہیں۔“
خاموشی کا ایک طویل وقت..... عورت دونوں ہاتھوں سے چھوپ چھائے آرام کریں ہے
ہانپ رعنی تھی۔

”اب کیا رادہ ہے؟“

”جگد لش کو کچھ دیر قلی فون کر چکا ہوں۔ وہ آئی رہا ہو گا۔“

”وہ.... کیا اس بیچاری کی بچت کی طرح ممکن نہیں ہے۔“ محمد بولا۔

”بچت! کیا بک رہے ہو۔ میں سوسائٹی کے جسم پر ایسے زہر لیتے ناسروں کا وجود نہ
برداشت کر سکتا۔ اگر اسے خور سے کوئی شکایت تھی تو کیا عدالت کے دروازے بند تھے۔ میرا
ہو سکتی تھی۔“

حمد کچھ نہ بولا۔ کمرے کی ضفایو جمل سی معلوم ہونے لگی تھی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 48

لیونارڈ کی واپسی

(مکمل ناول)

کار میں خبر

کیپن حیدر سادھ کر چت لیٹ گیا۔ چحت بالکل سپاٹ تھی۔ اگر وہ اتنی احتیاط سے لیتا تو نیچے سے اُس کا دیکھ لیا جانا چاہئی تھا۔ رات تاریک ضرور تھی، لیکن مطلع گرد آکر نہیں اُس لئے دور سے بھی دیکھ لئے جانے کے امکانات تھے۔

وہ چند لمحے اسی طرح چپ چاپ پڑا رہا۔ پھر پٹ لیٹ کر سینے کے مل کھکھے لگا۔ چحت کنارے پہنچ کر اُس نے نیچے نظر ڈالی۔ لیکن تاریک پڑا تھا۔ لیکن پھر بھی فرش دکھائی دے رہا۔ چحت محن کے فرش سے دس فیٹ سے زیادہ اوپنی نہیں تھی۔ یہ حال اُسے فرش تک پہنچ کر دشواری نہیں پڑی۔

اور پھر اُس کے قدم ایک کمرے کی طرف اٹھنے لگے جس کی کھڑکیوں کے شیشون سے اُنلی روشنی نظر آری تھی۔ حیدر ایک میل کے لئے کمرے کے سامنے رک کر کچھ سوچا رہا۔ دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اُس نے بے آہنگی دروازہ کھولا اور دھڑک اندر داخل ہو گیا۔ گہری نلی روشنی میں اس کا چہرہ بڑا بھیاںک لگ رہا تھا۔ گھنی سیاہ ڈال اور ڈالہی پر کسی مکان کے سامنے کی طرح جگی ہوئی موچھیں۔ لباس بھی امریکی وضع اواباشوں کا ساتھا۔

اس نے چاروں طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔ سامنے مسبری پر ایک نوجوان لڑکی سورجی تھی۔ حیدر پھر دروازے کی طرف بڑھا رہا۔ چھادی۔

پھر جیب سے ریو اور نکال کر دابنے ہاتھ میں لیا اور باسیں ہاتھ سے لڑکی کو جھنجور کر جکانا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ ٹیکھی۔ ساتھ ہی حیدر کی انگلی ہونٹوں سے جاگی اور ریو اور کارخانہ کا طرف ہو گیا۔ لڑکی کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چہرے پر کچھ ایسے آثار نظر آنے لگے

”کسی لاٹ کا چہرہ ہو۔“
”ریو اور بے آواز ہے اس لئے شور و غل پسند نہیں کرتا۔“ حیدر آہستہ سے بولا۔
”لوکی کی ملات میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔“
”تغیر اس مکان میں کس نے ٹھہرایا ہے۔“ حیدر نے پوچھا۔ اس کے لمحے سے سفاکی متوجہ ہی تھی۔
اپاک لوکی سنبھل کر بیٹھ گئی اور اب اس کی پلکیں بھی جھپٹنے لگی تھیں۔
”تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو....؟“ لوکی نے دلیر بننے کی کوشش کی۔
”میرے سوال کا جواب دو۔“
”اور اگر میں نہ دوں تو....!“
”جب میں ریو اور جیب میں ڈال کر اس وقت تک تمہارا گلاغونڈ نثار ہوں گا جب تک کہ تم رے سوال کا جواب دینے پر آمادہ نہ ہو۔“
”تم صرف اسی لئے یہاں آئے ہو۔“ لوکی نے لاپرواٹی سے پوچھا۔
”ہاں اوقت نہ ضائع کرو۔“
”لیکن تم کیوں یہ جانتا چاہتے ہو۔“
”مطلوب یہ کہ ہم نہیں چاہتے.... کہ یہ مکان بھی آباد رہے۔“
”میں بھی۔“ لوکی کے ہونٹوں پر خفیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔
”کیا سمجھیں؟“
”لیکن کہ یہ مکان کسی غیر قانونی حرکت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔“
”لوکی! بکواس بند کرو۔ میں جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔“
لوکی چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔ ”لھکم سراغ رسانی کے آفسر کیپن کو جانتے ہو۔“
”کیوں....!“ وہ چوک کر پڑا۔
”ای نے میرے لئے یہ مکان کرائے پر حاصل کیا ہے۔“
”تم جھوٹی ہو۔“
”میں بالکل صحیح کہہ رہی ہوں۔ اب تم چپ چاپ یہاں سے کھک جاؤ۔ ان لوگوں کو تم میں طرح جانتے ہو گے۔“

”شہاب! تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔ میں نے اس سلسلے میں کسی مسلم نہیں ہے مجھے تباہ... وہ مسلم کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔“

”مسلم... بہاں... مکان اسی نام سے حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن وہ کیپشن حیدر ہے اور غلام اچھی طرح جانتے ہو گے کہ وہ کرٹل فریدی کی کوئی نیسی رہتا ہے۔“

”میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“ حیدر نے ایک طویل سانس لی اور کہیں کہنے کر پڑا دوسرے ہی لمحے میں وہ اپنے چہرے سے مصنوعی ڈاگزی الگ کر رہا تھا۔

اور پھر لڑکی کی ظاہری حالت میں ایک زبردست تغیر واقع ہوا۔
اس کا سارا جسم کاپ رہا تھا اور چہرے پر ہوانیاں لانے لگی تھیں۔

”اب تباہ۔“ حیدر نے گھورتا ہوا بولا۔ ”کرٹل فریدی پر کس نے گولی چلانی تھی۔“
لڑکی کچھ نہ بولی۔

حیدر کہا تاہم۔ ”تم نے مجھے پہلے یہ نہیں بتایا تھا کہ مسلم ہی کیپشن حیدر ہے۔ اور اب.... تباہ ری گردن پوری طرح میری گرفت میں آگئی ہے۔ تم ابھی اور اسی وقت مجھے تباہ کی کرنے پر کس نے گولی چلانی تھی۔“

”میں نہیں جانتی۔“

”بکواس.... تمہیں بتانا پڑے گا۔ جب تم اسلام کو کیپشن حیدر کی حیثیت سے جان سکتی تمہیں اس کا بھی علم ہو گا۔“

”میں نہیں جانتی۔ آپ کا جدول چاہے کجھے۔“

”میراول....!“ حیدر اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

لڑکی اسے عجیب نظر دیے دیکھ رہی تھی۔

”چیز بات تو یہ ہے۔“ حیدر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”مجھے اس محلے میں دلچسپی نہیں۔ میں تو کسی طرح تم پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں....؟“

”مجھے تم سے....!“ حیدر نے مجلہ پورا کرنے سے پہلے ہی شرما کر رجھ کالیا۔
لڑکی کچھ نہ بولی۔ حیدر اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

”نہیں بتاتا....!“ حیدر اتنا میں انگلی دبا کر ہنسنے لگا۔

”میں بھیتھی ہوں۔“ لڑکی مکرائی۔ ”تم نہ کوئی... مگر میرے دل....!“ اس نے

اپر آیا۔

”ہائے تھارے دل میں بھی.... جب تو میں بڑا آلو کا پٹھا ہوں۔“

وکی انسے سوایا اداز میں دیکھتی رہی۔

”بھی افسوس ہے کہ میں نے خواہ خواہ تمہیں پریشان کیا۔“ حیدر بولا۔

”میں جانتی ہوں کہ تم کیپشن حیدر ہو۔ میں نے اس واقعے سے پہلے ہی تمہیں اکثر چپ

پر دیکھا ہے۔ مگر تم بہت بڑے آدمی ہو۔“

”مگر سوال تو یہ ہے کہ تم نے مجھے ٹوکا کیوں نہیں۔... تم نے کہا کیوں نہیں کہ تم اسلام نہیں

بیدھا ہو۔“

”اگر میں یہ کہہ دیتی تو تم مجھ سے دور ہو جاتے۔ میں تو چاہتی تھی کہ تم مجھ پر شبہ کرتے

اسی صورت میں تم مجھ سے قریب رہ کتے تھے۔ میں تمہیں بہت دنوں سے جانتی ہوں۔“

”تو کرٹل فریدی پر حملہ میرے لئے ایک خونگوار واقعہ ثابت ہوا۔... ہا۔... میں خوش ہوں۔“

”یہ نہ کہو۔“ لڑکی بولی۔ ”مجھے بڑی پریشانیاں اخافی پڑی ہیں۔ میرے قلیٹ سے کسی نے

بے چیف پر گولی چلانی تھی۔ میں خود کہتی ہوں کہ گولی میرے قلیٹ سے چلانی گئی تھی مجھے

اگری اعتراض ہے کہ خشل خانے میں ایک خالی کارتوس ملا تھا لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں

ایسا قلاس سے پہلے میں نے کبھی کارتوس کی خشل بکھر نہیں دیکھتی تھی۔ اسی بناء پر کہہ سکتی

ہا کہ گولی میرے قلیٹ سے چلانی گئی تھی۔ لیکن میں ملزم کے وجود سے واقعہ نہیں ہوں۔

”دن لوں تک پولیس پریشان کرتی رہی پھر تم ہمدرد بن کر آئے اور مجھے اس قلیٹ سے اس مکان

اٹھ کر دیا۔

”کوڑا! تم ہمیشہ نہیں رہو گی۔“

”مگر پولیس تو اپنے بھی میری تلاش میں ہو گی۔“

”ہوا کرے.... جب تک میرے دم میں دم ہے تباہ رکوئی کچھ نہ کر سکے گا۔“

”نہیں میں اسے درست نہیں سمجھتی۔“

”یوں....!“

”اگر طرح میرے خلاف بہاٹ اور زیادہ ملجم ہو جائیں گے اور پھر.... اس روپوں کی

ہم انصنان بھی ہو رہا ہے۔ میری ملازمت آگئی ہی سمجھو۔“

”تم شائد ٹھیلی فون اکس پنجھ میں تھیں۔“

لیڈی لاک اب بھی دہیں کھڑی تھی جہاں وہ اسے چھوڑ کر گیا تھا۔
ببجھے کی خراتی ہپتال میں پہنچا دیجئے۔ ”جمید کیڈی کے پاس پہنچ کر آہستہ سے بولا۔
بیٹھاں نے کسی دوسرے کو مخاطب کیا تھا۔ لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ جمید
بکر کیڈی کے اندر دیکھا۔ مگر اسے اگلی سیٹ پر فریدی نہیں نظر آیا۔ حالانکہ وہ اسے
بکر کے پیچے بیٹھا ہوا چھوڑ کر گیا تھا۔
اس وقت جو کچھ بھی ہوا فریدی کی ایماء پر!

ایک ہفتہ قبل جب فریدی ایک تقریب میں شرکت کی غرض سے بارگراہریٹ کی ایک
میں موجود تھا کسی نے اس پر فائز کیا۔ گولی سامنے والی عمارت کی ایک کھڑکی سے چلاتی تھی
فریدی بال بال بچا۔ صرف ایک باشت کے فرق نے اس کی جان بچالی ورنہ گولی کھڑکی کی
کے جائے اس کی پیشانی پر پڑی جس فلیٹ سے گولی چلاتی تھی اس میں ایک عیسائی لڑکی
گوریا مقیم تھی لیکن اس نے واقع سے لاعلی ظاہر کی۔ ویسے اس نے یہ ضروری بتایا کہ اس
بکر دی قتل فائز کی آواز سنی تھی۔

فلیٹ کی تلاشی لینے پر عسل خانے میں ایک خالی کار توں ملا، جو کچھ ہی دیر قتل خالی کیا گیا تھا۔
اس کے باوجود بھی لڑکی بھی کہتی رہی کہ وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ اس نے فائز
واز بھی سنی تھی اور آواز قریب ہی کی معلوم ہوئی تھی لیکن اس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی
ایک لکڑپوس کے پیچے اکثر نقلی امر کی روی اور وہ سے سکھلتے رہتے تھے۔

پلیس تو اسے حرast میں لینا چاہتی تھی لیکن فریدی نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ ویسے دن بھر
ماں سے پریyan کرتی رہی۔ پھر شام کو جمید اسلام کے نام سے اسکے پاس پہنچا۔ اس سے ہمدردی
کی اور بتایا کہ وہ اسے عرصے سے جانتا ہے اور صحیح معنوں میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہے۔

لڑکی جو بظاہر پریyan معلوم ہوتی تھی، بے چوں و چوڑا اس کے ساتھ ایک دوسرے مکان میں
اونگی۔ جمید اس کے بعد بھی اس سے برابر مtarah۔ مگر کیپنی جمید کی حیثیت سے نہیں۔ اور
اس وقت اس نے یہ سب فریدی ہی کے کہنے پر کیا تھا۔ فریدی یہاں تک اس کے ساتھ آیا تھا
لیکن کم کے مطابق اسی سڑک پر اسے جمید کی واپسی کا منتظر رہتا تھا۔

گر کیڈی لاک خالی تھی۔ ... جمید نے جب سے تاریخ نکالی۔
لیکن تاریخ روشن کرتے ہی گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اگلی نشست کی پشت گاہ میں
خود سے تک پیوست تھا۔

”ہاں....!

”فکر کرو.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”لیکن اس وقت تم اس ویسٹ میں کیوں آئے تھے۔“

”محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ تم میری شخصیت سے حقیقتاً واقع ہو یا نہیں۔“

”میں سمجھیں! اگر میں تمہاری شخصیت سے واقع ہوں تو اس کا یہ مطلب ہو اکرم
سے ملی ہوئی ہوں۔“

”بالکل بھی خیال تھا میر۔ مگر اب حقیقت بھج پر واضح ہو گئی اور میں شرمند ہوں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے.... مگر میری پوزیشن پولیس کی نظر میں کیا ہو گی۔“

”میں اس کیس کا انچارج ہوں۔“ جمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”کیا تم یہ سمجھتی ہو
نے تمہیں مفروضہ قرار دیا ہو گا.... ہرگز نہیں.... اور کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہاری ملازم
ہو گئی ہو گی۔ ہرگز نہیں.... میں نے تمہارے لئے ایک ماں کی رخصت میڈیکل گرومنٹ
کر لی ہے۔“

”یہ کیسے!“ لڑکی نہ سرت لجھ میں چھپی۔

”کیا تمہیں یقین نہیں آیا۔“ جمید کے لجھ میں حرمت تھی۔

”یقین تو ہے.... مگر آخر تم میرے لئے اتنی دردسری کیوں مولی۔“

”یہ نہ پوچھو.... ورنہ میں اپناوتی پہلا سوال دہراوں گا۔“

”لڑکی کچھ نہ بولی۔“

جمید بھی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”اچھا باب تم آرام کرو.... اب تم قلعی
لیکن واضح رہے کہ تم پچھے ایک ہفتے سے بیمار ہو اور مزید تین یقینے بیمار رہنے کے بعد
جاوگی۔ وہ فلیٹ دیسے بھی تمہارے لئے موزوں نہیں تھا۔ اس مکان میں آرام سے
وغیرہ وغیرہ.... آج چھا.... اب آرام کرو۔“

”اب کب ملو گے۔“ لڑکی لگاؤٹ کے انداز میں بولی۔

”آہ.... میرا دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے کوٹ کے کار میں لگاؤں اور تم یہاں
ساتھ رہو.... مگر خیر.... کل شام آر لکچو میں گزاریں گے وغیرہ وغیرہ۔“

”خوب ہو...“ دیز بعد جمید پھر سڑک پر تھا لیکن اب وہ چھپتا چھپتا ہوا نہیں بل رہا تھا۔

دوسری سڑک پر پہنچنے کے لئے اسے ایک خفیری گلی پار کرنی پڑی۔

سیٹ پر کئی جگہ خون کے چھوٹے چھوٹے دبے نظر آ رہے تھے۔ اور کچھ ایسے نشانات بھی دکھائی دیئے جن سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ گاڑی کے اندر سے زیادہ آدمیوں میں سمجھنے ہو چکی ہے۔ مگر.... حمید الجھن میں پڑ گیا۔ وہ جھٹنے والوں میں ایک یقیناً بہت اطمینان سے رخواہ احتداور حمید کو کار کار دروازہ بند نہ ملک۔

تاریخ کی روشنی کار کے قرب وجوار کی زمین پر ریکھنے لگی۔ لیکن یہاں حمید کو کسی قسم کے نشانات نہیں مل سکے تھے کیا یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ باہر نکلنے کے لئے کون سادر دروازہ استعمال کیا ہو گا۔

خون کے دبے بھی سیٹ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملے۔ بڑی عجیب بات تھی۔ آخر فریدی کہاں گیا؟ کیا اس کے ہاتھ میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ کامیاب ہے اور پھر اچاک آنکھ کھلتے کی وجہ پر اپنے پتے نہیں کہ وہ کب سو گیا۔ لیکن خبر کی موجودگی اس خیال کی تردید کر رہی تھی، جو لوگ قاتلانہ حملہ کر سکتے ہیں، اپنے کیا ضرورت ہو سکتی ہے کہ وہ کسی کو پکڑ کر لے جائیں۔

تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ حملہ آور اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے۔ وہ کافی دیر تک کھڑا دروازہ دیکھتا رہا۔ سوال یہ تھا کہ وہاں شہرے یا چلا جائے کے لئے تشویش اپنی جگہ پر لیکن وقت کا تقاضا بھی کوئی چیز ہے اور پھر اگر کار کار دروازہ بند والا فریدی ہی تھا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ کافی اطمینان کے ساتھ یہاں سے گیا ہے۔ اگر آوروں کو پہنچا دینے کے بعد یہاں سے رخصت ہوا ہے تو حمید کا اس کے انتظار میں یہاں حفاظت ہی تھی۔

اور اگر حملہ آور اسے پکڑ لے گئے میں تو کار کار دروازہ بند کر جانا نیقاتی نظر سے یقین ہو جاتا ہے۔ بہر حال حمید نے سہی فیصلہ کیا کہ فریدی تحفظ ہے۔ رہ گیا اس طرز ہو جاتا تو یہ فریدی کیلئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وقت پر اسے جو کچھ بھی سوچ جانی کر گزرا؛ حمید کیڈی میں بیٹھ گیا۔ پھر خیال آیا کہ وہ ظلمی کر رہا ہے۔ کیوں نہ کیڈی کو ان تمام سیست میں چھوڑ دے اور خون کے دبے تو بہر حال تحفظ تھے کیونکہ وہ پہلے ہی خشک ہوئے۔ وہ چپ چاپ کیڈی سے آتی آیا اور اس کا ایک دروازہ کھلا چھوڑ کر پیدل ہی مل پڑا۔ آج کی ہمیم خوشگوار بھی ثابت ہوئی تھی اور ناخوش گوار بھی۔ گلوریا کے متعلق وہ سوچ رہا تھا کہ حقیقتاً فریدی پر کوئی چلانے والے سے کوئی نہ کوئی

رمکتی ہے، درد وہ اسی وقت اُسے ٹوک دیتی۔ جب اس نے اپنا نام اسلام بتایا تو اس کے لئے وہ اسے لمبی رعنی تھی اور اس دوران میں اس نے کبھی یہ نہیں ظاہر ہونے دیا تھا کہ وہ اس لئے واقعہ ہے۔

کیس بیگ

حید کو موقع تھی کہ گھر پر فریدی سے ضرور ملاقات ہو گی، لیکن وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ حمید نے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دونوں چکے تھے اور وہ ہن نیند سے بو جھل ہو رہا تھا۔ پھر اسے پتے نہیں کہ وہ کب سو گیا۔

اور تمیک ایک سکھنے کے بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ سوچنے لگا کہ آخر آنکھ کھلی ہی کیوں۔ نے میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس کی طرف دیکھا۔ سوتھن بجے تھے اور پھر اچاک آنکھ کھلتے کی وجہ پر بھی میں آئی۔ کوئی اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔

لیکن وہ جلا کر اٹھ بیٹھا۔ لیکن وہ سوچنے لگا کہ یہ فریدی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فریدی ایسے موقع لالے کرے میں رکھے ہوئے تھیں فون کے بزرے کام لیا کرتا تھا۔ تو کروں میں اتنی ہے تھا تھی کہ وہ اس بد تیزی سے اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ سکتے۔

اس نے جھنجڑائے ہوئے انداز میں دروازہ کھوالا۔ کو تو ای اچارچ انسپکٹر جلدیش کھڑا پلکیں لاتا ہے۔

”تمہاری بیعت تو تمیک ہے نا۔“ حمید تھیج کر بولا۔ ”آخر تم یہاں تک کیسے بیٹھ گئے۔“ ”فریدی صاحب کہاں ہیں۔“ جلدیش نے پوچھا۔ ”یادِ تم آدمی ہو یا...“

”حمد صاحب آپ حالات کی نزاکت سے واقعہ نہیں ہیں۔“ ”لیا مطلب...!“

”تریما روڈ پر دو بجے ایک کا نشیل کو فریدی صاحب کی گاڑی ملی ہے جس کی اگلی سیٹ پر ایک نہیں بیوتا ہے۔ اور خون کے کمی دبے۔“

”تم نے اس قسم کا کوئی کا نشیل خواب میں دیکھا ہو گا۔ کیڈی کیراج میں ہے اور فریدی لابر بانپ کرے میں سور ہے ہوں گے۔“

15

بے تین احساسات سے کسی طرح کم نہیں تھے۔
”اے طعام کرہا برداشت کر رہا تھا۔ فریدی نے اُسے خاص طور پر ہدایت دی تھی کہ گلوریا
برکے۔
”تم کیا سوچ رہے ہو.....؟“ گلوریا نے پوچھا۔
”تم نے شام کا کوئی اخبار دیکھا ہے۔“
”میں ہمیشہ صحیح کے اخبار دیکھتی ہوں۔“

”چھلی رات کرٹل فریدی کی کار شرما روڈ پر پائی گئی ہے۔ اگلی نشست کی پشت گاہ میں ایک
پوست ملا ہے اور خون کے کچھ دھجے۔“

”اوہ.... تو پھر کسی نے حملہ کیا۔ لیکن کرٹل کہاں ہیں۔“

”کرٹل....!“ حمید طویل سائنس لے کر بولا۔ ”مجھے توقع ہے کہ آج شام تک اُن کی لاش
میں یا تالے میں مل جائے۔“

”نہیں....!“ گلوریا یادگیرت اور خوف سے آئکھیں چھڑا کر بولی۔

”ہاں.... اور اب مجھے بھی اپنی زندگی خطرے میں نظر آرہی ہے۔“ حمید آہستہ سے بولا۔
”اور تم یہاں اتنےطمینان سے بیٹھے ہوئے ہو۔“ گلوریا کے لہجے میں حیرت تھی۔

”مرجانے میں مجھے زیادہ فائدہ نظر آتا ہے۔“ حمید نے سمجھ دی گئی سے کہا۔

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ چلو انہوں میں یہاں نہیں بیٹھوں گی۔“
”کیوں....؟“

”یہاں تم پر نہیات آسانی سے حملہ ہو سکتا ہے۔“

”فلکرنہ کرو! میں ڈر پوک نہیں ہوں۔“

”پھر تمہارے چہرے پر ہوا یاں کیوں اڑ رہی ہیں۔“

”کھیاں ہوں گی۔“ حمید نے لاپرواپی سے کہا۔

”نہیں آج تمہارا دویسی پہلے سے بہت بدلا ہوا ہے۔ کیا تمہیں اب تک یقین نہیں آیا کہ میں
تل اور سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔“

”بھی ختم کرو!.... یہ قصہ! مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”پھر کیا سوچ رہے ہو۔“

”کچھ نہیں میرا موڑ بہت خراب ہے۔ چلو چلیں۔“ حمید اٹھ گیا۔

”نہیں کیڈی کیراج میں نہیں ہے اور فریدی صاحب بھی اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔“

”تب توبات تشویش ناک ہے۔ مگر کیا تمہیرا یقین ہے کہ وہ اپنی علی گاڑی ہے۔“

”آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں اچھی طرف چجان بن کرنے کے بعد یہاں آیا ہوں۔“

قصہ خضریہ کہ حمید خود کو دل ہی دل میں گلیاں دیتا ہوا جگہ لش کے ساتھ شرمارہ
طرف روانہ ہو گیا۔

بات بڑھ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔

بہر حال وہ لوگوں کے سوالات کے جواب گول مول طریقے سے دیا رہا۔

صحیح تک جالات اور کچھ ہو گئے۔ آفس کے روزنایچے سے معلوم ہوا کہ فریدی چار دن سے

شہر ہی میں نہیں ہے۔ حمید کو اس کا قطعی علم نہیں تھا اور ہوتا بھی کیسے جب کہ فریدی چھلی رہا
تک اس کے ساتھ رہا تھا۔

اس نے حمید کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ دفتر کے روزنایچے کے مطابق شہر میں موجود نہیں ہے۔

بہر حال اب وہ سوچ رہا تھا کہ چھلی رات پولیس والوں سے گفتگو کے دوران میں اُس۔

کوئی ایسی بات کی تھی یا نہیں جس سے روزنایچے کی تردید ہو سکتی۔ اُسے نہیں یاد آیا کہ اس۔

کوئی ایسی بات کمی ہو۔ وہ خود ہی اُن سے کھل کر گفتگو نہیں کر رہا تھا۔

شام کے اخبارات کے ہاکروں نے آسمان سر پر اخالیا۔ آج کی سب سے زیادہ منی نہیں۔

فریدی کی گشادگی ہی تھی۔ قریب قریب سارے ہی اخبار نے ایک ہفتہ قبل والے محلے کا

حوالہ دیا تھا۔

لیکن حمید نے یہ بات ضرور محسوس کی تھی کہ سارے ہی اخبارات نے اس سلسلے میں تا
آرائیوں سے گزیر کیا تھا۔



اسی شام کو حمید گلوریا کے ساتھ آر لچوں کے ایک فیملی کینن میں بیٹھا جھک مار رہا تھا۔

بے دلی سے کسی تفریغ میں حصہ لیا جائے تو اسے جھک مارنا ہی کہیں گے۔

بے دلی کی وجہ گلوریا ہی تھی۔ وہ حسین ضرور تھی مگر دوران گفتگو میں اکڑاں ا
ہونٹ سکوڑ لیتی تھی جیسے چینک روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی یہ عادت حمید کی جا
حس کے لئے سم قائل ثابت ہوئی تھی۔ عورتوں کے معاملے میں اس کے احساسات لارڈا۔

”متعلق کچھ معلومات فراہم کر سکو گے۔“
”میں کسی سے متعلق کچھ معلومات فراہم کر سکو گے۔“
”جی ہاں.... مگر....!“

”معلومات.... جی ہاں.... مگر....!“
”بات بہت پرانی ہو گئی....؟“ ذی۔ آئی۔ جی نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ اس کا موڑ بہت
”بڑا معلوم ہو رہا تھا۔“

”جی ہاں! اگر ریکارڈ روم سے....!“
”میں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے
”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے

”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے
”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے

”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے
”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے

”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے
”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے

”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے
”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے

”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے
”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے

”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے
”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے

”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے
”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے

”کہاں بیک نکلوالیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے
”لیڈری پر کاش کے متعلق خرد بیکھی تھی۔“

”لیڈری پر کاش کے متعلق خرد بیکھی تھی۔“
”لیں نہیں! مجھے اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ پورا اخبار دیکھ سکوں۔“
”دیکھووو....!“ ذی۔ آئی۔ جی نے میر پر رکھے ہوئے اخبار کی طرف اشارہ کیا۔



ٹھیک دس بجے حمید سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ ذی۔ آئی۔ جی کا فون آیا۔ اس نے اسی
اپنے بنگلے پر طلب کیا تھا۔

افران بالا کے سامنے تھا جانے سے وہ ہمیشہ کرتا تھا تھا۔ یوں تو ذی۔ آئی
درجنوں بار مل چکا تھا لیکن فریدی کے ساتھ۔
مگر اب تو اسے ہر حال میں وہاں پہنچتا تھا۔

اس نے گیراج سے چھوٹی آٹھنی نکالی اور دل ہی دل میں سر پینتا ہوا ذی۔ آئی۔ جی
کی طرف روشن ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے فریدی کے متعلق ذی۔ آئی۔ جی کو بتا
پڑے۔ ویسے فریدی کا آڈر تھا کہ وہ اس کے مشاغل کے متعلق بھی کسی کو کچھ نہ بتانا
پوچھنے والا تھے کا کوئی برا آفسر ہی کیوں نہ ہو۔ وہ سخت الجھن میں تھا۔ فریدی نے دا
روزنگی میں دفتر سے اپنی غیر حاضری تحریر کی تھی۔ جس کا مکالہ ہوا مطلب یہ تھا کہ وہ اسے
تین دنوں کی کار گزاریوں کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

حمدیک اب الجھن بڑھتی رہی اور اس وقت اور زیادہ بڑھ گئی جب کار ذی۔ آئی۔ جی کے
کپاؤٹ میں داخل ہو رہی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی نکل چکنے کے لئے اسے ”رسمیات“ سے دو چار نہیں ہوتا پڑا۔ ایک آ
اس کا منتظر تھا۔ اس نے اسے ڈرائیکٹ روم تک پہنچا دیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی تھا نہیں تھا۔ ملکے کا پر شنڈٹ اور دو ڈپٹی پر شنڈٹ بھی موجود تھے۔
”فریدی کا کچھ پڑھے چلا۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے اسے بیٹھنے کا اشارة کرتے ہوئے کہا۔
”جی نہیں.... ابھی تک تو کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔“

”غیر.... ایک بہت پرانے کہیں کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے میں نے تمہیں بلا یا ہے
حمدیک اب الجھن رفع ہو گئی۔ بات فریدی سے کسی پرانے کیس پر مل گئی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر بولा۔ ”یوں تاریخوں کے کیس میں تم فریدی کے سام
نی تھے تا۔“

”یوں تاریخوں کے کیس میں کام سن کر حمید پیساختہ چوک پڑا۔
”جی ہاں.... میں اس کے ساتھ تھا۔“

حید نے اخبار اٹھا لیا۔ پہلے صفحے کی ایک مختصر سی خبر کے گرد سرخ پنل سے ہائے ہر
حاشیے پر اس کی نظر پہلے ہی پڑی تھی۔
خبر تھی۔ ”کل شام لیڈی پر کاش کا ایک عجیب و غریب خط موصول ہوا ہے۔ خط کی کام
طرف سے ہے اور اس کی اوٹ پنگ عبارت لکھنے والے کے ذہنی فور کی طرف اشارہ کر رہے
خط کا مضمون یہ ہے
مائی ڈیزیر لیڈی پر کاش!

دریائے نیز میں اس مقام پر مچھلیاں نہیں پائی جاتیں جہاں چہار لٹگر انداز ہوتے ہیں۔
کوئی سفید گلبہ پیش کرے تو کسیرے کادھیان ضرور رکھنا چاہیے، اللہ برا کار ساز ہے، دیے ہے
کہ کار سازی میں ہنزی فورڈ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ وی آنامیں ایک تصویر ڈیڑھ لاکھ مر
تھی۔ دریائے نیز کی مچھلیاں تین لاکھ مانگتی ہیں۔“

حید خبر پڑھ کر ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھنے لگا۔

”لیکن.....!“ ڈی۔ آئی۔ جی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”لیڈی پر کاش کو اس قسم کا کوئی
نہیں ملا۔ اس نے آج ہی اس خبر سان ایجنٹی کے خلاف ازالہ حیثیت عربی کادھیتہ داڑ کیا ہے
”تب تو خبر سان ایجنٹی.....!“

”خبر سان کمپنی کے کارکنوں نے اس سے اپنی لا علی ظاہر کی ہے۔ اخبارات کے
کہتے ہیں کہ انہیں یہ خبر اسی ایجنٹی کے ٹیلی پر نتر زپر موصول ہوئی ہے۔“

”لیونارڈ.... سو فیصدی لیونارڈ....!“ حید آپستہ سے بڑو بڑا۔

”مجھے بتاؤ کہ فریدی کہاں ہے؟“

”یقین فرمائیے..... مجھے علم نہیں ہے۔“

”حملہ کے متعلق اس نے کیا خیال ظاہر کیا تھا۔“

”پچھے بھی نہیں وہی عام بات۔ شہر کیا پورے ملک کے جرام پیشہ اُن کے دشمن ہیں۔“

”لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ حملہ لیونارڈ کی طرف سے ہوا
ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ ”فریدی ہی نے پہلی بار اس کے ہھکڑیاں لگائی تھیں۔ پورے پورے
پولیس اس کا کچھ نہیں بھاڑ سکتی تھی۔ کیا وہ آزاد ہونے کے بعد ایسے آدمی کو چھوڑے گا؟
بدولت اسے زندگی میں پہلی بار جیل کی صورت دیکھنی پڑی تھی۔“

”جی ہاں اب میں بھی بھی سوچ رہا ہوں۔ لیکن فریدی صاحب نے اس دوران میں ایسا

”رہنمای نہیں لیا۔“
س دروان سے کیا مراد ہے تمہاری۔ ”ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے گھوڑتے ہوئے پوچھا۔
طلب یہ کہ آج سے چار دن قبل کی بات ہے۔ ”حید فوراً سنبھل گیا۔
یام نے بھی اُسے تین دن سے نہیں دیکھا۔“
”جی نہیں۔“
”لیکن اس کی حکمازی۔“

”ہبڑی وہ چار دن قبل اپنے ساتھ لے گئے تھے۔“

”تمہیں یقین ہے کہ تم جھوٹ نہیں بول رہے ہو۔“

”میرا خیال ہے کہ فریدی صاحب بھی آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں
۔“ حید نے کھص کا ذبہ رسید کیا۔
”یعنی حید کے اس جملے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ملکہ سراغ رسانی کا ذبہ اپنے اپنے جزل اتنا
میں ہو سکتا۔“

”اس نے ایس۔ پی اور ڈی۔ ایس۔ پی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”آپ لوگ جا سکتے ہیں۔“

”اب بتاؤ۔“
”کل رات ہم ساتھ ہی شرماروڑ ملک گئے تھے۔ مجھے وہاں سے ایک دوسری جگہ جاتا تھا۔
ام یہ تھا کہ فریدی وہیں شرماروڑ پر ٹھہر کر میرا منتظر کریں گے، لیکن داپتی پر میں نے کار کو
ات میں پایا جس کی روپورٹ آپ تک پہنچ چکی ہے۔ مگر نہیں.... روپورٹ یہ ہے کہ اس کا
رووازہ کھلا ہوا پیارا میا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے چاروں دروازوں بند پائے تھے۔“
”اس کی کیا اہمیت ہے۔“

”اس کی اہمیت یہ ہے کہ فریدی صاحب نہ صرف زندہ ہیں بلکہ جہاں بھی گئے ہیں۔ آزادانہ
پر گئے ہیں، ورزہ حملہ آور کو کیا پڑی تھی کہ وہ کار کا دروازہ بند کر کے جاتا۔ نفیاںی نقطہ نظر
.....!“

”کوئاں..... اسے منطقی دلیل نہیں کہیں گے۔ لیونارڈ جیسے ہجوم جلد باز نہیں ہوتے۔ میرا
لے ہے کہ فریدی اس کی گرفت میں آگیا ہے۔“

”حید کے ذہن میں اس لغوت کی خیال کے خلاف کئی دلیلیں تھیں لیکن اس نے بات بڑھانا
اب نہیں سمجھا۔ حکام بالا کی عدم ذہنیت بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماتھوں نے ذہنی طور پر

نریڈی نے چند ماہ پیشتر حید کو اس کے فرار کی خبر سنائی تھی اور خدا شہ بھی ظاہر کیا تھا کہ
ڈاک بار پھر مشرق کا رج کرے گا۔

ڈاک آج اخبار میں لیڈی پر کاش کے متعلق خبر دیکھ کر اُسے یقین آگیا کہ پچھلے چند دنوں کی
اونٹ میں لیونارڈ کے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ آج سے پانچ سال قبل بھی لیونارڈ نے
اس کے بعض بڑے گھروں کی عورتوں کو بیک میل کرنے کے لئے اسی قسم کے انوکھے طریقے
روکھے۔

حید راستے بھر مختلف قسم کے خیالات میں الجھا رہا۔
پھاٹک کھلا ہوا تھا اور رکھواں کرنے والے خوفناک اسٹیشن کپاڈنگ میں چکر لگا رہے تھے۔ جیسے
حید کی کار اندر داخل ہوئی چوکیدار چاٹک بند کر کے شاگرد پیشہ کی طرف چلا گیا۔

حید کار کو گیراج میں ڈال کر لوٹ ہی رہا تھا کہ چاٹک پر کوئی کار رکی اور کسی نے چاٹک بلانا
دیغ کر دیا۔

حید سوچنے لگا کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے۔ بارہ نئے پکے تھے۔ پھر وہ چاٹک کی طرف بڑھ
راہ تھا کہ سنائے میں فائر کی آواز گوشی اور ساتھ میں ایک جیج سنائی دی۔ جیج کسی عورت کی تھی۔
حید بے تحاشہ چاٹک کی طرف دوڑا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ تریب پنچاکار فرائے ہمڑتی
وئی اندر میرے میں غائب ہو گئی۔

حید چوکیدار کو آواز دینے لگا۔ چاٹک کے تالے کی کنجی اسی کے پاس تھی۔
نہ صرف چوکیدار بلکہ دو تین توکر بھی دوڑتے ہوئے چاٹک کی طرف آئے۔

”چاٹک کھو لو جلدی.....!“ حید بوکھلائے ہوئے بچھ میں بولا۔

چاٹک کھلتے ہی اس نے ناریج روشن کی۔ چاٹک سے صرف تین قدم کے فاصلے پر کوئی
اونٹ نہ کے مل پڑی ہوئی تھی اس کے جسم پر فاختی رنگ کا ریشمی اسکرٹ تھا۔ حید نے جھک
اُس سے سیدھا کیا اور اس کے منہ سے ایک تحریز دہی آواز نکل گئی..... یہ گلوریا تھی۔

تموڑی دیر بعد گلوریا ذرا سمجھ روم کے ایک صوفے پر بیویوں پڑی تھی اور حید اسے ہوش
لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کا ذہن اس فائر میں الجھا ہوا تھا جس کی آواز اس نے سنی تھی مگر گلوریا کے جسم پر کہیں
کوئی زخم نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی بیہوئی خوف کا نتیجہ رہی ہو۔
آدھے گھنے بعد گلوریا کو ہوش آگیا اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ پہلے وہ گمراہی ہوئی نظر وہ سے
کامیاب ہو گیا۔

ٹکست کھانے کے بعد اور زیادہ جھلا جاتے ہیں۔

”یہ بھی ممکن ہے۔“ حید بولا۔

”لیکن پچھلی رات تم کہاں گئے تھے۔“

حید جھنجلا گیا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ اب حق نہیں بولے گا۔

”شرما روڈ کی دوسری طرف البرٹ روڈ پر لائن آرٹ پر لیں ہے۔ وہاں ہمیں ایک
آدمی کو چیک کرنا تھا، جو ایک بار جعلی نوٹ چھاپنے کے جرم میں سات سال کی قید بھگت چا
آج کل وہ لائن آرٹ پر لیں میں بھیثیت میشن میں کام کر رہا ہے۔“

”اس آدمی کو کیوں چیک کرنا تھا۔“

”پہنچ نہیں! فریدی صاحب کبھی مجھے اپنی اسکیوں سے آگاہ نہیں کرتے۔“

”اور یہ نہیں عادت کبھی نہ کبھی اُسے پچھاتنے پر مجبور کر دے گی۔“

حید کچھ نہ بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح یہ چھڑائے۔

تموڑی دیر تک خاموشی رہی پھر ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ ”تم بھی جا سکتے ہو۔ لیکن مجھے!
کے پچھلے کیس کے متعلق دوسری معلومات بھی درکار ہیں۔ جتنا بھی تمہیں یاد آئے کل ٹھا
لکھ کر میرے پاس پہنچاؤ۔“

لیڈی پر کاش

حید ذہن پر ناخوشنگوار اثرات لے کر ڈی۔ آئی۔ جی کے یہاں سے واپس آیا تھا۔ دو رہا
لیونارڈ کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ لیونارڈ یورپ کا میں الاقوایی شہر ترکھ والا میں الاقوایی بلکہ
جسے پانچ سال قبل بھی ہوئی تھی۔ ہمکھریاں پہنچائی تھیں۔ یہ وہی لیونارڈ تھا جس نے کافی عمر
پر شنڈنٹ جیکن کی حیثیت سے ملکہ سراغ رسانی پر حکومت کی تھی، اور پر شنڈنٹ
اس کی قید میں سڑھا رہا تھا۔

لیونارڈ نے زندگی میں چلی بار فریدی کی وجہ سے جبل کی صورت دیکھی تھی۔ وہ
تما۔ سازشی تھا۔ بلکہ میلر تھا لیکن لندن کی پولیس اس کے خلاف ایک بھی قتل نہ ثابت کر
اس پر مقدمہ چلا اور اُسے عمر قید کی سزا ہو گئی۔ لیکن وہ تین سال بعد جبل سے فرار ہو۔
کامیاب ہو گیا۔

چاروں طرف دیکھتی رہی پھر کھڑی ہو کر پاگلوں کی طرح اپنے جسم پر ہاتھ پھینرنے لگی
”گولی نہیں لگی....!“ حمید آہستہ سے بولا اس کے حرکات و سلکات کو بہت غور سے دیکھا۔ اس کی آواز سن کر گلوریا اس طرح اچھل پڑی جیسے اسے اس کی موجودگی کا علم ہے اسراہم ہو
”اوہ.... مانی ڈیسر کیپشن۔“ وہ اچھل کر اس پر آری اور حمید ایک طرف ہٹ بھی نہ
کوئی نکلے ایسی صورت میں وہ دیوار سے جا نکل آتی۔

”مجھے بچاؤ.... مجھے بچاؤ۔“ وہ ایک ایسے نئے پرندے کی طرح ہاتھ پر رہی تھی جو کسی بڑے
بچے سے اتفاقاً چھوٹ گیا ہو۔

”کیا بات ہے۔“ حمید اسے الگ ہٹانا ہوا بولا۔

”میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ میں اب تک تمہیں دھوکا دیتا ہوں۔ مجھے بچاؤ.... میں سب کچھ تادوں گی۔“

”آہم....!“ حمید نے ایک طویل سانس لی اور انھیں کھنثیوں کے بین دبانے والا
نوکروں کے کوارٹروں میں گلی ہوئی تھیں۔

”ٹھہر دو....!“ وہ گلوریا کی طرف مڑ کر بولا۔ ”میں ابھی سنا ہوں۔“

دو منٹ کے اندر رہی اندر سارے نوکر برآمدے میں اکٹھا ہو گئے۔ یہ تعداد میں آٹھ تھے۔
”جاو۔... تم لوگ رائقیں نکال لو اور کپاٹنٹ میں پہلی جاؤ۔ عقی پارک کا خاص طور
خیال رکھنا اور اگر کوئی کپاٹنٹ میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو بے در لمحہ گولی مار دیتا۔“

نوکروں نے پہلی بار فریدی کی کوشش میں اس قسم کا حکم سنائے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف
دیکھ کر پکلن جوچکانے لگے۔

”جاو.... جلدی کرو۔“

”آپ ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے۔“ فریدی کے مخصوص خادم شریف نے پوچھا
”میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔“ حمید نے سخت لمحہ میں کہا۔
”آٹھ رائقیں نکالو.... جاؤ۔“

وہ سب چلے گئے.... گلوریا دروازے میں کھڑی گھری گھری سانسیں لے رہی تھی۔ جب
کی طرف مڑا اور وہ پھر ڈرانگ روم میں چلے گئے۔

”ہاں اب بتاؤ۔“ حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

”کیا خطرہ ہے.... تم نے رائقیں....!“

چھوڑو.... یہ ہمارا دن رات کا کھیل ہے.... بہر حال اب تم جو کچھ بھی کہو گی میں اس پر
پہن کر دوں گا۔“

”پھر بتاں اسی بیکار ہے۔“
”تھہاری مرضی۔“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔

”ہذا کے لئے بچاؤ۔ میں قطعی نہاد نسگی میں سازش کا شکار ہوئی ہوں۔“

”اگر بھی کچھ بات تھی جو تم اب کہنے جا رہی ہو تو پہلے تادینے میں کیا حرج تھا۔“
”اوہ.... تم سمجھتے نہیں۔ پہلے مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میں بھی مار ڈالی جاؤں گی۔“
”میں اس وقت کوئی تمہارا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔“

”ہاں.... آر لکچو سے اٹھ کر میں سید ہی گھر گئی۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے میں پیدا
اپنی تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے۔ اُف کتنا
۔ آدمی تھا۔ ابھی تک اس کی شکل میرے ذہن پر مسلط ہے۔ اس کی آنکھوں میں درندگی
و ہجھی آدم خور معلوم ہوتا تھا۔ میں گھر آگئی اور میں نے کھڑکی سے جھاٹ کر دیکھا۔ وہ
زادروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری روح لرز گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گھر میں
نے کے لئے موقع کا منتظر ہو۔ پھر میں ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر دوسری طرف کے
سے تکلی اور تقریباً دوڑتی ہوئی ٹیکیوں کے اڈے پر پہنچ گئی۔ لیکن جب میں ایک ٹیکی
رہی تھی میں نے مز کر دیکھا اور میری جان نکل گئی کیونکہ وہ بھی ایک ٹیکی کے قریب کھڑا
ہا جانتی تھی کہ مجھے صرف تمہارے ہی پاس پناہ مل سکتی ہے۔ میں یہاں پہنچی اور چھانک
کی کوشش کر رہی تھی کہ کسی نے مجھ پر فائز کیا۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔“
”یا فائز اسی ٹیکی سے ہوا تھا جس پر تم آئی تھیں۔“

”میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ مجھے معلوم ہے نہ ہو سکا کہ فائز کس طرف سے ہوا تھا۔“

”بہر حال فائز ہوتے ہی وہ ٹیکی جل پڑی تھی جس پر تم آئی تھیں۔“

”تو سکتا ہے کہ فائز اسی ٹیکی سے ہوا ہو۔“

”یادہ آدمی اس وقت بھی تمہارے پیچھے تھا جب تم یہاں آری تھیں۔“

”گھر اخیال ہے کہ قہا۔ کیونکہ ایک دوسری ٹیکی تھوڑی ہی فاصلے سے برابر تعاقب کرتی
نہیں۔“

”تو دوسری ٹیکی یہاں تک آئی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

"مجھے ہوش نہیں..... میں یادداشت پر زور دینے کے باوجود بھی یہ نہیں بتا سکتی کہ وہاں تک آئی تھی یا نہیں۔"

"اچھا... اب پرانی کہانی کی طرف لوٹ آؤ۔"

گلوریا چند لمحے حید کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "مگر تم پہلے ہی کہہ چکے ہو کہ تمہیں پر یقین نہیں آئے گا۔"

"شروع ہو جاؤ۔ اب زیادہ یو تو فون بننے کی تاب نہیں ہے۔"

"خیر تم یقین کرو یا نہ کرو۔ میں اب کچھ نہیں چھپا دیں گی۔ جس دن نیرے فلیٹ کے ملاں والی عمارت میں تقریب تھی۔ ایک فنوگرافر میرے پاس آیا اور مجھ سے استدعا کی کہ میں ار

فلیٹ سے اسے تقریب کی دو ایک تصویریں لینے دوں۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک مقامی روزنما کا فنوگرافر ہے۔ ذیلی آبزور کا فنوگرافر۔ میرا اس میں کوئی نقصان نہیں تھا۔ میں نے اس اجازت دے دی۔ وہ تھوڑی دیر تک جگہ منتخب کر بیارا اور آخر کار اس نے اس کام کے لئے ٹر خانہ پسند کیا۔ اس کی ایک کھڑکی بالکل اس مقام کے سامنے تھی جہاں مہانوں کا استقبال کیا جاتا تھا۔ میں اسے ٹسل خانے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ دراصل میں اس دن اب تک پناول پڑھ رہی تھی اور اسے ختم کے بغیر رکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد میں۔

فائز کی آواز سنی تھی لیکن میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ پڑوس کے بیچے اکثر فلیٹ امریکہ پستوں سے کھیلتے رہتے تھے اور کئی تو اتنے شری رہتے کہ اکثر ہاتھ بڑھا کر میری بالکنی پر فائز کر رہتے تھے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ دھاکہ میرے کان کے قریب ہی ہوا ہو۔ میں۔

بھی کہ یہ کسی بیچے کی شرارت ہی ہوگی اور پھر میری آنکھیں اس وقت کھلیں جب پولیس والے فلیٹ میں ٹھس آئے۔ میں نے لامبی ظاہر کی اور یہ حقیقت ہے کہ مجھے اس وقت تک ان کا نہیں ہوا جب تک ٹسل خانے سے خالی کار توں نہیں برآمد ہوا۔ فنوگرافر جاپا کھاتا تھا۔ میں۔

جلدی میں ایک فیصلہ کیا یہی کہ میں اس سے لامبی ہی ظاہر کرتی رہوں ورنہ مجھے اس فنوگراف پریا کرنا پڑے گا۔ میں نے پولیس کو بیان دیا کہ میں سورہی تھی۔ اگر کوئی اس دوران میں فلیٹ پس میں نہیں جانتی کیونکہ میں سونے سے قبل فلیٹ کا دروازہ بند کرنا بھول گئی تم

گھس آیا ہو تو میں نہیں جانتی کیونکہ میں اپنے چھپلے بیان سے ایک اچھے بھی نہیں ہوں گے پولیس مجھے ہر ہر طرح سے ہلاک جلاں رہی مگر میں اپنے چھپلے بیان سے ایک اچھے بھی نہیں ہوں گے پھر تم اسلام بن کر آئے۔ میں تمہیں بہت دنوں سے جانتی تھی اور مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا جملہ کر کر فریڈی پر ہوا ہے۔ تم اسلام کے روپ میں آئے تو میں سمجھ گئی کہ اب مجھے مجھے میں۔

ے گا۔ میں نے سوچا کہ اگر تم پر یہ ظاہر کئے دیتی ہوں کہ تم کیپٹن حید ہو تو یہ تمہارے شہزادے تھے۔ میں تم دینے کے لئے کافی ہو گا۔ میں خاموش رہی۔ لیکن تم نے کل رات اسے دوسرے بیچے اگلوالی۔ میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کے میں تمہیں پہلے سے جانتی ہوں۔ میں لب پت قریب سے دیکھتی رہی ہوں۔ تمہاری دوستی کی خواہش مند تھی مگر تم عموماً اونچے طبقے پر توں میں اٹھتے بیٹھتے تھے، میں ایک غریب لڑکی تھی اس نے کبھی بہت نہیں کر سکی، جو کچھ بہاٹا کہہ۔ چکلی۔ جو برتاؤ چاہو کرو۔ میں تمہارے ہاتھوں مر نے کے لئے بھی تیار ہوں۔"

جیسا کہ خاموشی سے دیکھتا رہا۔ جب وہ اپنی داستان ختم کر چکی تو اس نے کہا۔ "اب میں اس کا انحضر ہوں، جو تم مجھے کل بتاؤ گی۔"

"تمہاری مر غنی۔" گلوریا یاپو سانہ انہا میں بوی اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"مگر میں تمہاری اس داستان پر یقین کر لوں تو ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔"

"وہ کیا...؟!" گلوریا آنکھیں کھول کر بے دلی سے بوی۔

"مکار توں... را انقل کا تھا.... اور را انقل ایسی چیز نہیں ہے کوئی فنوگرافر اپنے کیسرے پہنچا سکے۔"

"ہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔" گلوریا سر بلاؤ کر بولی۔ "اس کے پاس ایک کیسرے کے علاوہ اور میں نہیں تھا۔ مگر میں تو اپنے کمرے میں تھی۔ ہو سکتا ہے باہر کوئی دوسرا آدمی بھی رہا ہو۔ مگر ہمیں ہوں کہ آخر وہ کار توں ٹسل خانے میں کیوں پھینک دیا گیا۔ کیا را انقل سے خالی کار توں لے بغیر وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔"

"کب خود تم نے ہی ایک دوسرا سوال بھی پیدا کر دیا۔" حید مسکرا کر بولا۔

"مگر تم خود بوجو! آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا کوئی آدمی جان بوجھ کر مجھے پولیس کے لئے پھنسانا چاہتا ہے۔"

"کیا تم کسی اہم شخصیت کی مالک ہو۔"

"میری شخصیت کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔"

"مگر کوئی تمہیں پھنسانا کیوں چاہے گا۔ کیا تمہارے جیل جانے سے کسی کو فائدہ پہنچ سکتا۔ کیا اسی ہی عورت کا نام لو جو تمہاری رقبہ ہو۔"

"میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتی.... مگر پھر کار توں....!"

"کار توں... جلدی میں رہ گیا۔ فائز کرنے والا اسے چھپا کر ہی فلیٹ میں لا بیا ہو گا۔ چھپا کر

یہ تریب قریب پہلی ہی انگھوں کے برابر ہوں گی۔“
جید کچھ نہ بولا۔۔۔ وہ۔۔۔ خالی۔۔۔ خالی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔



لیڈی پر کاش اپنی کوشی کے برآمدے میں ٹھہر رہی تھی۔ رات کے دونوں پچھے تھے، لیکن ن کی آنکھوں میں نیند کا کوسوں پتھر نہیں تھا۔ وہ بار بار پائیں باغ میں پھیلے ہوئے اندر ہیرے میں نہیں گاڑ دیتی تھی۔ سر پر کاش اس وقت کو شی میں موجود نہیں تھے، ورنہ وہ بھی اُسی کے ساتھ ہلے ہوئے نظر آتے۔ وہ اسے بے حد چاہتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اس سے دو گنی عمر کے تھے باہم اس سے بھی زیادہ۔ لیڈی پر کاش زیادہ سے زیادہ بچپن سال کی رہی ہو گی۔ لیکن قدرت کی بانی کا ایک بہترین نمونہ۔ وہ مرمر سے تراشناہو ایک سبک سماجم سہ معلوم ہوتی تھی۔
اس نے خبر سال ایجنٹس کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ تو دائر کر دیا تھا لیکن نہ جانے والیں انہل کی وہی خبر اس کے ذہن میں انتشار پایا کئے ہوئے تھے۔

وہ برآمدے سے پھر اندر لوٹ گئی۔ فون کی تھنھی تھنھی رج رہی تھی۔ اس نے رسیور اٹھایا۔

”بیوو...!“

”کون بول رہا ہے۔“

”لیڈی پر کاش...!“

”آج تم نے اخبار میں خبر دیکھی۔ ذرا سوچتا تو وہ آدمی کتنا چالاک ہے، جو تمہارے متعلق تھی معلومات رکھتا ہے، ایک بار تم وی۔ آنامیں بھی اس سے دوچار ہو چکی ہو۔ وہ ساری معلومات لیے ہی انوکھے انداز میں کسی اخبار کی زینت بھی بن سکتی ہیں اور تصویریں تو ایسے موقع پر منت قریم کی جاتی ہیں۔ اچھا شب تھیر۔“ دوسری طرف سے سلمہ منقطع کر دیا گیا۔ اور لیڈی پر کاش بتوالیں ہو کر ایک کرسی میں گر گئی۔

ادھوری نظم اور گھونسہ

جید گلوریا کو گھوور رہا تھا۔

”اور اگر تمہارے بتائے ہوئے پتہ پروہ آدمی نہ ملا تو۔“ اس نے کہا۔
”اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ظاہر ہے کہ کرٹل جیسے آدمیوں پر حملہ کرنے کے

ہی واپس لے گیا ہو گا۔ چھاپ کر لے جانے کے لئے اُسے نال اور کندے کو الگ کرنا پڑا ہوا گا لہذا کار توں کا گرنا ضروری ہے۔“

”اوہ....!“

”لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ تمہیں مارڈا لئے پر کیوں تسلی گئے ہیں۔“

”میں کیا بتا سکتی ہوں۔“

”تم اُن سے واقف نہیں ہو۔“

”قطیعی نہیں۔“

”پھر مارڈا لئے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

”اوہ ذہرِ ایں نے اس قسم کے بیتیری داستانیں پڑھی ہیں۔ وہ ایسے آدمیوں کو مارڈا لئے ہیں جو ان کے ایک آدمی کا بھی صورت آشنا ہو۔“

”یعنی....!“

”ظاہر ہے کہ میں اس فونوگرافر کو دوبارہ دیکھتے ہی پہچان لوں گی۔“

”تم نے ڈیلی آبزور کے دفتر کے چکر ضرور لگائے ہوں گے۔“ جید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولتا۔

”قدرتی بات ہے.... میں اپنی گردن ضرور چھڑانا چاہوں گی۔“

”لیکن وہ بہاں نہیں ملا۔“

”ملا..... لیکن وہ فونوگرافر نہیں ہے۔“

”وہ فونوگرافر نہیں ہے۔“

”تو تم نے اُسے تلاش کر لیا ہے۔“

”میں نے اُسے تلاش کر لیا ہے اور شائد اسی لئے.... اب وہ مجھے ختم کر دینا چاہئے ہیں۔“

”وہ کون ہے۔“

”میں نہیں جانتی۔ لیکن اس کے نہ کانے سے واقف ہوں۔ اب اس کے چہرے پر موچھیں ہیں۔“

”بہت چالاک معلوم ہوتی ہو۔“ جید پھر اسے میکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔

”نہیں اس کی سب سے بڑی پہچان اس کی انگلیاں تھیں۔ میں نے اسکی انگلیاں سمجھی ہیں۔ دیکھیں۔ تیچ کی انگلی کے علاوہ اور ساری انگلیاں ایک جیسی لمبا رکھتی ہیں۔ حتیٰ کہ چھوٹی انگلیاں

”آپ اندر کس طرح آئے۔“

”پیروں سے چل کر..... تم میری بات کا جواب دو۔“ فریدی خنک لہجے میں بولا۔

حمدیہ چند لمحے اُسے گھورتا ہا پھر گلوریا کی بیان کی ہوئی داستان دہرا دی۔

حمدیہ کے خاموش ہو جانے کے بعد بھی فریدی پکھنہ بولا۔

”اب آپ فرمائیے کہ یہ سب کیا تھا۔ آپ ہمیشہ مجھے تاریکی میں رکھ کر ذلیل کرتے ہیں۔“

”آنکہ اُجھے میں ذلیل کروں گا مطمئن رہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”وی! آئی۔ جی آپ سے باہر ہی۔ ریکارڈ روم سے لیونارڈ کا بیک غائب ہو گیا ہے۔“

”کیس بیک....!“ فریدی نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں کیس بیک.... اسی بنا پر ذی۔ آئی۔ جی نے لیونارڈ کی واپسی کے متعلق سوچا ہے اور

ج کے اخبارات میں لیڈی پرکاش کے متعلق ایک خط شائع ہوا ہے۔“

”ہاں میں نے بھی دیکھا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ لیونارڈ ہماری سرزین پر قدم رکھ چکا ہے اور

تھا ہے کہ مجھ پر وہ حملہ اسی کی طرف سے ہوا ہو۔“

”میں بچھلی رات کے حملے کے متعلق جانتا چاہوں گا۔“

”بچھلی رات بھی حملہ ہوا تھا لیکن والر خالی گیا اور وہ میری گرفت میں آنے کے بعد بھی نکل گیا۔“

”لیکن سیٹ پر خون کیسا تھا۔ آپ تو مجھے زخمی بھی نہیں نظر آتے۔“

”مجھے پڑھنے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حملہ آور ہی زخمی ہو گیا ہو۔ میں نے اس کی گردان پکڑی تھی۔“

”کیا خیال ہے۔ کیا لیونارڈ بذاتِ خود حملے کر رہا ہے۔“

”نہیں.... اسکے آدمی۔ وہ تصرف اسکی میں بناتا ہے۔ اس قسم کے کام خود نہیں کرتا۔“

”تجھ بھے کہ اس نے اتنی جلدی یہاں آدمی بھی مہیا کر لئے۔“

”اس کے آدمی یہاں تھے کب نہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے آدمی ہمیشہ موجود ہیں۔ یہاں آکر اس نے دوبارہ انہیں منتظم کر لیا۔“

”کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر حمید نے کہا۔ ”گلوریا کے بیان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“

”یہ بیان درست معلوم ہوتا ہے۔“

”کیوں؟ کس طرح یقین کر لیا آپ نے.... اس سے پہلے بھی تو مختلف قسم کے بیانات....“

”بالآخر میں نے بچھلی رات کی باتیں تو آپ کو بتائی ہی نہیں۔ وہ اسلام کی حیثیت میں بھی میری

شے واقع تھی۔“

لئے گرہ چاہئے۔ مجرم یقیناً انہیں دلیر اور چالاک ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اسے اس بات کا علم ہو۔ میں اس کے ٹھکانے سے واقع ہو گئی ہوں۔ نہیں مجھے یقین کے ساتھ کہنا چاہئے کہ اسے اس علم ہے، ورنہ مجھ پر حملہ کیوں ہوتا۔“

”تم پر حملہ....!“ حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”نہیں تم تو مطمئن نہیں کر سکتیں۔ تم نے اس درمیان میں کئی رنگ بدلتے ہیں۔ میں کس طرح یقین کر لو۔“ ہو سکتا ہے کہ یہ حملہ بھی کسی سازش کا نتیجہ ہو۔ اس طرح مجرم تمہیں ہم سے قریب رکھنا چاہے ہوں... نہیں! تمہیں میری صحیح قید میں رہنا ہو گا۔“

”صحیح قید سے کیا مراد ہے۔“

”یہی کہ جب تک ہم اصل مجرم کون پکڑ لیں، تم بینیں اسی عمارت میں زہو گی۔“

”اور تم اسے قید کہتے ہو۔“ گلوریا مسکرا کر بولی۔ ”تم اگر دھکے دے کر نکالو تب بھی یہاں نہیں جاؤں گی۔“

حمدیہ پکھنہ بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اتنے میں ایک نوکر کر میں داخل ہوا۔ اس کے کاندھ سے نے رانفل لٹکی ہوئی تھی۔

”صاحب ہمیں کتنی دیر تک اسی طرح رہتا ہے۔“

”ساری رات۔ بھاگ جاؤ۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”مگر کر قتل صاحب تو کہہ رہے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں۔“

”کر قتل صاحب۔“ حمید اچھل پڑا۔

”جی ہاں۔“

”وہ کہاں ہیں۔“

”اپنے کمرے میں۔“

حمدیہ گلوریا کو ڈرائیور کر تھریا دوڑتا ہوا فریدی کے کمرے تک آیا۔ وہ بیان درست تھا۔ فریدی شب خوابی کے لباس میں تھا وہ غالباً سونے کی تیاری کر رہا تھا۔

”کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔“ فریدی اسے دیکھ کر بڑھ رہا۔

”ہنگامہ....!“ حمید اپنا اورپی ہوتا بھیخ کر بولا۔ شانک وہ کچھ اور بھی کہنے جا رہا تھا۔ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

”اب وہ کیا کہتی ہے۔“

نمبر 15

اب تک کئی کالیں ریسیور کر پچھی تھی لیکن پھر بھی ہر کال پر اس کا دل لرزاتھا۔
”بیلو...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”لیڈی پر کاش...!“

”جی ہاں... آپ کون ہیں؟“

جواب میں ہلاکا ساق تھہ سانی دیا پھر آواز آئی۔ ”دریائے نیز کی مچھلیوں میں سے ایک۔“
”ویکھے... میری درخواست سننے۔“ لیڈی پر کاش نے کپکاپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں
دست اتنی بڑی رقم کا انتظام نہیں کر سکتی... رام بیجھ۔“

”سر پر کاش ارب پتی ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ٹھیک ہے! لیکن میں انہیں کیا بتاؤں گی۔ کیا بہانہ کروں گی۔ تم لاکھ بہت ہوتے ہیں۔“
”کوشش کرو... ورنہ انجام تم جانتی ہو۔“

”میں سب کچھ جانتی ہوں۔ اچھانی الحال مجھے معاف بیجھ۔ میرے یہاں مہمان ہیں۔ میں
جو بدول گی۔ وہ انجام میں پسند نہیں کروں گی جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔“
”اچھا... لیکن بہت جلد۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔“ لیڈی پر کاش ریسیور کھ کر کچھ
وہیں کھڑی رہی پھر لاکھڑاتے ہوئے قدموں سے باہر چلی گئی۔



حید فون کار ریسیور کھ کر ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑا۔ وہ اس وقت محکمہ سراج رسانی کے
شیخ روم میں تھے اور حید نے تینیں سے لیڈی پر کاش سے فون پر گفتگو کی تھی اور ساتھ ہی
خوان کی گفتگو ریکارڈ بھی ہوتی تھی۔

پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر آپ شرمنے ریکارڈ تیار کر کے گراموفون پر رکھ دیا۔
ذکر آئی۔ جی نے ریکارڈ سن کر تحسین آمیز نظروں سے حید کی طرف دیکھا۔

”فریدی نے تمہیں بہت اچھی ترینگ دی ہے۔“

حید کوئی جواب دینے کے بجائے شرمنے انداز میں مسکرا تراہ۔
”اچھا! میرے آفس میں آؤ۔“

اُس میں پہنچ کر ڈی۔ آئی۔ جی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور جب وہ خود پہنچ گیا تو
دنے بھلی اُس کی تقید کی۔

اُس گفتگو سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے بھلی کوئی اس کے متعلق اُس سے گفتگو کر چکا ہے۔“

حید نے وہ واقعہ بھی دہرا دیا۔
”ٹھیک ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن یہ بیان جو اس نے اس وقت دیا ہے اُس
درست معلوم ہوتا ہے۔“

”میں یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔“ حید نے متکران انداز اختیار کرتے ہو
کہا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ حملہ بھی ایک ڈرامہ ہو۔“

”ڈرامہ تو تھا ہی...!“

”پھر بھی آپ...!“

”ہاں! لیکن اس ڈرامے میں ولین کارول میں او اکر رہا تھا اور جس وقت تم اُسے چالاک
اٹھا کر اندر لارہے تھے، میں بھی خاموشی سے اندر چلا آیا تھا۔“

فریدی خاموش ہو کر مسکرانے لگا۔ ”یہ حال ہے تمہارے۔ اگر حقیقتاً حملہ آور میرے علاوہ
اور ہوتا تو تمہارے یہ انتظامات رکھ رہے جاتے۔“

”لیکن مجھے ڈی۔ آئی۔ جی کی جھٹر کیا۔ مخفی پڑی ہیں... اس کا ذمہ دار کون ہے۔“
چھبھلا کر بولا۔

”پرواہ مت کرو...!“

”اگر بال بچے دار ہوتا تو واقعی پرواہ نہ کرتا۔... سمجھے آپ...?“

”میں سب کچھ سمجھ گیا۔ لڑکی کوئی الحال نہیں رکھو... لیکن...!“

”خبردار... خبردار...!“ حید نے فریدی کا جملہ پورا کرنے کے لئے بکا شروع کر
اُسے اپنی بہن سمجھنا اور غیرہ وغیرہ...!“

”بکواس مت کرو... جو کچھ میں کہوں اس پر عمل کرو۔“ فریدی نے کہا اور اٹھ کر
بند کر دیا۔

کمرے میں کافی دیر تک ہلکی ہلکی سر گوشیاں گوئیں۔



دوسرے دن لیڈی پر کاش کی سالگرد تھی۔ پوربی کوٹھی میں مہمان بھرے ہوئے۔
اچاک ایک ملازم نے اسے اطلاع دی کہ فون پر اسے کوئی باراہا ہے۔

چھپلی رات کا فون اب بھی اس کے ذہن پر مسلط تھا۔ اس لئے کاپ کر رہی۔ حالت

”جی ہاں بھی معلوم ہوتا ہے۔“

”تب تو ہم اسے آسانی سے پکڑ سکیں گے۔“

حید نے وجہ نہیں پوچھی۔ ذی۔ آئی۔ جی نے خود کہا۔ ”لیڈی پر کاش کے فون سے ایک دو فون کلکٹ کرالیا جائے اور ایک آدمی ہر وقت اسے اٹھ کرے۔ جب کوئی بھی اس قسم کی کال لیں پر کاش کے پاس آئے ہم فوراً ہمیں اگوازی سے دریافت کر لیں کہ وہ کال کہاں سے آئی تھی۔“

حید فوراً ہمیں پوچھنے لگا۔

”کیوں...؟“ ذی۔ آئی۔ جی نے اس سے رائے طلب کی۔

”مگر دشواری یہ ہے جناب والا...!“ حید خاموش ہو کر پچھے سوچنے لگا۔

”ہاں ہاں! کہو کیا دشواری ہے۔“

”اگر اگوازی نے کسی پلک کال بو تھا کا حوالہ دیا تو۔“

”ہوں...!“ ذی۔ آئی۔ جی بھی پچھے سوچنے لگا۔

”لیونارڈ ایسا خطرہ بھی نہ مولے گا۔ اس قسم کے کاموں کے لئے پلک کال بو تھا ہی فون کراتا ہو گا۔“

”ٹھیک کہتے ہوں۔“ ذی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن پھر تم نے اپنی اور اُس کی عکتوں کو ریکارڈ کرائی ہے۔“

”دیکھنے مجرموں تک ہم صرف لیڈی پر کاش ہی کے ذریعہ پہنچ سکیں گے لیکن اگر میں جا کر اُس سے پچھے پوچھتا چاہوں تو وہ قطعی لا علمی ظاہر کرے گی اور اس خیال کا مٹھکہ ازاد کہ کوئی اُسے بلیک میں کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ ریکارڈ بہر حال اُسے راوراست پر لے آئے گا۔“

”ٹھیک ہے.... اچھا... اب فریدی کے متعلق پچھہ بتاؤ۔“

”بھج میں نہیں آتا کہ ان کے متعلق کیا عرض کروں۔ مجھے ابھی تک ان کی طرف کوئی پیغام نہیں ملا اور نہ میں یہی جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں، لیکن میراد عویٰ ہے کہ وہ جہاں ہوں گے محفوظ ہی ہوں گے۔“

”مگر اب اُس کے اس طریقہ کار سے میں بھی عاجز آگیا ہوں۔ ہر موقع پر اس قسم کا غیر دارانہ رویہ درست نہیں معلوم ہوتا۔“

”حضور والا! گستاخی ضرور ہے، مگر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اپنی زندگی کی حفاظت کے سلسلے میں اکثر غیر قانونی طریقے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اس وقت فریدی صاد

لی اور موت کا سوال ہے۔ لیونارڈ یا جو کوئی بھی ہوا نہیں ہر قیمت پر ختم کر دینے پر تسلی گیا ہے۔
خود غور فرمائیے۔ ایسی صورت میں۔“

ذی۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کے چہرے پر کمیڈی گی کے آثار تھے۔
کچھ دیر تک خاموش رہی۔ پھر ذی۔ آئی۔ جی برا کی جنبش سے اُسے جانے کا اشارہ کرتا ہوا
پھیلے ہوئے کافی نہادت کی طرف متوجہ ہو گیا۔



حید ان کاموں میں سے ایک کو پایا۔ سمجھیں تک پہنچا کتا۔ جو اُسے پچھلی رات فریدی نے
تھے۔ لیکن ابھی دو اور باقی تھے جن میں سے ایک قطعی بے سر و پا اور کسی ایسے داغ سے
معلوم ہوتا تھا جس میں فتور ہو۔

پچھلی رات اُسے موقع تھی کہ آج صبح فریدی سے ناشتے کی میز پر ضرور ملاقات ہو گی لیکن وہ
درہرے ہی پھر کہیں چلا گیا تھا۔ اس نے حید کے لئے ایک تحریر اس غرض سے چھوڑی تھی
سے متعلق کسی کو کچھ نہ بتایا جائے۔ اس نے یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ پھر کب اور کہاں ملے گا۔
حید ٹھیک چار بجے گھر سے روانہ ہو گیا، جو کام اب اُسے کرنا تھا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے
تھا اور اس کا مقصد کم از کم اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

بہر حال کام تو اسے کرنا ہی تھا اور خود اس کا انجام تقدیر کے رحم و کرم پر تھا۔ کام ایسا ہی تھا
نہ صوص مکان کی کھڑکی کے نیچے کھڑے ہو کر گنگنا اور پھر نظم بھی ایسی جس میں گھر کی
سے زیادہ خوبصورت لڑکی کو خاطب کیا گیا ہو۔ انجام ظاہر ہے۔ لیکن وہ مطمئن تھا کہ انجام
ری ذمہ داری فریدی کے سر ہو گی۔ لاکھ پوچھنے پر بھی فریدی نے اس حرکت کا مقصد نہیں
لے۔

لکان ایسے حصے میں تھا جہاں زیادہ تر غیر ملکی آباد تھے۔ نظم اگر بیزی میں تھی۔ اس سے حید
نمزاہ کر لیا تھا کہ کہیں یور و پین ہی ہوں گے۔

بہ حرکت اسے میک اپ میں کرنی تھی، لہذا اس کی طرف سے تو اطمینان تھا کہ کسی قسم کا
ہونے پر دوسرے دن کے اخبارات یہ نہ لکھے گے کہ محکمہ سراج رسانی کا ایک آفیسر
لکھن غذہ گردی کرتا ہوا پکڑا گیا ہے۔

کھڑکی کھلی ہوئی تھی.... اور کمرے میں لکھتے ہوئے سے قہقہے گونج رہے تھے۔ اکثر سریلی

اور پھر اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلے کیونکہ قرب و جوار بیکوں سے لوگوں نے باہر نکلا شروع کر دیا تھا۔ اُسے کچھ اچھی طرح یاد نہیں تھا کہ وہاں سے پریور رکھ کر بھاگا تھا یا یہ پر سر رکھ کر۔

لفاف

جید دو دن تک اپنی چوٹیں سہلا تارہا۔ تیرا کام اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا اور جید نے اب تک انجام نہیں دیا تھا۔ وہ فریدی کا منتظر تھا۔ لیکن اس دلتے کے بعد سے اب تک اس ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

اور لوٹاڑ... لوتاڑ کو تو وہ جہنم میں جھوک پکا تھا۔ اگر آفس میں کبھی اس کے نام کی صدا نہیں پڑتی تو جید ایسا بُر امنہ بتاتا جیسے کہی نے اُسے گالی دی ہو۔ فریدی کے متعلق پوچھ گئے کرنے والوں کو اول تو وہ کوئی جواب ہی نہیں دیتا تھا، لیکن اگر ہمایاہ پریشان کرتا تو اس کا جواب ہوتا۔ ”جہنم میں۔“

افسروں سے صرف لا علمی ظاہر کر دیتا۔

تیرا کام... وہ اب اس کے متعلق سوچنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اُسے اب اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ فریدی نے اُسے مزدور نز کے بیہاں کیوں بھیجا تھا؟ کام مقصود کیا تھا؟

وہ تو اب مزدور نز اور اس کی تیوں لڑکوں سے نپٹا چاہتا تھا۔ اس نے اس کے متعلق ان دونیں کافی معلومات بھی پہنچائی تھیں۔

آج اس نے تمیہ کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس انگریز سے تو ضرور ہی بھڑے گا جس نے ماپر حملہ کیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ مزدور نز کا کوئی پڑو سی ہی ہو گا اور اس کا پتہ مزدور نز ہی ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ بحیثیت کیپٹن جید مزدور نز کے بیہاں جادھکا۔ مزدور نز اس کا وزینگ کارڈ لیکھ کر بوکھلا گئی۔

”میں ایک روپرٹ کے سلسلے میں قیش کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔“

”لیکن روپرٹ کیپٹن...! وہ ٹھہریے... اس موسم میں آپ چائے پینا تو ضرور پسند بلکہ۔“ مزدور نز نے کہا۔

تم کی چیزیں بھی سنائی دیتی تھیں۔

جید ٹھیک کھڑکی کے سامنے پہنچ گیا۔ اندر تین انگریز لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک ہاتھ میں ربر کا ایک چھوٹا سا غبارہ تھا اور شاید بقیہ دو میں سے کسی ایک پر وہ غبارہ پہنچا رہا تھا۔ دونوں نے خود کو پہچانے کے لئے خاصی دھاچو کڑی مچا رکھی تھی۔

جید نے ادھر ادھر دیکھاں قریب و دور ہر طرف سنا تھا۔ اس نے نظم شروع کر دی۔

”یہ کھڑکی.... میری امیدوں کا مرکز ہے۔“

لڑکیاں چونکہ کرک گئیں۔ وہ آنکھیں چھاڑے اُسے گھور رہی تھیں۔

جید ہو لے ہو لے رہی ہوئی نظم دہرا تارہا۔

”میں اس گھر کی سب سے حسین لڑکی کو مخاطب کر رہا ہوں۔“

یہ کھڑکی کل بھی کھلی ہوئی تھی۔

لیکن آج اس کے گرد بہاریں لہر اڑا ہیں۔

روز صح سورج کی پہلی کرن اس سے گذر کر کسی کے گال چوتھی ہے۔

میں اس لڑکی سے مخاطب ہوں۔“

غبارہ جید کے چہرے سے ٹکرنا کہنا اور اس میں بھرے ہوئے رنگین پانی کی کافی مقدار کے حلقوں کے نیچے اتر گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ اپنا سینہ دبائے ہوئے بُری طرح تھوڑا کر رہا تھا۔

پھر جید کے سنبھلے سے پہلے ہی طوفان اس کے سر پر پہنچ گیا۔ ایک سیم شیم اور معمر اُس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہوئی گالیاں اڑا رہی تھیں۔

”حرابی... کتے... لڑکیوں کو چھیڑتا ہے... جانتا ہے میں مزدور نز ہوں۔“

وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر جید پر چھپی اور جید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

”کیا بات ہے۔“ کسی نے قریب ہی سے کہا۔ جید بوکھلا ہٹ میں اس کی صرف ایک جھلک دیکھ سکا۔ وہ بھی کوئی انگریز ہی تھا۔

”لڑکوں کو پریشان کرتا ہے۔“ مزدور نز ہاڑ کر بولی۔

جید نے اچھل کر بھاگنا چاہا۔ لیکن انگریز کا گھونسہ اس سے پہلے ہی اس کے جڑے تھا۔ وہ کئی فٹ دور جا پڑا۔

”نہیں شکریہ۔“ حید نے خشک لبجھ میں کہا۔ ”رپورٹ تمہارے خلاف لکھوائی گئی ہے،“
”میرے خلاف... نہیں۔“ اُس نے حیرت سے کہا۔
”دو دن قبل تم نے ایک آدمی مسٹر خان کو اپنی لڑکیوں کی مدد سے نہ صرف لوٹ لایا
اے زد کوب بھی کیا تھا۔ مسٹر خان نے رپورٹ میں لکھوایا ہے کہ تمہاری لڑکی اُسے پہنچ
یہاں لائی اور تم نے اس کی جیب سے ڈیڑھ ہزار روپے نکوالے پھر دو تین مردوں نے ان
اُسے خوب پیٹا۔“

”اوہ... تو اس حرمازادے نے یہ لکھوایا ہے۔“ مسز وارنز نے کہا اور لفظ حرمازادے پر
کاغذ کھونے لگا۔

”ذر اٹھیریے۔“ مسز وارنز یوں۔ ”میں مسٹر بارن کو بلااتی ہوں۔“

وہ سہیں موجود تھے اور میں اُن کے سامنے ہی آپ سے اس مسئلے پر گفتگو کروں گی۔“

”شووق سے بلااؤ۔“ حید نے کہا اور اس کی نظر پچاکر اس کی ایک لڑکی کو آنکھ مار دی دئی
لڑکیاں بھی کمرے میں موجود تھیں جسے آنکھ مارنی گئی تھی اس نے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔
”تم لوگ میری واپسی تک اس مسئلے پر گفتگو نہیں کر دوگی۔“ اس نے اپنی لڑکیوں کی طر
د دیکھ کر کہا اور باہر چل گئی۔

لڑکیاں حید کی طرف دیکھ کر آپس میں اشارے کرتیں اور ہنسنے لگتیں۔

”کیا مجھ میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جسے دیکھ کر بھی آسکے۔“

لڑکیاں اور زور سے ہنسنے لگیں۔ یہ سب جوان تھیں اور ان کے متعلق یہ اندازہ کر لیا۔
تحاکر ان میں سے کون چھوٹی ہے لور کون بڑی۔ ایک جسے حید نے آنکھ ماری تھی وہ اس
آنکھیں نہیں ملا رہی تھی اور کچھ وہی دبی سی بھی نظر آنے لگی تھی۔ حید نے سوچا کہ یہاں
معقول رہے گی۔ ورنہ یہ لڑکیاں بہت رہیں گی اور وہ خواہ خود کو یہ تو قوف محسوس کرتا رہے
اس نے باری باری سے بقیہ دو کو بھی آنکھ مار کر سختا کر دیا اور پھر حید آنکھ مارنے کے نفیال
منظور پر غور کرنے لگا۔

توہڑی دیر کے بعد مسز وارن ایک انگریز کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور حید نے
انگریز کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔
”یہ وہی تھا جس نے اس کے جڑے پر گھونسہ مارا تھا۔ حید نے نیچے سے اوپر تک اس کا
لیا اور اس کا یہ اندازہ کافی تحقیر آمیز تھا۔ غالباً انگریز نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔“

”اب پوچھئے... مسٹر بارن سے۔“ مسز وارن بولی۔

”میں تم سے پوچھتا ہوں اگر یہ تمہارے گواہ ہیں تو ان کی ضرورت عدالت میں پیش آئے گی۔“

”لیکن میں کم از کم حقیقت تو ظاہر ہی کر سکوں گا۔“ مسٹر بارن مسکرا کر بولا۔

”میں اُسی سے گفتگو کروں گا جس کے خلاف رپورٹ لکھوائی گئی ہے۔“

”رپورٹ کس نے لکھوائی ہے۔“ بارن نے پوچھا۔

”کسی مسٹر خان نے...!“ مسز وارن نے جواب دیا۔

”فون ہے تمہارے یہاں۔“ بارن نے مسز وارن سے پوچھا۔ حید نے اس کی آنکھوں میں

ب شیطانی چک دیکھی۔

”نہیں....!“

”اچھا تو میں پولیس اسٹیشن سے معلوم کرتا ہوں۔“ بارن نے کہا اور باہر چلا گیا۔

حید کا چہرہ ایک بار پھر فتح ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ کوتالی میں اس قسم کی کوئی رپورٹ درج

بیں کرائی گئی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ وہ یونی مسز وارن کو رعب میں لے لے گا، ورنہ اس نے

توال کے انچارج اسپکٹر جگدیش کو پہلے ہی سمجھادیا ہوتا۔

اس نے بے چینی سے کری پر پہلو بدل لیا۔ فی الحال پھر فرار ہی پر قرار کرنے کے علاوہ اور کوئی
رہ نہیں رہ گیا تھا۔

”اچھا مسز وارن...!“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”بہتر طریقہ تھی ہو گا کہ میں ایک سڑا سا کا نشیل
تیکر تھیں کو توالی میں طلب کروں۔ پھر میں دیکھوں گا تمہارے جماعتیوں کو۔“

مسز وارن اُسے روکتی ہی رہیں گے وہ بڑی تیزی سے باہر نکلا اور کار میں بیٹھ گیا۔



بارن والپس آیا تو اس نے حید کو کمرے میں نہیں دیکھا۔ مسز وارن بہت زیادہ متکبر نظر آرہی تھی۔

”کہاں گیا؟“ بارن نے پوچھا۔

”وہ ہمکی دے کر گیا ہے کہ میں تھیں کو توالی میں طلب کروں گا۔“

بارن نے ہلاکسا قہقہہ لگایا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ مسز وارن کی لڑکیاں کمرے سے
بچھی تھیں۔

”تم بالکل یہ تو قوف ہو ایما۔“ بارن آہستہ سے بولا۔

”ہاں ایماہہ براخوش قست ہے، لیکن میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”لیکن اس کا استئنٹ یہاں کے چکر کیوں لگا رہا ہے۔ اب میں سمجھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس دن

اکا کوئی آدمی رہا ہو۔“

”اوہ... ایما... وہ خود حمید ہی تھا۔“

”ارے....!“

”ہاں.... وہ لوگ جانتے ہیں کہ تم میری ایجنت ہو۔ اس نے وہ تمہارے ذریعہ مجھ تک

لی کو شش کر رہا ہے۔ لیکن باتِ توجہ ہے کہ تم حمید کے ذریعہ فریدی تک جا پہنچو۔“

”یہ کس طرح ممکن ہے جتاب۔“

”بہت آسانی سے تمہاری لڑکیاں اُس سے سب کچھ پوچھ لیں گی۔“

”نہیں جتاب! میں اپنی لڑکیوں کو خراب کرنا پسند نہیں کروں گی۔“

”ایما! یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو۔ کیا یہ تمہاری لڑکیاں ہیں۔ تم ایک دن ان سے جو کام لینے

دیں اس سے بھی واقف ہوں۔ کیا یہ تم مخفیتیم لڑکیاں نہیں ہیں جنہیں تم نے اندن

یک تیم خانے سے حاصل کر کے پالا ہے۔ کیا یہاں کے درجنوں امیرزادے ان کے چکر میں

ہیں۔ کیا تم ان سے مستقبل کے وحدوں پر بڑی بڑی رقمیں نہیں وصول کرتیں۔ کیا؟ یہ اور

ہے ایما کہ ابھی تم نے ان سے پیشہ کرانا نہیں شروع کیا۔“

”میں معافی چاہتی ہوں جتاب۔“ ممزوارز گزگز کر بولی۔ ”مگر فریدی کیا جانے کر میں

کے لئے کام کرتی رہتی ہوں۔“

”اہا... تم اب تک ایک بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہی ہو۔ فریدی میرتے ایک ایک ایجنت

واقف تھا اور ہے لیکن وہ تم لوگوں کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مہیا کر سکا اور وہ کر سکتا ہے۔

لے اپناب سے بڑا کارنامہ تصور کرتا ہوں کہ میرا کوئی ایجنت سمجھی قانون کی گرفت میں

اُنکلاد۔“

”مجھے اس کا تجربہ ہے جتاب۔“

”مجھے فریدی کا مردہ جسم چاہئے ایما اور میں اسے ہر قیمت پر حاصل کر کے رہوں گا۔ اگر آج

تمہاری لڑکیاں میرے کام آگئیں تو تم سال بھر کے اندر ہی اندر کروڑ پتی کھلاوے گی۔“

”میں اپنائی کو شش کروں گی جتاب۔“

”ٹھکریہ ایما۔“

مزوارز کے چہرے پر پہلے تھیرت کے آثار پیدا ہوئے پھر وہ چندر کی طرح بر ہو گئی۔ بارن سے اس کی واقفیت صرف چند دنوں پہلے کی تھی۔ لیکن وہ اتنی بے تکلفی سے صرف اسے اس کی عرفیت سے مخاطب کر رہا تھا بلکہ یو تو ف بھی کہہ رہا تھا۔ ممزوارز اور توں میں سے تھی جنہیں رکھ رکھا اور آداب کا برا خیال ہوتا ہے۔“

”مسٹر بارن....!“ وہ خشک لمحے میں بولی۔ ”میرا خیال ہے کہ ابھی ہماری جان بیچاں۔ تکلفی کی حدود میں نہیں داخل ہوئی۔“

”ہم سالہا سال سے ایک دوسرے سے واقف ہیں۔“ بارن مسکرا کر بولا۔

”مسٹر بارن میں بے تکلفی کی عادی نہیں ہوں۔“

”ایما... پھر کہتا ہوں کہ تم اس بے تکلفی پر فخر کرو گی۔“

”مسٹر بارن....!“ ممزوارز تقریباً چیخ کر بولی۔

”اہا... ایما! افسوس ہو گا۔“ بارن مسکرا کر بولا اور اپنے جیب سے ایک کارڈ نکال کر

واز کی طرف بڑھا دیا۔ کارڈ پر جملی حروف میں صرف ”لیونارڈ“ تحریر تھا۔

مزوارز اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ چند ہی لمحوں میں وہ بڑے

کی بیدار نظر آنے لگی۔

”بیٹھ جاؤ۔“ بارن نے نرم لمحے میں کہا۔

”مزوارز بیٹھ گئی۔ وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔“

”ہاں تو ایما میں یہ کہہ رہا تھا کہ کو تو ای میں اس قسم کی کوئی رپورٹ نہیں درج کرائی گئی۔“

فریدی کا استئنٹ حمید تھا اور وہ کسی چکر میں ہے۔

”مگر آپ....!“

”ہاں تمہیں حیرت ہو گی۔ تم اپنی زندگی میں پہلی بار مجھے دیکھے رہی ہو تم دنیا کی تیز

چو تھی ایجنت ہو جنے یہ فخر حاصل ہوا ہے۔“

”میں نے اخبارات میں آپ کے فرار کی خبر پڑھی تھی، لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی

آپ یہاں تشریف لا کیں گے۔“

”فریدی....!“ بارن دانت پیس کر بولا۔ ”مجھے فریدی یہاں لا لیا ہے اور ایماہہ اب روپ

ہو گیا ہے۔ میں اسے چوہے کے مل سے بھی نکال کر مارڈا لانا چاہتا ہوں۔“

”اوہ! تو وہ جملے.... آپ ہی کی طرف سے ہوئے تھے۔“

”ہمارا ایک بڑوی! قریب ہی کے ایک بنگلے میں رہتا ہے۔“
 ”چائے لو۔“ حمید نے پیالی اس کی طرف کھسکا دی۔
 ”شکریہ۔“ پیالی قول کر لی گئی۔

گلوریا تھوڑی دیر تک اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتی رہی پھر وہاں سے انٹھ کر اندر چلی گئی۔
 ”یہ کون تھی۔“ لڑکی نے پوچھا۔

”میری پرائیویٹ سیکریٹری۔“ حمید پاپ سب میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔
 ”تب تم اُسے چاہتے بھی ہو گے۔“ لڑکی نے مسکرا کر کہا۔
 ”نہیں! وہ تمہاری طرح حسین نہیں ہے۔“

”ش اپ۔“ لڑکی نے جھپنی ہوئی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”تم نے مجھے آنکھ کیوں
 تھی۔ اگر میں دیکھ لیتی تو۔“

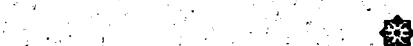
”میں انہیں بھی آنکھ مار دیتا۔“
 ”تم بیوودے بھی ہو۔“ لڑکی یہک جھلا گئی۔

”پوری بات تو سنو! میں انہیں برابر آنکھ مارتا رہتا اور پھر انہیں یقین آ جاتا کہ میری آنکھ
 انہی کوئی نقص ہے۔“

”لڑکی بیساختہ نہ پڑی۔“ ”تم بڑے شریر ہو۔“
 ”تم بہت حسین ہو۔“

”ش اپ....!“
 ”جیسی تمہاری مرضی۔“
 ”تم میرے ساتھ چلو! اور نہ می پر ہارت ایک ہو جائے گا اور وہ مہینوں کے لئے چارپائی
 لیں گی۔“

”میں ضرور چلوں گا۔“ حمید نے کہا۔



حمدید جب مزدا رنگ کوہ طرح سے اطمینان دلا کر اُس کے بنگلے سے نکلا تو انہیں میرا بھیل چکا
 ... اس نے اپنی کار بنگلے سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی کی تھی۔ جب وہ کار کی طرف جا رہا تھا تو
 لئی اُسے دھکا دیا ہوا اُسکے قریب سے گذر گیا اور کوئی چیز حمید کے پیروں کے پاس گری۔

وہ چلا گیا اور ایما آدھے گھنٹے تک صوفے میں بے حس و حرکت پڑی رہی۔ اُسے انہاں
 میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے یوتارڈ کو دیکھا تھا۔



حمدید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی زندگی عیسے
 ہو گیا ہو۔ گلوریا اس کے لئے ایک مستقل روگ بنی ہوئی تھی۔ وہ کافی حسین تھی۔ ... مگر وہ
 گفتگو کے دوران میں اس طرح ہونت سکوٹرنا جیسے زکام ہو گیا ہو۔ اپنی اس ”اوا“ (ای جو کہ
 اسے کہتے ہوں) کی بنا پر وہ بعض اوقات حمید کو ایک ایسی دھقانی عورت معلوم ہوئی گئی تھی
 ابھی ابھی آنا گونہ کراٹھی ہو۔ حمید کی کھوپڑی عجیب تھی اور اسی کھوپڑی پر ایک ایسی لڑکی
 کر دی گئی تھی جس کی وہ شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

شام ہو چکی تھی۔ وہ برآمدے میں بیٹھا چاہئے پی رہا تھا اور گلوریا بھی ساتھ تھی۔ اچاک
 چاک پر مزدا رنگ کی سب سے حسین لڑکی دکھاتی دی۔

”یہ کون ہے۔“ گلوریا حمید کو گھوڑ کر بولی۔ وارنر کی لڑکی برابر قریب آتی جا رہی تھی۔
 ”ہو گی کوئی! تم سے مطلب۔“ حمید جھچھلا گیا۔

”اوہ معاف کرنا۔“ گلوریا شرمندہ ہو گئی۔
 ”لڑکی برآمدے میں آگئی۔“ حمید کھڑا ہو گیا۔

”اوہ.... کیپن۔“ لڑکی گنگتائی۔
 ”بیٹھو.... بیٹھو....!“

”میں بہت پریشان ہیں۔“ لڑکی بیٹھتی ہوئی بولی۔ ”آخر بات کیا ہے۔ کو تو ای میں تو کہ
 بھی روپورٹ نہیں درج کرائی۔“

”پرواہ مت کرو۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”اس نے مجھ سے شکایت کی تھی اور میں
 معلوم کرنا چاہتا تھا۔“

”حقیقت یہ ہے کہ وہ ہماری کھڑکی کے سامنے کھڑا ایک لفڑی پڑھ رہا تھا۔ تم خود بتا
 شریفوں کا طریقہ ہے۔ اس پر مشریبان نے اُس کی مرمت کر دی! کیا وہ تمہارا کوئی دوست
 ہاں بیکی نصیبت ہے۔ خر تم جو کچھ کہہ رہی ہو مجھے اس پر یقین آ جیا ہے لیکن یہ
 کون ہے۔“

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حمید پر مینڈک کپڑے نے کا درود رہ پڑ گیا ہو۔ لیکن وہ ایک بھی نہ پکڑ سکا۔ اُن نے دوسرے گُڑھوں کے کنارے بیٹھے ہوئے مینڈکوں پر پھر بر سانے شروع کر دیے۔ ب کچھ جلاہٹ کا نتیجہ تھا۔

پھر اُسے ہوش آگیا۔ اُس نے نارچ کی روشنی کلائی کی گھڑی پر ڈالی اور نہ جانے کیا بڑھانے دیں بنجے میں ڈھانی گھنٹے اور باتی تھے۔

وہ چند منٹ کھڑا اپیشانی رگڑتا رہا۔ پھر اچھل کر گاڑی میں جا بیٹھا۔ کیڈی ایک بار پھر جھما جھکاڑ میں گھس رہی تھی۔

اور پھر تقریباً پاندرہ منٹ بعد وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں رک گئی۔ یہاں گیروں کی بستی تھی۔



کیواں بڑا ہو ٹھیں تھا لیکن صفائی اور خوش سلیقگی کی بناء پر وہ کافی مقبول تھا۔ عمارت تین دل پر مشتمل تھی۔ ٹھلی منزل پر ہو ٹھی۔ اور پری دو منزلوں پر قیام کرنے والوں کے لئے تھے۔

ہو ٹھی کامالک شہزاد وہی مراقب کا آدمی تھا اور یہاں کی صفائی و شاشیگی میں دراصل اسی کے کوڈ خل تھا۔

وہ کاؤنٹر کے پیچے بیٹھا کرتا تھا اور کاؤنٹر پر ایک توکر محض اس لئے رکھا جاتا تھا کہ وہ ہر لمحہ اپر جہاڑن پھیرتا رہے۔ خود شہزاد کے کپڑوں میں اگر کسی دوسرے کے لیاس کی رگڑ بھی جانی تھی وہ اپنے لباس کا دھو حصہ فوراً دھو دالت تھا یا لباس ہی تبدیل کر دیتا تھا۔ اس کا یہ خط نکل حد تک پہنچ گیا تھا.... اور اپنے اس مراقب کی بناء پر وہ اپنے ملازمین کے لئے ایک مصیبت لرہ گیا تھا۔

اس کا یہ مراقب اس کے ملازمین کے لئے خواہ کچھ رہا ہو لیکن کم از کم خود اس کیلئے تو بڑا منفعت ناٹب ہوا تھا کیونکہ اوپنے طبقے کے لوگ بھی آہستہ آہستہ کیواں کو پسند کرنے لگے تھے۔

شہزاد وقت ہو ٹھی میں موجود رہتا تھا۔ اس کا مراقب خواہ کچھ بھی رہا ہو لیکن وہ اس کی ملبائی کمزوری کا نتیجہ تھا کیونکہ اعصابی کمزوری کے شکار شہزاد کی طرح نذر اور جھگڑا لو نہیں۔ عادات و اطوار کے لحاظ سے شہزاد کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے ہو ٹھی میں قیام نہیں کوئا جائز طور پر حاصل کی ہوئی میثاں سے لے کر عورتیں تک دستیاب ہو جاتی تھیں۔

"اندھے ہو کیا۔" حمید غریا۔ لیکن وہ آدمی مڑاںک نہیں اور پھر کچھ دور جا کر وہ انہم میں غائب ہو گیا۔ حمید کو اُس چیز کا خیال آیا، جو اُس کے پیروں کے پاس گرفتی تھی۔ حمید نے جھک کر اُسے اٹھالیا۔ وہ ایک لفافہ تھا۔

پھر وہ بڑی تیزی سے کار تک آیا۔ بستی سے نکل کر ایک جگہ اُس نے کار روک دی۔ دراصل اُس لفافے کو کھولنا چاہتا تھا جس پر اُس کا نام تحریر تھا۔ اُس نے اندر کی لائٹ چلا کر چاک کیا اور پھر تحریر پر نظر پڑتے ہی تلوؤں سے لگی اور تالو پر بھی۔ تحریر فریدی کی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

"بیکار وقت نہ بر باد کرو۔ لڑکیاں بہتری مل جائیں گی تم نے تیرا کام ابھی تک نہیں اُسے آج نہیں دس بجے رات کو ہوتا چاہے۔ اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو تمہاری شامت آگئی۔ سمجھے۔ تم میرے غصے سے بھی واقع ہو۔ یہ تمہیں پاگل پن ہی معلوم ہو گا۔ لیکن میں کہتا ہوں اُسے ہوتا چاہے۔ خواہ اس کا مقصد تمہاری بھیجھ میں آئے یا نہ آئے۔"

پنجھرہ اور لاش

حمدی پاگلوں کی طرح کارڈ رائیج کر رہا تھا۔ اُسے تیرا کام بہر حال کرنا تھا۔ دس بنجے میں تین گھنٹے باقی تھے.... لیکن کام..... حمید بار بار اسٹیرنگ سے ایک ہاتھ ہٹا کر اپنی کھوپڑی سے لگتا تھا۔

توہڑی ہی دیر بعد کار ایک سنان راستے پر ہوئی۔ حمید کیڈی جیسی شاندار گاڑی سے بے دردی کے ساتھ پیش آ رہا تھا۔ وہ اس وقت نہ صرف کچھ راستے پر چل رہی تھی بلکہ کچھ ایسے گُڑھوں میں بھی اتار دیا جاتا تھا جن پر برساتی پانی اکٹھا تھا۔

تین چاروں قبلي بالرش ہو چکی تھی اور سارا دیراۓ مینڈکوں کی آواز سے گونخ رہا تھا۔ ایک جگہ کیڈی روک دی۔ نیچے اُڑا اور نارچ نکال کر کیڈی کی بر بادی کا منظر دیکھنے لگا۔ " ہونٹوں پر ایک تسلیکن آمیز مسکراہٹ تھی۔ یہاں چاروں طرف سے پانی سے بھرے ہوئے گڑھے بکھرے ہوئے تھے۔ حمید کی نارچ کی روشنی اور ہر ریگنگی رہی۔

پھر اچانک وہ جیب سے رومال نکال کر ایک بڑے سے مینڈک کی طرف چھپنا لیکن " قریب پہنچنے سے قبل ہی وہ پانی میں رینگ گیا۔

ملاقات کا طوفان بھی امنڈر تھا۔
”تیرہ... نمبر... تیرہ نمبر...!“ وہ حلق پھاڑ کر چینا۔ پھر اپنے آدمیوں کو آوازیں دینے شروع رہیں۔ گل خان... افضل... پٹھان... سب چلو تیرہ نمبر والا... نکلنے نہ مارڈا تو سالے کو... اے... چھوڑو مجھے۔ الگ ہٹو...!“ اس نے ایک آدمی کو دھکا دیا۔ پھر، بڑی تیزی سے دوسرا منزل کے زینوں کی طرف چھٹا۔ اس کے تین چار نوک بھی کے ساتھ دوڑ رہے تھے۔

جید بھی زینوں کی طرف بڑھا۔ بیتھرے گاگوں نے بھی اس کی تقدیم کرنی چاہی، لیکن مجھ غریبان کے دو آدمی ان کی راہ میں حائل ہو گئے اور کچھ اس انداز میں انہیں اوپر جانے سے لے گئے جیسے ان کا تعلق بھی ہوٹل ہی سے ہو۔

اپر پہنچ کر شہزاد تیرہ نمبر کے کمرے کے سامنے رک گیا اور پھر اس نے اس طرح دروازہ شروع کر دیا جیسے وہ اُسے گھونسوں اور تھپڑوں ہی سے توڑ کر رکھ دے گا۔

لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ حالانکہ شیشوں سے اندر کی روشنی صاف دکھائی دے رہی اور دروازہ اندر ہی سے بند تھا۔ اس شورو غل میں سوئے ہوئے آدمی کی بھی نیند اچٹ جاتی۔ آخر شہزاد نے جھلا کر ایک شیشہ توڑ دیا اور اندر ہاتھ ڈال کر چھٹی نیچے گردی۔ دروازہ کھلا۔

ثبوط فان کی طرح اندر گھستا چلا گیا۔

جید تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا حالات کی تبدیلی کا منتظر تھا۔

اپنک اس نے شہزاد کی گھٹنی گھٹنی سی آواز سنی۔ ”خون... خون... قتل...!“ دو دروازے کی طرف چھپنا اور شہزاد سے ٹکرایا۔ وہ بدحواسی کے عالم میں کمرے سے بکل لیا۔

”لیا بات ہے۔“ حید نے ڈانت کر پوچھا۔

”قتل...!“ شہزاد ہانپتا ہوا بولا۔ ”اُسے کسی نے قتل کر دیا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔... سب نہ کہا ہے... شر فو... افضل... ارے بولونا... کیا میں نے اُسے قتل کیا ہے۔“

”میرے ساتھ آؤ۔“ حید اسے کمرے کی طرف گھیٹتا ہوا بولا۔

”نہیں جاتا۔“ شہزاد نے جھکا کر کاپتا ہاتھ چھپا دیا۔

”ہوش میں آؤ۔ تم ایک پولیس آفیسر سے گفتگو کر رہے ہو۔“ حید کے لمحے میں سختی تھی۔ شہزاد چونک کرنے سے گھورنے لگا۔

شہزاد چڑھا اور گھنا تھا لیکن اپنے گاگوں کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا تھا۔ لہ سے دو تین فٹ کے فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا تاکہ اس کا جسم اور کپڑے گاگوں کی بے تکلفی سے نظر رہ سکیں۔ اکثر بے تکلف قسم کے گاہک اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس کے کافی باتھ رکھ دیا کرتے تھے یا اس کے بازو چھو کر اس سے گفتگو کرتے تھے۔ ایسے موقع کے بعد اسے بھیشہ اپنے کپڑے تبدیل کرنے پڑتے تھے۔

آج بھی وہ کاؤنٹر سے تین فٹ کے فاصلے پر آرام کر سی میں پڑا ہوا نوکروں کو گھوڑا کھاد ان کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھتا تھا۔ اگر ان میں سے کسی کو اپنے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈال جسم کھجاتے دیکھ لیتا تو اس وقت تک دم نہ لیتا جب تک کہ اس کے ہاتھ دوبارہ نہ دھوالا۔

وہ کافی دیر سے آرام کر سی میں پڑا ہوا اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اچاک اس کی نظر کا ذمہ باہمیں سرے کی طرف اٹھ گئی جہاں ایک پیغمبر رکھا ہوا تھا اور پیغمبرے پر سیاہ رنگ کا غلاف اپنے پیغمبرہ بالکل ایسا تھا جیسا تیر پالنے والے رکھتے ہیں۔ شہزاد غرا کر ایک نوکر کی طرف ”اوے... کیا یہاں لو فر لفگنگ بھی آنے لگے۔“

”نہیں سر کا...!“ تو کرڈائیںگ ہاں میں چاروں طرف نظر میں دوڑا ہوا بولا۔

”پھر یہ تیر کا پیغمبرہ کہاں سے آیا۔“ شہزاد جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”ہائیں!“ نوکرنے بھی حیرت ظاہر کی۔ پھر اس نے بڑی تیزی سے پیغمبرے کی طرف جو کر اسے کاؤنٹر سے اٹھایا۔

اور پھر جو کچھ بھی ہوا وہ شہزاد جیسے مراثی کی موت کے متادف تھا۔ کاؤنٹر سے ٹھپنے کے پیغمبرے کا نچلا حصہ فرش پر آ رہا اور ساتھ ہی دس بارہ موٹے موٹے غلظ مینڈک چاروں طرف سے پھد کئے گلے۔ شہزاد دہاڑ کر پیچھے ہٹا اور اس کی ٹکرے شیشے کی ایک الماری چور چور ہو گئی۔ وہ گندے مینڈکوں سے بچنے کے لئے بار بار اچھل کر ادھر سے ادھر ہٹ رہا تھا اور ساتھ کاؤنٹر کے پیچے اپتری پھیل رہی تھی۔ ریکوں پر رکھی ہوئی بو تلیں، ڈبے، مرتبان، چینی کے، نیچے گر گر کر مختلف قسم کی آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ پھر پورے ڈائینینگ ہاں میں اتفاق افترا گئی۔ لوگ اپنی میزیں چھوڑ چھوڑ کر کاؤنٹر کی طرف لپکے گئے۔

اس بھیڑ میں کیپن حید بھی موجود تھا اور اس طرح متین انداز میں شہزاد کی اچھلی دیکھ رہا تھا جیسے وہ مینڈک آسمان سے گر رہے ہوں۔ آہستہ آہستہ سارے ہاں قہقہوں سے گوئی پھر دو تین آدمی شہزاد کو گھنچ کر ہاپ میں لائے۔ وہ نبی طرح ہاپ رہا تھا اور ساتھ ہی اس کے

لے کو مارڈا لو۔

”میں ہاں مجھے یاد ہے۔ میں نے کہا تھا۔“ شہزاد بولا۔ اُس نے بڑی حد تک خود پر قابو پالیا تھا۔

”پھر....!“

”تیرہ نمبر والا۔ بڑا سور تھا.... وہ مجھے مینڈک کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ میں اپنے گاکوں اور جیسا پچھہ برداشت کر لیتا ہوں۔ اس نے ہنس کر تال دیتا تھا۔ آج بھی وہی کھٹے قتل کی ہے۔ میں نے اپنے کاؤنٹر پر ایک پتھر رکھا ہو دیکھا۔ مجھے حیرت ہوئی۔ پتھر اب بھی کاؤنٹر پچھے مل جائے گا اور مینڈک بھی موجود ہوں گے۔“

”لیا بک رہے ہو۔“ ایک سب انپکٹر نے اُسے ڈائیٹ۔ ”کیا اب تم دماغ کی خرابی کاڑھو گے۔“

”جائیے! دیکھ لیجئے۔“ شہزاد ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”پتھرے پر غلاف چڑھا ہوا تھا اور اس میں ل تھے.... جائیے دیکھئے میرا ہزاروں کا نقشان ہوا ہے۔“

”پھر وہی کواس....!“

”ٹھیک ہے۔“ حمید نے سب انپکٹر سے کہا۔ ”مینڈک میں نے بھی دیکھے تھے۔“ ”میں سمجھا کہ شاندیہ اُسی حرمازادے کی حرکت ہے۔“ شہزاد بولا۔ ”وہ مجھے مینڈک کہہ کر لایا کرتا تھا.... اس نے.... میں نے غصے میں کہہ دیا تھا میری جگہ جو بھی ہوتا ہی کہتا اور پتھر میں نے مارا بھی ہوتا تو اُسی کو جس پر مجھے شبہ تھا.... مگر لاش ایک ایسے آدمی کی ہے جسے میں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میں بھلا کسی دوسرا سے آدمی کو کیوں مارنے لگا اور سننے جاتا مجھے ذرہ بھی اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں پچھے نہیں ہوں۔ ڈاکٹر کی روپرٹ خود ہی بتا دے گی کہ قتل وقت ہوا ہے۔“

”تیرہ نمبر میں کون تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”تم اور پہنچہ ہوٹل کے رجسٹر میں معلوم ہو جائے گا۔“ شہزاد بولا۔ ”پہلے آپ اس کے ہائل سے اس کا حلیہ پوچھ لیجئے۔ میں اس وقت سے اب تک آپ کے ساتھ رہا ہوں۔ اس آپ یہ بھی نہ کہہ سکیں گے کہ میں نے اپنے کرانے داروں کو کچھ سمجھا دیا ہے۔“

”مجھے منطق نہ پڑھاوا۔“ حمید نے خنک لبھ میں کہا۔ ”جتنا پوچھا جائے اس سے زیادہ نہ کوئی۔“ حمید اسے دیں چھوڑ کر پھر دسری منزل پر پہنچ گیا۔ یہاں اُس نے دوسرا سے کروں کے پداروں سے پوچھ چکھ شروع کی۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ حمید نے دوبارہ کہا اور پھر اس کے نوکروں سے بولا۔ ”تم لوگ میں اجازت کے بغیر نیچے نہیں جاؤ گے۔“

راہداری میں جانے کے لئے کہا۔ پھر اس نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر کمرے کے اندر نظر ڈال۔ سامنے ہی آدمی فرش پر اونڈھا پڑا تھا اور اس کے ارد گرد خون پھیلا ہوا تھا۔

حمد شہزاد اور اُس کے آدمیوں کو ہیں ٹھہرنا کاشاہد کر کے زینوں کے سرے پر اس کے دونوں آدمی اب بھی نیچے موجود تھے۔ اس نے ان میں سے ایک کو آواز دی۔ وہ اپر اس نے اس سے کہا۔ ”کو تو الی فون کر دو کہ کیوں کرے میں ایک خون ہو گیا۔“

حمد پھر تیر ہویں کرے میں واپس آگیا۔



شہزاد کی نرمی حالت تھی۔ وہ ایک آرام کر سی میں پڑا ہاتھ رہا تھا۔ تمن سب انپکٹر بھوکے بھیڑیوں کی طرح گھوڑ رہے تھے اور حمید ناٹکیں پھیلانے دونوں ہاتھ کر پر رکھ کرے کا جائزہ لے رہا تھا پاپ اس کے دانتوں میں دیا ہوا تھا اور بکھی دھوئیں کی باریک کہ ہونتوں کے باسیں گوشے سے نکل کر فہامیں مل کھانے لگتی تھی۔

اچانک شہزاد اچھل کر کھڑا ہو گیا اور حلق چھاڑ کر بولا۔ ”مگر یہ لاش اس آدمی کی نہیں تھی۔“

”لیا...؟“ حمید نے پاپ منہ سے نکال لیا اور ساتھ ہی اس کی ناٹکیں بھی ایک دوڑ سے جاتیں۔

”جی ہاں.... میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ آپ میرے نوکروں اور ماحقة کروں لکھنیوں سے پوچھ سکتے ہیں۔“

”تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔“ حمید دہاز۔

”مجھے ہوش ہی نہیں تھا۔“

”تم کواس کر رہے ہو۔“ تم نے ہال میں درجنوں آدمیوں کے سامنے چیخ کر کہا تھا کہ تم

ہاں اسکا ہے۔ ”فریدی خنگ لجھ پر بولے اور ”چھوٹا اُنگ بیڑاں کیا رکھا ہے؟“ میں پہلی بخش
اہوں اور اب یہ بات میری سمجھ میں آئی ہے کہ یونیورسٹی نے ایسا کہیں بیکٹ پر بکار پھر وہ اسے
”روز بیانیکے“ بدل دیا ہے اور اسکا نام ”دھان لالا“ ہے، لیکن اسکے پیش
میں بچہ نہ بولا جو وسیع و اسکے پیسے ہے۔ کچھ تو چھوٹا چھوٹا تھاں میں دستکاری کیا جوں ہے۔
یونیورسٹی سے ملک آئیے اور یونیورسٹی کی جانب میں بچہ اور پھر کے ہیں فریدی کی
لیے ”خوب نہ ہو۔“ اس کا دل اس کے لئے ملک میں اپنے دل کا دل ملے۔

ہم رقص اور لاوڈ سپیکر

لہ بے لائے دیں۔ اس کا پتہ چکار کر کے اپنے کام میں لے لیا تھا۔
لیکن جہاں تھا وہیں تو کسی اداہا لوگی اور کیسی پروپریٹی کی سمجھی نہیں کئے جاوے جو کہ ممکن آئے یعنی کافی
زیر کی نوبات مخرب و خوب نہیں کیے جائیں اور اسے تصور کرنے اسی قابلیت پر افزاں کی اور اخلاقی و ریاستی
ظرف کے اخلاص ہوا اور اس کا تکمیل کردہ درجہ ہو گی جیسی کہ زندگی کی طرف بوجھے گئے۔ اس کا اذکر یقیناً
اے آئی تھی۔

لکن نیچے ساتھا البته شان کی طرف امدادیں بیش کافی فاضلے فریضی کارکنی عقیقی اسرع
ظاهر آئے تھے۔

ہر اسی کی وجہ پر اپنے ملک کی ایجاد کرنے والے افراد کو دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ پر اسی طرح اندھیرے میں نکلنے والے بھائیوں کا وجود ایسی تصور کا باعث ہے۔

جید کی کار کی ہڈی لاٹھ کی روشنی دوڑ سکتے ہیں پھر اپنی تھنی پاٹتے ہیں لے آؤ۔

کانے رفتار کیجئے اور تین کروپی "سچھ-سچھ-سچھ" کی کہلائیں گے۔

وہ پھر اپنے شاہی بھومن کے بلڈنگ اس کی نظر آئیں اسی کا درج چلائی جو نیروں کا ایسے سیڑھا ہے کہری
جس نے یک لمحت آپنی کارروائی فقار کم کر دی تھی۔ اسی پریلی گاندھی سماں میں ہے جو
یہ میکن یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس سے کوئی حلقافت حصر زد ہو سخنے والی ہے۔ اس خواہداہ نے
کے کاراہ ملتوی کر دیا۔ اس نے پھر دغنا اسیز کمر دی کی اور پھر دہان نے تقریباً چار فرلانگ کے

اور سب نے یہی کہا کہ لاش اس آدمی کی نہیں ہے، جو اس کرے میں چار بجھکے شام کی بکری
گیلی کیے ہیں۔ لہذا پڑھنے سے ممکن نہیں تھا۔ اس نے فرمایا۔ ”لہذا بات میں تائید ہے، یہ بات اسی اہل
مرنے والا کوئی بھی رہا ہو، لیکن حید کو اس کے مرنے پر افسوس تھا۔... انہوں بولنے والے
وہی اپک ایسا آدمی تھا جس کے ذریعے یونانیوں تک یونانی ممکن تھی۔ حید نے چکنا ہے اپنے
اسک بھتیجے خمارے کا انداز کر لیا تھا۔ ہر نے وابستے کے جھرے کو تھی اسی وجہ پر تھیں اور اسکو
چھوپنی اٹھیاں تھیں۔ انگوں کے برائی ہیں اور اس کی ہی وجہ پر تھیں۔ نقی بذالت ہوئی تھیں۔ اسکے
گلو ریانے کیوں ہوئی کہ اس کا نام نہیں لیا تھا۔ اس نے کوئی دوسرے ایجاد میں ملتا تھا، جو اس کے پیارے
روہ گنجائی تھا۔ لیکن فریبیدی کو اس نے پتہ نہیں کرایا تھا۔ پھر فریبیدی کیا کر رہا تھا۔ حید کافی دیر تک
اوپری منزل کی راہ پر اڑا کر اس کو چھڑا دیا۔ اسی رات کو فریبیدی نے تین کام اس کے سرو
تھیں۔ تہراں کام اسی نے اس وقت انجام دیا تھا۔ یعنی مینڈ کوں کا پختہ، کیواں ہوش کے کاؤنٹر
رکھ کر دو عمل کا انتظار کرتا۔ ”جس ایمان المعقاد ہے اس ایمان کی تھیں۔ وہیں لے... تھیں۔

ٹھیک تین تاریخی مہینوں کو اور ناکے بنا پڑے ہوئے پرستی پر تکمیل کیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ آئے۔ میرزا قمی کیکوں پر نہ ہوتے۔ تجھے بے روزگار اگلے دن لاد۔ ۱۹۰۷ء میں اپنی خانہ میں اپنے بیوی کے ساتھ میرزا قمی کے پیارے بھائیوں فیصلہ کاربر دار خداوندیتے مقفل نہیں تھے۔ حیدر شاہزادہ کو نئے ہوئے اس سے وہ بکر دینے کی خیالی ہے۔ روازی پر بنا تھی۔ کھاؤں خداوند و زادہ، کھلن گیا، جتنی روایت سے بندے نہیں تھے۔ اس کی تحریک حیدر اسی تاریخ و شن کی تحریک۔ لیکن اس کی تحریک کیا تھی؟ اپنے پیارے بزرگ تھیں۔ میرزا کی تحریک پرستی کا سلسلہ تھا۔ میرزا کو اپنے تیپوں کا سلسلہ یعنی تحریکی پرستی بکھر لے کر اپنے اپنے جگہ جلے ہوئے کاغذات کے ذمیر بھی نظر آئے۔ اچانک حیدر قد مولیٰ کی آپسے مکمل چونک پڑا۔

لے۔ ”دُو یو نہیں بغیر نہیں“ کا یہی غریبی کی آئندہ نتیجی دیکھی۔ وہ قریب آکر بول لے ”چوٹ ہو گل۔“ نے بہت درپر کی اگر سی کام روشن قبل ہو گا یہ تو اس کی فوتو ٹینے کا پیلے پاروں میں ہم ایک پھر اندر ھیرے میں ہیں۔ ”لے گا (ان)“، اس اپنے افسوس سے رہنے کا شکار ہے۔ ”لے گا (ان)“، ”لے گا (ان)“ تھا یہ مقدار میں اچال لے تھا ہی کہ ”لے گا (ان)“ حمیڈ فراٹ اے یہ چوٹ ہاد پر کی جیسی کوئی تھیں۔ کچھ سے کچھ بنا تھا اے وہ غول ہا یاد آیا جس کا کڑی و اکسیلا یانی لاس کے حلکے بخیج اس کا تھا۔

فاسطے پر نہ صرف کارروک دی لگلے انجوں بھی بند کر دیا۔
اس کا داہنا تھے روی الور کے دستے پر تھا۔

پانچ منٹ سے زیادہ نہیں گزرے تھے کہ ایک کار فرانٹ بھرتی ہوئی قریب سے نکل گئی۔
وہی تھی، جو حید کو راستے میں کھڑی دکھائی دی تھی۔ مگر اس بار اس کے اندر بھی روشنی تھی
ڈرائیور کرنے والی ہر حال میں کوئی عورت تھی۔ ایک بھم خیم اگریز عورت۔ اُسے پہچاننے
لئے صرف ایک جھلک ہی کافی تھی۔ یہ مزدار نہ تھی۔



دوسری رات لیڈی پر کاش اپنے ایک دوست کے ساتھ ہائی سر کل ناٹ کلب میں رہی۔ وہ اس وقت پہلے سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی اور اس کے چہرے کے اطمینان اور
سکون سے یہ اندازہ کرتا دشوار تھا کہ وہ آج کل ذہنی اجھنوں کی خکار ہے۔ کیپٹن حید نے اُس
حسین آمیر نظروں سے دیکھا۔ وارنر خاندان کی سب سے حسین لڑکی اس کے سامنے گردہ رہ
گئی تھی۔

اس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی لیڈی پر کاش کو دیکھ رہی تھی۔

”مجھے ساری بہت اچھی لگتی ہے۔“ وہ حید کے کان کے پاس گلگتا۔

”مگر تم ساری میں بھی اتنی صین نہیں معلوم ہو گی۔“ حید بڑا یا۔

”ہونہے...!“ وہ برا سامنہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”ارر... کیا تم نہ امان گئیں، میں تو یونی چھیر رہا تھا تمہیں۔ کہاں تم کہاں وہ مشرق
مغرب کا فرق ہے۔ مگر اس وقت مجھے اپنے ڈیڈی نبڑی طرح یاد آ رہے ہیں۔“

”یکوں! ڈیڈی کیوں!“ لڑکی نے حیرت ظاہر کی۔

”وہ اس عورت کو دیکھ کر پاگل ہو جاتے۔“

”اپنے ڈیڈی کے لئے... بکواس کر رہے ہو۔ شش۔“

حید پچھنے بولا۔ وہ بڑی توجہ سے لیڈی پر کاش کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہال میں دلیل
ہی شہر کے کئی معزز لوگ اپنی کریساں چھوڑ کر استقبال کے لئے آگے بڑھے تھے۔

”یہ کون ہے۔“ لڑکی نے حید سے پوچھا۔

”یہ... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے۔“

”کوئی امیر ہوت معلوم ہوتی ہے۔“

”اوہ نہ ہو گی۔“ حمید نے کہا۔ ”وہ تم سے زیادہ حسین نہیں ہے۔“

ریکریشن ہال میں رقص کے لئے موسمی شروع ہو گئی تھی۔ لڑکی کی ایڈیاں موسمی کے
چھاؤ کے مطابق فرش پر بجھے گئیں۔

”تھہارا کو یک سانچپ کیا ہے۔“

”بیرا کو یک سانچپ...!“

حید جملہ پورا نہیں کر سکا۔ ہائی سر کل ناٹ کلب کا نیجر اس پر جھکا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”آپ کا
ہے۔“

”فون! ہمپ۔“ حید جھنگھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے لڑکی سے کہا ”میں ابھی آیا۔“

حید نیجر کے ساتھ اس کے آفس میں آیا۔ رسیور میز پر پڑا ہوا تھا۔

”بیٹھ...!“

”کون....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”حید.... کیپٹن حید۔“

”آہا.... کپتان صاحب ہیں۔“ حید نے فریدی کی آواز پہچان لی۔

”دیکھے کپتان صاحب۔ اس وقت وارنر کی لڑکی کو کھکھای دیجئے اور اگر آپ اس وقت لیڈی
کاٹ کو اپاہم رقص نہ بنا سکے تو میں آپکو... کپتان صاحب... کیا کہوں کہ کیا مجھنے لگوں گا۔“

”ہام.... اچھا.... مگر آپ ہیں کہاں۔“

”بہت قریب! اس کی گلکرنہ کرو۔“

حید کچھ اور کہا جاہاتا تھا لیکن دوسری طرف سے سلسہ متقطع کر دیا گیا۔

”یہ لڑکی بہت حسین ہے جناب۔“ ناٹ کلب کے نیجر نے کہا۔ ”بقول شاعر...!“

”ہامیں نیجر... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“

”تم سیری لاکوں پر نظر کھتے ہو۔“ حید آنکھیں نکال کر بولا۔

”گھرے.... خدا کی تم! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ کمال کر دیا.... وہ.... بقول شاعر۔“

”نوب! میں شعر سننے کے موذ میں نہیں ہوں۔“

حید اسے کری میں دھکیلا ہوا کمرے سے نکل آیا۔

"مصلح قد مول سے چلتا ہوا گلری میں آیا تھاں کے پھرستے پر ایک بیرونی شاخہ آزادی نوی
عی تھی تھی۔ بکھلوں میں اوسی لکھنگے بادل شاخہ اس احتجاجی باری جا رہی
اٹھا۔ چاروں طرف ایک اٹھی سی نظر تو اپنے۔ میں۔ لڑا، لایا۔ میں اپنے اپنے۔"
انہیں خالی صور و تھیں لیکن ان سب پر زیرِ اش کے ہاتھوں نظر ہوئے۔ چھڑکنے لے گز کر لیکن انہیں اسے
جید چاروں طرف نگاہ دوڑا تھا۔ ہوں لیڈی پر کاش کے قریب لئے گذا رہا۔ لیکن انہیں اسے
انہیں بھرپور تھیں تو بھا۔ البته خود لیڈی پر کاش کے بھرپور تھیں تو بھا۔
جید نے پوری گلری کا چکر لکھا لیکن ایک بھن ابھی بیرون اکھائی وہی جھنپڑی کو شکست کا
تھا۔ پھر اسی ایک بھن ایک بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔
وہی میں وہ ایک بار بھر لیڈی پر کاش کے قریب لئے گذا رہا۔ لیکن انہیں بھرپور تھا۔ کہیں
کہیں بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔

لیڈی پر کاش نے ایک ایک لفظ سا اور حیرت کے سیکھنے کا بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔
جید کا کام کشش کھٹکا۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔
لہو اسے کھلکھلی کے دوسرے سر لئے بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔
اڑوناں ہاٹھتے پاہستہ پھر اسے کھڑا رہا۔ بھر بھری اپنی عین اسے اس طرف مرا جھا لیڈی
ش بھی ہوئی تھی۔ اتفاق سے گلری کے دونوں بھن میں اسے بالکل شہما تھا۔ لہوں ایں
بھر بھری خاندہ ارکیٹ اسکے قدم بھری خیزی لے لیں۔ لیکن پر کاش کی میز کی
پ اٹھ رہے تھے۔

بھر بھر بھن کے قریب بھن لاؤ رہے۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔
"میں یہاں بیٹھنا چاہتا ہوں۔" جید نے کسی اجڑ گزوں کی طرح ہڑتے ہیں۔ سے بالکل
بھ۔ بھ۔ بھ۔

لیڈی پر کاش کے قریب بھن لاؤ رہے۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔ بھن۔

لڑکی اس کی منتظر تھی۔ اس نے جید کے چہرے پر پھٹکا کی کھنڈ و سیکھے دیا۔
کیا بات ہے۔" اس نے پوچھا۔ اس نے پوچھا۔" اس نے پوچھا۔" اس نے پوچھا۔" اس نے پوچھا۔
کہ ر قکروہ کیلئے اپنی بھن کیا بات تھی۔" اس نے پوچھا۔" اس نے پوچھا۔" اس نے پوچھا۔
کیا ہوا۔۔۔!"
"تے جانے کیوں یہاں پویں میں من کے اندر ہی اندر رہنے کا پہنچا۔" اس نے پوچھا۔
"پویں ریڈ کرنے والی ہے۔" لڑکی نے حیرت سے دریا۔" پیٹھے سیلے اس کا
لب۔ آپلے بچھے فون پر لکھی اس کی اطلاع میں ہے۔ ہمیں کا مطلب یہ ہے کہ یہیں کیا ملکی
ہوتی۔ پتہ نہیں کتنے گھنے صرف ہوں۔ سارے دروازے بند کرنے جائیں گے اور کوئی
جائے گا۔" لیا۔
اوہ ہو۔۔۔ تب پھر مجھے جانے دو۔" لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔
"میں تھا بور ہو کر مر جاؤں گا۔۔۔ مجھے تو بہر حال سمجھنا پڑے گا۔ میں تم میں جائے
جہیں کیچپاں ابھے جانے دو۔ اگر دیر ہوئی تو ہمی پریشان ہوں گی۔ بارٹ ایک ہو جا
میں کل پھر ملوں گی۔۔۔ جہاں کھوں جاؤں۔" لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔
"آر لکھوں میں۔۔۔ نھیک نوچے۔" لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔ لیا۔
لڑکی کھڑی ہو گئی اور جید سے پہنچا۔ لہوں جھنپڑ کیلئے انہوں نے اچھے ہمیں وہ لوگ ملکی
لہوں تھے۔ میں اپنے آپ کا ایک بھن۔ لیا۔
لہوں اسے ملکیوں لہنے لئے تھا۔ لیا۔
"کل آر لکھوں میں ضرور ہاں اور نہ لائیں جائے۔" اس نے پھر جید کو داروازہ بند کر کر ہاں ہو
"ضرور ضرور۔۔۔!"

لیکسی چل گئی اور لکھدا ایک طویل سامنے۔ لیکھدا ہاں۔ لکھدا ہی لکھدا ہی لکھدا ہی لکھدا ہی
اب لیڈی پر کاش کا شاہزادہ تھا۔ جہاں جید نے پکھا۔۔۔ پکھا۔۔۔ جھوٹ کر کیا تھا۔۔۔
لیکن اسے یقین تھا کہ وہ باہر نہ گئی ہو گئی کوئی ملکیوں کے اونچے پر بھی اسکی کا
کلب کے کپاؤٹ کے چھاٹ کی کی ہڑتی تھی۔۔۔ لکھدا چھاٹ کی کی ہڑتی تھی۔۔۔

وہ سیدھا ہے۔ پکھ بیشن ہاں میں چلا گیا۔ کوئی اسے کاروائی نہیں۔ اس کا ملکی ملکی ملکی ملکی ملکی ملکی
نگاہ دوڑا۔۔۔ آخر کارا۔۔۔ جگہ گلری میں لیڈی پر کاش کا شاہزادہ۔۔۔ نظر اگئی بنت۔۔۔

وہ ایک میز پر تھا تھی۔۔۔ گلری میز پر تھا تھی۔۔۔ ملکی پریس خالی پریس سسکی میز پر تھا۔۔۔

ساتھ میٹھے کے لئے ایک عمده سا بہانہ میں مکھتا۔۔۔

سے بکالے بغیر گذر جانا ممکنات میں سے نہ تھا۔

حید کا لبجھ بھی ایسا تھا جیسے اُسے اس کی یا اس کے حسن کی ذرہ برابر بھی پوادھہ ہو۔
”میں آپ کو بور نہیں کروں گا۔“ حید نے کہا اور قص کی طرف متوجہ ہو گیا کوئی بکار
کار اونٹ چل رہا تھا اور پورا ہاں کان چھڑا دینے والی موسمیتی سے گونج رہا تھا۔ حید پھر لیڈی پر کاش
طرف مڑ کر بولا۔ ”بیسے ہی راؤٹ ختم ہو گامیں اٹھ جاؤں گا۔“

”آپ بیٹھنے جتاب۔“ لیڈی پر کاش بڑے دلاؤز انداز میں مسکرائی۔ ”میں آپ سے ا
کے لئے تو نہیں کہہ رہی۔ میں اس میز پر تھا ہوں۔“
حید سوچنے لگا کہ اس کا ساتھی کہاں گیا؟ اور جب وہ آئی تھی تو کئی آدمی اس کے اتنے
کے لئے اٹھتے تھے، لیکن وہ میز پر تھا تھی۔

”شکریہ....!“ حید نے لاپرواں سے کہا اور پھر قص کی طرف متوجہ ہو گیا۔
لیڈی پر کاش اُسے عجیب نظر ہوں سے دیکھ رہی تھی۔

”یہ کوئی اٹپ ہے۔“ حید نہ اسامدہ بنا کر بولا۔ ”یا چند گھنیا رے بیرون میں کمر
باندھ کر گھاس چھیل رہے ہیں۔“ پھر اس نے لیڈی پر کاش کی طرف مڑ کر غصیلے لہجے میں
”یہ لڑکیاں گھوون کے ساتھ ناچیں گی مگر میرے ساتھ نہیں ناچیں گی۔ آپ خود بتائیے ا
اوی بھی ایسا دھایے جو سلیقے سے رقص کر رہا ہو۔“

”آپ کا خیال بالکل نمیک ہے۔ اسی لئے میں تھا بیٹھنا پسند کرتی ہوں۔“ لیڈی پر کاش بوا
میز پر پروگرام کی ایک کالپی پڑی ہوئی تھی، حید اسے اتنے پلتے لگا۔
”لیچھ....!“ اس نے تختخ آمیز لہجے میں کہا۔ ”یہاں والزاور سلوفوں کی روٹ بھی ہ
یہ۔ کمال ہے..... بھلا یہاں کون ہے۔“

”آپ بہت مشاق معلوم ہوتے ہیں۔“ لیڈی پر کاش مسکرائی۔
”نہیں میں اس کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا۔... لیکن ذرا آپ مجھے یہ بتائیے کیا میں صورت
غیر مہذب یا نہ ااوی معلوم ہوتا ہوں۔“

”نہیں جتاب! قطعی نہیں۔“ لیڈی پر کاش نے تبعیدگی سے کہا۔
”پھر آخر یہ لڑکیاں میری ہم رقص بنانا کیوں پسند نہیں کرتیں۔“ حید نے جلاعے
پچ کی طرح کہا۔
اس سوال کا لیڈی پر کاش نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود بھی اس مسئلے پر بڑی سمجھی گی۔
کرنے گی تھی کہ آخر لڑکیاں اس کے ساتھ رقص کرنا کیوں پسند نہیں کرتیں۔

”میں خود ہی اب کسی سے درخواست نہیں کرتا۔“ حید گردن اکٹا کر بولا۔

”آپ کیا بیٹھیں گے۔“ لیڈی پر کاش نے پوچھا۔

”مشنٹاپالی۔ مجھے ذرا اور اسی بات پر غصہ آ جاتا ہے۔“

”کون ہی شراب آپ پسند کرتے ہیں۔“

”میں کسی قسم کی بھی شراب پسند نہیں کرتا۔“

”اب میں بھی۔“ لیڈی پر کاش اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ”لڑکیاں اسی لئے
پسے دور بھاگتی ہیں۔“
”کس لئے۔“

”یہی کہ آپ کا انداز گفتگو کافی کھردا ہوتا ہے۔“

حید کچھہ بولا۔ رقص ختم ہو گیا۔ لوگ گلیری میں اپنی اپنی میزوں پر واپس آگئے۔

لیڈی پر کاش نے ویٹر سے کافی طلب کی۔

قریب و دور کی کئی میزوں سے لیڈی پر کاش کے کئی شناس حید کو بڑی طرح گھور رہے تھے۔
ہمیں سے کئی ایسے بھی تھے، جنہیں کچھہ دیر قبل وہ رقص کی درخواست پر مایوس کر چکی تھی۔
لیڈی پر کاش نے حید کے لئے کافی بنائی اور اس کی طرف کھسکاتی ہوئی بولی۔ ”اس کے بعد
اک لئے موسمی شروع ہو گی، پھر میں دیکھوں گی کہ آپ کتنا اچھا ناچتے ہیں۔“

”کیا میں تھا ناچوں گا۔ ہو اکو ہر رقص بناوں گا۔“ حید جلا کر بولا۔

”نہیں....!“ لیڈی پر کاش نے مسکرا کر کہا۔ ”اتفاق سے مجھے بھی اس بات کا دعویٰ ہے کہ
لہاڑا بہت اچھا ناچتی ہوں۔“

”اچھا.... دیکھوں گا۔ لیکن واضح رہے کہ میری ہم رقص کی قسم کی غلطی کرنے پر عموماً
لالٹھتی ہے۔“

”کیوں....!“

”میں اس کے بیٹر پر بڑی بے دردی سے بیہد کھدھتا ہوں۔“

”مگر نہیں.... میں غلطی کرنے والوں کی عنڈلی کی بُدھی پر شوکر نہیں ہوں۔“

”اچھا.... دیکھیں ہم میں سے کون چیختا ہے۔“ حید بچوں کی طرح بس پڑا۔

”خوزی دیر بعد والڑ کے لئے موسمی شروع ہو گئی لوگ گلیری سے اٹھنے لگے، لیڈی پر کاش

اک دن شناس اس سے درخواست کرنے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ وہ حید کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

اک بار پھر ہاں میں زندگی کی لمبڑی گئی۔

بُور لیڈی شپ.... آپ کا فون نہ ہے۔“ پہنچنے والی سماں پر اپنے پیٹھی میں
بیکھریں گے۔ بیہن دیکھتی ہوں۔“ لیڈی پر کاش اسی کے آخر میں بھل گئی تو اسے را
اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لی۔ رسیور الہاتے وقت اس کا ہاتھ بڑی طرح کا پٹ
ٹھیک ہے۔“ تیرتیں پالیں تو اسے اسی پر خداوندی کا سامان ملے گا۔“ بیہن اپنے دل میں
بیلوالیڈی پر کاش۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔“ دریائے شیرکن محفلیں ملے ہیں جو اسے
اور... آپ لہن اکیا تپتی میچھے کہیں مکون نہ لینے اولیں گے۔“ نہ یہ
تم کہتیں ہی انکی کردی ہو۔ بھی تم کسی سماں ساختاں کی تھیں؟“ پھر اسے
کیوں! میں نے اس کا نام نہیں پوچھا۔“ لے۔“ سیاہ ہندوں کیں جسے اسے اسے
لیڈی پر کاش.... کان کھول کر سل لو۔“ میں آج امطاں اپر صورت میں پڑا کیوں کا، خواہ
سے بھی جوڑ توڑ کر د۔ مجھ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ حضور سے پڑی توں، تھیں الموت کے
بھی اماردوں کا۔“ لے۔“ لے۔“ اسے اسے اسے اسے اسے۔“

شیئں غیر ملتوی میکن کر اپنے کیا کہہ رہے ہیں؟“ میں دنیا کا لکھی کیس اپنے دیسا
بیخ نہیں کرو۔“ دوسری طرف لایت سچے سچے میں اپنا کیا۔ تب میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔
س شریں ایک ایسا آدمی بھی ہے جو ان چیزوں کو چار لاکھ میں بھی خرید لے گا۔“ اسے
ویکھے... صرف ایک بھتی مہلت، دو سو جنگیں ماننا تھا کہ کوئی ہوتی۔“

بیکھریں حیدر اور کرمل فریدی بھی اس انتظامیں شامل ہیں۔ دوسری طرف اسے طغیا پوچھا گیا۔
یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں بتتے انی فدوں کے صرف ہاتھ رہے ہیں۔“ لمحہ تک لے کے
نہیں ہو۔ یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ ... یقیناً لیں لیں ایسا۔“

لیڈی پر کاش مجھے امداد نہ دلو و دیتیں۔ شہزادی لڑکی کو کہاں کا یا کیا تھا جھوٹ ہے کہ
اپنے بھرپوری کے ساتھ تھا جو رہی تھیں اور وہ اب زیستی پر کاشن ہاں میں شہزاد انتظار کر رہا ہے۔“
وہ کیپن حیدر ہے۔“ لیڈی پر کاش جرت سے آمیختن پھر کر بولی۔“ میں اس کا
انتظار تھا تھا ہوں کہ اس کو میں سچے سچے میکن کے لیکن اکم اکم دو یا تھیں میں تو
تاجاچے گی۔“ سکھیا ریا۔“ اسے دوں دوں نہیں۔“ دیکھ کر تو سچے نہیں۔“ اسے دیکھ کر
تکریں ہوں۔ میں آپ کے ساتھ عالم کو دیکھ لے گی۔“ کہ دیکھتے پہلے مقامات پر میں کا کیا کہوں۔“
لیڈی پر کاش اجھیں ایک بھتی کی مہلت اور دو تھی جاتی تھیں اور ایک تھوڑی مہلت کوئی نہیں۔“
دوسری طرف نئے مٹلائیں مقطعہ کردا گی۔ لیڈی پر کاش رسیور کو دیکھ کر تو خفیت ملائیں۔

دوسری طرف لیڈی نہیں آیت اور اپنے ساتھی نے لوچ رہا۔“ لیڈی پر کاش
کے ساتھ تھا جو رہی ہے۔“

“ کیپن حیدر!“ اس کے ساتھی نے برآمدہ بارہ کیا۔“ برا نا عورت جو لوگوں کا تھا تو
بھل لیڈی پر کاش سے رقص کی درخواست کی تھی۔“ دیکھ کر تو سچے سچے اسے اپنے ساتھ
اوہ نہیں قسم بھی کر دیا۔“ بھلاں یا کوئی سچے سچے اسے کوئی کہا تو اسے کوئی کہا تو
اٹھے اسے بھلہ اور عمل نیزے ساتھ رقص کرنے پر غریب تھی ہیں اور پھر ہو سکتا ہے اسچاں کا
ٹھیک نہ رہا۔“

دوسری طرف لیڈی پر کاش حیدر سے کہہ رہی تھی۔“ واقعی آپ مشاہد ہیں۔“ میں اسی ہوں
اور میں بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ مجھے آپ سے پیر پیر رکھنے کا موقع تھیں میں مکار
آپ کہاں رہ جائیں۔“ مکاری کی وجہ سے اسے اسے اسے اسے۔“ میں اسے اسے اسے۔“ میں اسے اسے
جہاں ول چاہتا ہے رہ جاتا ہوں۔“

اعمال کا وہ پیکر ہے جسے لیڈی پر کاش پیلے دوں راستے کی کال میں تھے۔“ اسکے
ضروری تھے۔“ اسکے بعد اسے اسے اسے۔“ میں اسے اسے۔“ میں اسے اسے۔“ میں اسے اسے
لیڈی پر کاش اسی طرح ایک جھکے لئے اسے اسے۔“ میں اسے اسے۔“ میں اسے اسے۔“ میں اسے اسے
در میان تکار بن گری تھا۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“

لیڈی پر کاش اسے اسے۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“

لیڈی پر کاش اسے اسے۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“ اسے اسے۔“

کیا مطلب....؟“ حیدر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

“ میری کال ہے۔““ میری کال ہے۔““ میری کال ہے۔““ میری کال ہے۔““ میری کال ہے۔“

“ کوئی نہ یہو ہے۔“ جو ہے اس کو کہا جائے ہے۔“ کوئی نہ یہو ہے۔“ کوئی نہ یہو ہے۔“

“ میں ابھی بھی ہوں۔““ میں ابھی ہوں۔““ میں ابھی ہوں۔““ میں ابھی ہوں۔““ میں ابھی ہوں۔“

نہ میں ابھی آئی۔“ لیڈی پر کاش شیری یہے۔“ پلی اگی۔“ دیکھ کر تو خفیت ملائیں۔

بڑے زیادہ خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے فون پر اُسے اسی بات آگاہ کیا ہو کہ وہ اس وقت حمید کے ساتھ ہے۔
”میں نے آپ کا نام سنائے۔“ لیڈی پرکاش خلک لہجے میں بولی۔ ”کیا اس طرح تعارف ل کرنے کا کوئی خاص مقصد تھا۔“

”تھی ہاں۔“ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
اور لیڈی پرکاش کے چہرے پر ایک سایہ سا آگر گز ریگا۔ لیکن آنکھوں سے بدستور انتشار ہوتا رہا۔

”کیا مقصد تھا۔“ لیڈی پرکاش نے اپنے لہجے میں سخن پیدا کرنے کی کوشش کی۔
”مقصد حاصل ہو گیا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”میں نے اس وقت دوہزار کی شرط جیتی ہے۔“

”لیٹنی....!“
ایک دوست نے کہا تھا کہ آج لیڈی پرکاش رقص کے لئے کسی کی بھی درخواست قبول کریں گی۔ موڈ بہت خراب ہے۔ بات بڑھ گئی۔ معاملہ دوہزار کی شرط پر پہنچ کر ختم ہو گیا اور ادیمرے میں۔ میں آپ کا مشکور ہوں۔“
حمد کری سے اٹھ کر احتراماً تھوڑا سا جھکا اور فوجوں کے سے انداز میں داہتی ایڈی پر گھوم کر پینہ ہال سے نکلا چلا گیا۔



محکمہ سراجِ رسانی کے سارے انسپکٹر لیونارڈ کی ٹلاش میں سرگردان تھے۔ فریدی کو اس کے پر چھوڑ دیا گیا اور سرکاری طور پر حمید کو ایک ایسے گروپ کے ساتھ کام کرنا تھا جس میں ہم اصف بھی شامل تھا۔ احکامات براؤ راست ڈی۔ آئی۔ جی کے آفس آئے تھے، اس نے حمید مبارکا۔ ورنہ آصف جیسے لوگوں سے بناہ کرنا کام از کام اُس کے بس کاروگ تو نہیں تھا اور تم اصف سینیارٹی کی بناء پر اس ٹولی کا انچارج بنا دیا گیا تھا۔

آصف فریدی اور حمید کا پرانا دشمن تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیئے یہ دوں زمین سے آسمان پر لے تھے۔ انسپکٹروں میں آصف سب سے سینزٹر تھا لیکن کارکردگی میں صفر کے برابر ہونے کی بناء نمبروں کی نظر میں اس کی کوئی وقت نہیں تھی۔ لیکن اس باراپنے لئے عنزت افزائی کا پروانہ دیکھ سے کافی دیر یک یقین نہیں آیا۔ ماتخوں میں حمید کا نام دیکھ کر تاس کی باچھیں کھل گئیں۔
سب سے پہلے اس نے حمید عی کو طلب کیا۔

ہوئی بیچھے ہی۔ اس کے چہرے پر پسندی کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

اس نے اپنا دشمنی بیکھ کھول کر آئینہ ٹکالا اور پسندی خلک کر کے جلدی جلدی میک اپ درست کرنے لگی۔

پھر دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ غیرہ وہاں موجود نہیں تھا۔

ریکریشن ہال میں اب ستانہ تھا۔ راؤٹھ ختم ہو چکا تھا اور رقص گلبری میں تھے۔ اس نے یہ کوپنی ہی میز پر بیٹھے دیکھا۔

حمد نے دور ہی سے محسوس کر لیا کہ اس کے ساتھ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے اضطراب کو مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی، آنکھیں بدستور زخم انتشار کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ وہ ایک طویل سانس لے کر بیٹھ گئی۔

”آپ نے مُرا تو نہیں مانتا۔“ اس نے حمید سے پوچھا۔
”مگر اس ضرور گزرتی ہیں الک باتیں۔“

”اوہ....!“ مجھے افسوس ہے۔ ایک بہت ضروری کاں تھی۔“

لیڈی پرکاش نے یہ جملہ بھرا ہی ہوئی آواز میں کہا۔ حمید براؤ راست اس کی آنکھوں میں رہا تھا۔ لہذا اس نے اس ہلکے سے تغیر کو فوراً ہی محسوس کر لیا، جو اس جملے کو داکر تھے وقت انہیں واقع ہوا تھا۔

کچھ دیر یک خاموشی رہی پھر لیڈی پرکاش نے پوچھا۔
”آپ نے آج تک اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“

”اور نہ میں نے ابھی تک آپ کے متعلق پوچھا ہے۔“ حمید نے جواب دیا۔

”آپ کون ہیں کیا کرتے ہیں.... اور....!“

”مگماں رہ جئے ہیں۔“ حمید نے اس کا جملہ پورا کرتے ہوئے کہ۔ ”میں اس وقت ذوبیٹی ہوں۔ ورنہ میں آپ کو ہرگز یہ نہ بتاتا کہ میں کیپشن حمید ہوں۔ نام تو آپ نے نہیں ہوا گا۔...

میرا متعلق محکمہ سراجِ رسانی سے ہے۔“

لیڈی پرکاش اس کی صاف گولی پر مشتملہ رہ گئی۔ غیرہ کے آفس سے آتے وقت دوسرے آئی تھی کہ اگر وہ کیپشن حمید ہے تو یقیناً میری ٹوہہ میں ہو گا اور کبھی اپنی اصلاحیت نہ ظاہر کرے۔ حمید نے اس میں یہ حمید ہی بھی محسوس کر لی اور دفعتاً اس کا ذہن اُس فون کاں کی لمبوجہ ہو گیا۔ جس کے اعلان پر لیڈی پرکاش مختار بانہ انداز میں اُس سے الگ ہو گئی تھی۔ وہ سوچتا کیا کہ کال لیونارڈ کی طرف سے تھی؟ اس کے طریقوں سے تو وہ واقع ہی تھا۔ وہ اپنے

میں بد نیزی نہیں پسند کرتا۔

حمد کھاتو میں آس پر ہنگ عزت کاد عوی دا رک کروں گا۔ ”سچھ جنات۔ وہی اپنے کو جیسا کہ

کیپن کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ ”ایڈ، ہتھیں لٹیں ہے؟ آئیں انکے یہ سارے“ سارے“

"سبحان الله۔ کیا یہ بھی میرے فراپن میں داخل ہو گا؟" حمید نہ اسامنہ بن اکر بولے۔

”کلی ہمیں تھا تو کار فریڈی اپنے بچے افسوس کا پڑھنا“ لفظ مذکور ہے۔
”کرئن فریڈی“ اجھے نتھیں کیسے۔ ”الله تعالیٰ نے“ سیاہوں کے لفظ
”جس تھے کرگا“

لہو تو دن بیکھیے گا ات کو میں رعنوا نظر نہیں لے کیا ہوتا۔ ” لہ باند سے، لہا۔

”آصف صاحب! اگر ون پکڑ کر کھڑی کے باہر چکن بولان گل۔ تکھیر زبان سنبھالئے اسیا“ شش آجیت ”پولیشن لائبریری“ میں عمدت اس جنگ بائشنا نہیں لیا۔

کیشن کا اعزاز مجھے اس لئے نہیں ملا ہے کہ اپنے پل صاحب ایسا بھی پور جو عین چالانے کی کوشش کر دیے آپ ہم لوگوں کے انچارج بنائے گئے ہیں۔ بنے رہے۔ لیکن یہ بھی ایک وقت تکلیف ہے۔

مک آپ شرافت سے پیش آئیں گے۔ ”
”میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا... یہاں سے جلے جاؤ۔ ”

ای سامو اسٹاپ ہے اسے پروں ہوں ی مردی کر رکھی اسے رکھنے
ہوں کے صدر و روانے لی عمری بھی۔ ان اے مجہوں ہی، اہنا جائے کہ حمد بارے

دوسری صبح اس نے آصف کے سامنے جو خوبی کہ پورت میں وہ سمجھی۔

”چھے شام سے چار کے تین تک کیوں ہو مل کے صدر دروازے کی عمرانی رکاب
بے تک کوئی خاص واقع پیش نہیں آیا۔ مگر اس وقت تک کسی لڑکی کی امداد کا انتظار کر تارا

تک کہ ہو مل بند نہیں ہو سکا۔ یعنی ایک بھی لڑکی وہاں حالی نہیں دکھائی دی۔ اس کے پیسے اگذ کیا جاسکتا ہے لہ وہاں لڑکیاں نہیں جاتیں اور وہ ایک ہر ٹھہر کلاس ہو مل ہے۔ ہو

لئے کافی تھات بہت بڑا تھا، اور اسے آئندہ
لے جائے۔

”کیا ہے؟ وہ ہوڑی دیر بعد سن چھٹا لٹر چھٹا نئی ایسے ایسیں ہی کے میانے پتیں نکروں گا۔“
”فربہ سمجھ ہو سکتا ہے کہ اپنی کار کردو گی پسکے سلے میں مجھے بھی ترقی میں چاپے۔“ حیدر

بہلی بخشیدگی سے کہا۔ ”ور آپ کی حکمیت تو پڑ رہے ہیں اس محفوظی میں ہے اسی تحریر میں صرف تھا جو ایسا ہے کہ میں رات پر بھر کر اس کے صدیدہ دعویزی کی گفتگو کرتا پڑھوں۔ چنانچہ میں کہتا

ٹھیک چار بجے گھر واپس گیا۔ مگر ان کی غرض و نتائج ہے واقع نہیں تھا اس لئے اپنی سمجھ طبقات یہ رپورٹ مرتب کر کے آئندہ کی خدمت میں پہنچ کر بنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔“

”تم مگر انی کے مقصد سے واپسی نہیں تھی۔“ آصف شریح جلا کر کہا۔ ”قیصلی نہیں، جناب اپنے صاحب“

لے کر اسیں میں ایک قتل نہیں ہوا اور تم جھرت اگریز طور پر وہاں پہنچے۔

”اہا... خیک اب یاد آیا تھا۔ لیکن دروازہ ہے کیں گرائی کا کام مطلقاً تھا۔“

”آن براہت کو سمجھیں اپنے کرکے کل جو مان دوں گا۔“ حیدر نے لایہم آئی سے کیا اور فوجوں کے
وہیں ایساں سماں ہوا کہ نبی سے نظر گیا۔ پھر نبی نے اسے ملک اعلیٰ کا اہل اعلیٰ کا نام دیا۔

ایں وقت کہے میں آصف اور انور کے علاوہ انی کوئی پس محمد نہیں تھا ورنہ آصف کو پڑی دہوئی۔

جید کی رپورٹ اٹھا کر اُس نے اُس کے پروپریئورز نے ادائیگی کی تحریر کی۔ وہ اکیانوسیہ کو آگے لاتا ہی تو کسی بنا پر - حماقت خود اُکی سے ہوئی۔ اُنھوں نے اُنھوں کو تحریر کی تحریر دیا۔ اُن سے

سے اس کی بنا پر۔ حکامتِ خود اپنی ہے ہوئی اپنی ہے اس ای سیل جو سبھ پریل کر دیا جائے اس کے صدرِ دم و انہی کی نگرانی کرنے ہے، لیکن اس میں اس کا تمن کرہ نہیں تھا اس سے اس کا ملکا۔ اگر کوئی اپنا کام اٹا کر شروع کر دے تو اس کی تمنی اس کے لئے کافی ہے۔

لیا ہے۔ اروہا اس معاملے کو آکے بڑھاتا تو اُسے شرمندی یعنی آنکھیں بڑھانے لگتی ہے اور جبکہ اس حرکت کا مقصد حمد کو پڑھان کرنے کے تلاواہ اور سچھ نہیں تھا۔ مسلمان (۱)

اول ہمید نے بھی تیہ کر لیا تھا کہ اگلا پچھلا حساب اسی بار بیان کرنے گا۔
ثامن کو آفس سے نکلتے وقت اس نے محسوس کیا کہ آصف اس کی تاک پیش ہے اور یہ حقیقت

لماک آن آصف با قاعده طور پر حمید کا تعاقب کر رہا تھا۔ ”بچوں کا ایں لئے“
حمدیہ جوئی آئٹھن میں تھا اس نے آصف کو نیکی کرنی پڑی اور حمید نے تھپی کر لیا کہ آج

وی کرنا چاہتی ہے۔ میں اُسے یو تو ف بنانا چاہتا ہوں۔“
لوگی مژ کر دیکھنے لگی۔

”ہاں ہے تو۔“

”بن دیکھتی جاؤ۔ تھوڑی دور اور آگے جا لازم ہم اچاک مژس گے اور پھر مژہ آجائے گا۔“
”میا مژہ آجائے گا۔ نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔“

”وہ عورت۔“ حمید محدثی سانس لے کر بولا۔ ”زبردستی شادی کرنا چاہتی ہے۔ اس نے
چار بجے شام سے اس کا پروول پھکوارا ہوں۔ کار اس کی اپنی نہیں بلکہ ٹیکسی ہے۔ اس کے میز
نماں تک کم از کم پچاس یا پچین میں بنائے ہوں گے۔“

حمید نے جملہ ختم کر کے کار موٹری اور اُس کا راخ اپ پھر شہر کی طرف تھا۔ سامنے سے آتی
تھی کار زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ اچاک وہ تر چھی ہو کر حمید کی راہ میں حاکل ہو گئی۔ اگر حمید
نے پورے بریک نہ لگادیتا تو ایک یہ نہ لازمی تھا۔ لڑکی کا سر ڈیش بورڈ سے نکراتے نکراتے پچا
راں کے منہ سے بلکہ یہ چیخ نکل گئی۔

حمید نے تین چار آدمیوں کو سامنے والی کار سے کو دتے دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان لوگوں
نے حمید کی کار کو گھیر لیا۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور چپ چاپ باہر نکل آؤ۔“ کسی نے گرج کر کہا اور ان دونوں پر نارج
لارڈ شی پڑی۔ حمید اپنا ہاتھ جیب تک نہیں لے جا سکا کیونکہ اس کی پیشانی سے ایک ریو اور کی
لی آگئی تھی۔

”کھٹک کر باہر نکال لو۔“ ان آدمیوں میں سے ایک نے تھکمانہ لجھے میں کھا۔

بہر حال چند ہی لمحوں میں حمید پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے
انکو اسے بے قابو کر کے اُس کے ہاتھ پیر باندھے جا رہے تھے اور لڑکی قریب ہی کھڑی تھر تھر
لپڑی تھی۔

مسٹر بارن

گھٹے کے لئے فریدی کی طرح حمید بھی غائب ہو گیا۔ دونوں ہو گئے لیکن اس کا کہیں سر زاغ۔

آصف تو جلا بیٹھا ہی تھا اس نے وہ وہ زہر افشاںیاں کیس کہ خدا کی پناہ۔

”دون قبل جب وہ حمید کا تعاقب کر رہا تھا تو اُسے شہر ہی میں اس کا یچھا چھوڑ دینا پڑا تھا۔“ دفترا

ٹیکسی ڈرائیور کو کافی فائدہ پہنچائے بغیر نہیں رہے گا۔ اس نے آر لچوہ میں رک کر مکھڑا ہاں
کیا۔ آصف اس وقت بڑی مہارت کا ثبوت دے رہا تھا۔

حمد جب دیش کو ناشتے کے لئے پہلیات دے رہا تھا وہ بڑی پھرتی سے ڈائینگ ہال میں
ہو کر ایک قریبی کیبن میں گھس گیا۔ حمید نے اسے ٹھکھیوں سے دیکھا۔

آر لچوہ میں اُس نے سات بجادیے۔ پچھے دریک کا ڈنٹر ٹکر کے چھپتے چھڑا کر تارہ
وارز کی لڑکی آئی کیونکہ آج کل وہ دونوں آر لچوہ میں مل رہے تھے۔

سات بجے وہ آر لچوہ سے نکلے۔ آصف بھی کیبن سے نکل کر باہر آیا۔
حمد کی کار شہر کی ٹھیکیوں کے چکر لگانے لگی۔

”کیا بات ہے۔“ لڑکی بولی۔ ”آج تم آر لچوہ میں رک کے نہیں۔“

”روزانہ ایک ہی قسم کی تفریح کھل جاتی ہے۔ آج پچھے اور دیکھیں گے۔“

کار سرکوں پر چکراتی رہی اور آصف ایک ٹیکسی میں اس کا تعاقب کر تارہ دے لیکن

حمد فریدی کے ٹھکانے سے ضرور واقع ہو گا اور روزانہ کم از کم ایک ہی بار اس سے خر
ہو گا۔ اگر اس طرح وہ فریدی ہی کے ٹھکانے سے واقع ہو گیا تو یہ بھی اس کے لئے ایک ہے
کار نامہ ہو گا کیونکہ ذہی۔ آئی۔ جی ہر حال میں فریدی کا سر زاغ چاہتا تھا۔

آٹھ بجے حمید نے کار ایک ٹھیکانے سے شراب خانے کے سامنے روک دی اور لڑکی سے
ہوا نیچے اتر گیا کہ وہ اس کا انتظار کرے۔ شراب خانہ بدنام قسم کا تھا۔ آصف کو کچھ سوچنے ہے
ہوتا ہے۔ اس نے تھوڑے ہی فاصلے پر ٹیکسی رکوادی۔ حمید شراب خانے میں داخل ہو چکا تھا۔

”تھوڑی دیر بعد وہ شراب خانے سے نکل کر پھر کار میں آبیٹھا۔
”کیا کرتے پھر رہے ہو تم...“ لڑکی منتنا۔

”بس اب کہیں نہ رکوں گا۔“ حمید نے کہا اور کار اسٹارٹ کر دی۔
آصف کی ٹیکسی پھر اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ اس بار حمید نے اپنی گاڑی اس سرک

دی، جو تار جام کی طرف جاتی تھی۔
”ہائیں کدھر جا رہے ہو۔“ لڑکی گھبرائے ہوئے لجھے میں بولی۔ وہ شہر کے باہر نکل

تھے۔

”پرواہ مت کرو۔“

”ٹیکسی دیپس چلو۔“

”پچھے دیکھو۔“ حمید نے کہا۔ ”ایک کار آرہی ہے۔ اس میں ایک ایسی عورت ہے جو؛“

ایک گلہ نیکی ڈرائیور سے اس نے پوچھ لیا کہ کتنے میل بنے ہیں اور پھر جواب میں "تمہارا سن کر اسے اپنا پرس یاد آیا جس میں ہر گز اتنی رقم نہیں تھی، جو اس سے زیادہ سفر کا بارہ بھروسہ مجبوراً اسے تعاقب کا خیال ترک کر دینا پڑا تھا۔ حید کے نام بوجانے پر اس نے ٹھکے کو کرو دی کہ وہ ایک انگریز لڑکی کے ساتھ تارجام کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا۔

تیسرے دن مسروار نے اپنی لڑکی کی گشندگی کی روپورٹ درج کرائی اور شہر نامہ اسے کمپنی حید نے انغوایا ہے۔ آصف کی باخوبیں کھل گئیں، کیونکہ وہ بھی اپنی روپورٹ میں انگریز لڑکی کا حوالہ دے چکا تھا۔

اس شام کے اخبارات نے انغواء کی اس سختی خیز خبر کی سرخیاں تھے اندرا میں اور ہاکروں نے تو آسمان سر پر اٹھا لیا۔



مگر یااب بھی فریدی کی کوئی میم میں مقیم تھی۔ اس نے بھی اس انغواء کی خبر پڑھی اور وہ ہاتھوں سے سر قھام لیا۔ وہ حق بچا اپنی ہتھیری توقات حید سے دابستہ کر پیٹھی تھی۔ اس کی کوئی نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ وہاں شہرے یا چلی جائے۔ اسے کوئی کے نوکروں کی آنے میں اپنے لئے تختنے نظر آنے لگا تھا۔

آخر اس نے فیصلہ کیا کہ اسے وہاں سے چلا جانا چاہئے۔ وہ آدمی جس نے اسے مصیبت میں پھنسایا تھا کیوں ہوش میں قتل کر دیا گیا تھا۔ لہذا اب اس کی دامت میں خدا را لئے کوئی خطرہ نہیں رہ گیا تھا۔

اس نے ایک بوڑھے نوکر پر اپنا ارادہ ظاہر کیا لیکن اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ تھی کہ اس کے متعلق نوکروں کو کسی قسم کے احکامات نہیں دیتے گئے تھے۔ بہر حال اس نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور چل پڑی۔ نوکروں نے اسے جاتے دیکھا لیکن کا اظہار نہیں کیا۔



مسروار نے خبر سورہی تھی۔ اچاک ہنگامے کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ دونوں لڑکیاں شاید اس سے پہلے ہی جاؤ گئی تھیں۔ یہ فارسیوں کی آوازیں تھیں اور قریب ہی سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ آدمیوں کے چینخے کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔

وہ بوکھلا کر برآمدے میں نکل آئی۔ اور پھر حقیقت ظاہر ہونے میں دیر نہیں لگی۔ مسروار نے بیٹھنے پر پولیس نے ریڈی کیا تھا۔

رسے بھی گولیاں چل رہی تھیں۔ مسروار نے چکر اکر دوچار قدم پیچھے ہٹ آئی۔ وہ چند لمحے اسی رہ کھڑی رہی پھر اپنی لڑکیوں سے گھبرانے ہوئے لجھے میں بوی۔

"چلو... اندر چلو....!" وہ انہیں اندر جانے کے لئے دھکلنے لگی۔
"کیوں میں... یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"میں کی پچی اندر چل۔"

اس نے انہیں دھکلیں کر اندر کیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے بڑا رہا۔ "خدار حرم کرنے" پھر یوں کی طرف مڑ کر بولی۔ "جاوہ اپنے کروں میں جاؤ۔"

"کیوں میں!... مسروار نے۔"

"چلی جاؤ۔" مسروار نے جھلا کر چھپی۔
دونوں لڑکیاں چل گئیں۔

مسروار نے چھپے پر زردی چھا گئی تھی اور اس کا سینہ لوباد کی دھونگی کی طرح پھول اور بل رہا تھا۔ اس نے اپنے سینے پر ہاتھوں صلب کا نشان بنایا۔ کچھ دیر تک اسی حالت میں کھڑی لیں گے۔ ذہنی انتشار میں اضافہ ہوتا گیا۔

ایساں کافروں کی آوازیں آئی بند ہو گئیں اور یہ سناتا بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے رائے انتشار کے بعد عدم توڑ دیا ہو۔

مسروار نے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے پیارے طرح کا نپ رہے تھے۔

پھر وہ اپنے برآمدے میں بھاری قدموں کی آواز سن کر اچھل پڑی۔
کوئی باہر سے گھنٹی بجتا رہا۔ مسروار نے بے حس و حرکت پیٹھی رہی۔

تین چار بار گھنٹی بجی اس کے بعد دروازہ پینا جانے لگا۔ مسروار نے اپنی حالت سنجانے کی شش کرنے لگی۔

"کون ہے؟" اس نے انجینائی کو شش کے بعد اپنے طبق سے غصیلی سی آواز نکالی۔
"پولیس...!" باہر سے آواز آئی۔ "دروازہ کھولو۔"

وہ آگے بڑھی اور جی کڑا کر کے دروازہ کھول دیا۔ سامنے فریدی کھڑا تھا۔ اس کے پال بے نہماں سے پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور چھپے پر دو ایک جگہ گہری خراشیں نظر آ رہی تھیں، ناسے خون نکل کر جنم گیا تھا۔

”کھیل ختم ہو گیا مسروار نز...!“ وہ مسکرا کر بولا۔

”کیسا کھیل.... آپ کون ہیں؟“

”تم مجھے اچھی طرح پہچانتی ہو... اور کھیل بھی تمہارے لئے نہیں۔ بارن کے ہمراں لگ جگی ہیں۔“

”کیوں....؟ کیا کیا مسٹر بارن نے۔“ مسروار نز حیرت انگیز طور پر دیکھ رہا تھا جادی تھی

”اے اسی بات کا تو افسوس ہے کہ وہ کچھ کرنے نہیں پایا۔“

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”میں عبرانی یا لاطینی زبان میں گفتگو نہیں کر رہا ہوں۔ فریدی نے خشک لبجھ میں کہا اور اپنے پیچھے کھڑے ہوئے سب انپکٹر کی طرف مڑ کر بولا۔“ اسے بھی حرست میں لے لو یو نارڈ کی ایجنت ہے۔“

”نہیں....!“ وہ ہندیانی انداز میں چھینی۔ یہ غلط ہے۔ میں کسی یو نارڈ کو نہیں جانتا۔“

”غائبیاً یہ نام بھی تمہارے لئے نہ ہو گا۔“

”میں کسی یو نارڈ کو نہیں جانتا۔“

”آفیرس اتم اسے حرست میں لے لو۔“ فریدی نے سب انپکٹر سے کہا اور اس نے بڑا دردی سے مسروار نز کے ہاتھ میں ہھکڑی لگادی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ مسروار نز پاگلوں کی طرح چھینی۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے۔“

”کیا تم یو نارڈ سے واقعہ نہیں ہو۔“ فریدی نے نہ سکون لبجھ میں پوچھا۔

”نہیں نہیں.... نہیں۔“

”آج.... چھا۔“ فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر وہ ایک الماری کی طرف اسے کھول کر ایک دینی بیگ نکالا۔ یہ مسروار نز ہی کا تھا۔ فریدی نے اسے کھول کر میز دیا۔ اور پھر گری ہوئی پیزوں میں سے ایک ویزٹنگ کارڈ اٹھا کر مسروار نز کے چہرے کے ڈے لے جاتا ہوا بولا۔ ”یہ کیا ہے۔“

وزیٹنگ کارڈ پر بڑے حروف میں صرف ”یو نارڈ“ تحریر تھا۔

مسروار نز نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ اگر سب انپکٹر نے اپنا دہنا بازاو آگئے نہ بڑھا دیا ہوا گری پڑی تھی۔

مسروار نز بیویوں ہو چکی تھی۔

”درستے دن شائد ہی کوئی ایسا اخبار رہا ہو جس کے دو ایڈیشن نہ چھپے ہوں۔“ یو نارڈ کی ”اس دن ہا کر اسی ایک سرخی کو لئے چیختے پھر رہے تھے.... سارے اخبارات نے اور مسروار نز کی تصادم یہ شائع کی تھیں اور پوری خبر میں یہ الطیفہ سب سے زیادہ دلچسپ کو توہی میں مسروار نز اور یو نارڈ میں مار پیٹ تک کی نوبت آگئی تھی۔ بارن اس سے منکر تھا یو نارڈ ہے اور مسروار نز پاگلوں کی طرح چیچی جیچ کر کہہ رہی تھی کہ وہ یو نارڈ ہے اور وہ وزینگ یو نارڈ ہے۔“

فریدی نے مسروار نز کے دینی بیگ سے برآمد کیا تھا اسی کا دیکھا ہوا تھا۔ اخبارات میں یہ بھی تھا کہ کیپشن حیدا بھی تک لاتھے ہے اور کرمل فریدی کا خیال ہے کہ اس ندگی میں دراصل یو نارڈ ہی کا ہاتھ تھا یہ اور بات ہے کہ ابھی تک اس نے اپنے یو نارڈ ہونے راف نہیں کیا۔ لیکن ملکہ سراج رسانی کو یقین ہے کہ وہ یو نارڈ ہی ہے کیونکہ وہ اس سے کافی مشابہ ہے۔ بعض معمولی سے فرق اس بات کا ثبوت نہیں ہو سکتے کہ وہ یو نارڈ نہیں ہے ایسے معمولی سے فرق پیدا کرنے پر ہر آدمی قادر ہو سکتا ہے۔

مسروار نز کی لڑکی کے ان غواہ کا واقعہ بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی معلوم ہوتا ہے۔ آخر میں تھا رمل فریدی اب بھی مطمئن نہیں حالانکہ یو نارڈ گرفتار کیا جا چکا ہے، لیکن پھر انہیں کئی یا تین دردی ہیں، جن کا تذکرہ انہوں نے اخبار نویسوں سے نہیں کیا۔

مسروار نز کے متعلق تھا کہ اس نے ایک اہم اکٹھاف کیا ہے۔ یو نارڈ اس سے ایک کام لینا تھا۔ اس نے شہر کی ایک معزز عورت (جس کا نام ملکہ سراج رسانی ظاہر نہیں کرنا چاہتا) کو مل کرنے کے لئے جاں بچھا چکا۔ اور اس سے ایک بہت بڑی رقم کا مطالبا کر رہا تھا۔ لرام کے مطابق وہ رقم مسروار نز اس عورت سے وصول کر کے یو نارڈ تک پہنچا۔



لینڈی پر کاش کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور وہ قبر آکوڈ نظر وہ سے فریدی کو گھور رہی تھی۔ فریدی اسی کے ڈرائیکٹ روم میں تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کچھ دیر قبل کوئی درلانے والی بات کہی ہو۔

”لینڈی پر کاش.... آخرباب اس کا اعتراف کر لینے میں کیا حرج ہے۔“

”کرمل فریدی آپ ایک معزز آدمی ہیں ورنہ میری زبان سے آپ کچھ اور سنتے۔“

لیڈی پر کاش....!“ گراموفون سے کسی مرد کی آواز آئی۔

ان آواز ایک قہقہے کے ساتھ۔ ”دیلائے شیر کی مچھلوں میں سے ایک۔“

ہے.... میری درخواست سنئے۔“ لیڈی پر کاش کی آواز تھی۔ ”میں سردست اتنی بڑی

م نہیں کر سکتی! رحم سمجھے۔“

پر کاش ارب پتی ہے۔“ مرد کی آواز۔

بپ ہے! لیکن میں انہیں کیا بتاؤں گی۔ کیا بہانہ کروں گی۔ تین لاکھ بہت ہوتے ہیں۔“

شش کروں.... ورنہ انعام تم جانتی ہو۔“

لب سب کچھ جانتی ہوں۔ اچھانی الممال مجھے معاف سمجھے۔ میرے یہاں مہمان ہیں۔ میں

دوں گی۔ وہ انعام میں پسند نہیں کروں گی جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔“

ہا.... لیکن بہت جلد۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔“

بی نے ساؤٹن بکس اٹھا دیا۔۔۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔۔۔ اور

ش اس طرح ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے میں دھنسی ہوئی تھی جیسے اسے یقین ہو کہ
دیر بعد مر جائے گی۔

ب آپ کیا کہتی ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

لی پر کاش صرف تھوک ٹکل کر رہ گئی۔

ردانہ آواز کیپن حیدر کی تھی۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔

لیجھے لک کر قتل۔“ لیڈی پر کاش جملہ پورا کرنے کی بجائے اپنی پیشانی پر پسند کی بوندیں
نے لگی۔

لی آپ کی بدنامی نہیں پسند کروں گا۔“ فریدی نے نرم لمحے میں کہا۔“ میں چاہتا ہوں کہ

بت عنانہ آئے، ورنہ آپ اس ریکارڈ کے مصروف سے تو واقف ہوں گی۔۔۔ ظاہر ہے کہ

لڑکے مقدے کے دوران میں عدالت میں پیش کیا جائے گا۔“

اوہ.... کر قتل....!“

لیکن نہیں! آپ کاماضی خواہ کچھ رہا ہو۔ لیکن اب تو آپ باعزت طور پر زندگی بسر کر رہی

لیا۔ بکھری نہ چاہوں گا کہ آپ سر پر کاش کی نظرتوں میں ڈلیں ہو جائیں۔ اگر یہ ریکارڈ

میں پیش کیا گیا تو مجبوراً آپ کو ان قابل اعتراض تصویریوں اور خطوط کا تذکرہ کرنا پڑے۔

لڑکے قبئے میں ہیں اور جن کی قیمت وہ تین لاکھ طلب کر رہا ہے۔“

اگر آپ کیا چاہتے ہیں۔“

”جو کچھ بھی سنتا اس پر مجھے قطعی افسوس نہ ہوتا۔“

”آپ عجیب ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی کافی مشغول آدمی ہوں گے۔“

”لیڈی پر کاش میں آپ سے اعتراف کرائے بغیر ہر گز واپس نہ جاؤں گا۔“

”کر قتل فریدی۔“ وہ پھر جھلا گئی۔“ مجھے اس پر مجبور نہ سمجھے کہ میں آپ کے آفیروں

آپ کی شکاہت کروں۔“

”اچھا....!“ فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔“ اگر خود یونارڈ ہی نے مقدمے،

دوران اس کا اعتراف کر لیا تو.... اُس وقت آپ کی کیا پوزیشن ہو گی۔“

”ذیکھا جائے گا۔“ وہ جلدی سے کہہ گئی۔ پھر فوراً ہی سچل کر بولی۔“ کس بات کا اعتراف

کر لے گا۔“

”یہی کہ وہ آپ کو بیک میل کرنا چاہتا تھا۔“

”وہ کہنے ہی کیوں لگا جب کہ نہ میں اُسے جانتی ہوں اور نہ وہ مجھے جانتا ہے۔“

”اس کے باوجود بھی وہ وہی آنامیں آپ سے ایک بڑی رقم وصول کر چکا ہے۔“

”کر قتل صاحب! اُس اب جائیے۔ میرے پاس فالتوں وقت نہیں ہے۔“

”اچھا ختم سمجھے! کیا آپ کے یہاں گراموفون ہے۔“

”کیا اوٹ پلانگ باتیں کر رہے ہیں آپ۔“

”اگر ہو تو ذرا منگوایے۔ میں ایک ریکارڈ سن کر واپس چلا جاؤں گا۔ یہ میری آخری درخواست

ہے۔ اورہ آپ تو مجھے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے آپ کو میرے صحیح الدملغ ہونے پر شہر ہو۔“

”واقعی کر قتل! میں نہیں سمجھ سکتی۔“ لیڈی پر کاش مسکراتی۔ لیکن اس مسکراہٹ میں

جلہاہٹ کا غصر بہت زیادہ تھا۔

”مجھے مایوس نہ سمجھے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

لیڈی پر کاش تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی، پھر اس نے میر پر کھی ہوئی گھنٹی کاٹن دیا۔

”گراموفون اٹھا لاؤ۔“ اُس نے اس سے کہا۔

گراموفون آنے تک خاموشی رہی۔ ملازم نے گراموفون لا کر میز پر کھے دیا۔ فریدی اپنے میٹھل سے ایک ریکارڈ نکالا۔

لیڈی پر کاش جیرت سے فریدی کو دیکھ رہی تھی۔ نوکر جا چکا تھا۔ فریدی گراموفون پر ریکارڈ

چڑھا کر لیڈی کی طرف مڑا۔

وہ کہہ رہا تھا۔ ”میں وہاں موجود تعالیٰ پر کاش.... لیکن مصلحت اتم سے نہیں ملا۔ کیا تم بتا نہ ہو کہ میری گرفتاری کی خبر سننے کے باوجود بھی تم وہاں کیوں آئی تھیں۔“

”یوں تکہ میں یونارڈ سے اچھی طرح واقع ہوں۔ ایک بار لندن میں بیک وقت دس عدد ہزار پیدا ہو گئے تھے۔ پولیس نے دسوں کو پکڑ لیا لیکن اس کے باوجود بھی اس کی رسائی یونارڈ نہیں ہوئی۔“

”تم بہت عقل مند ہو۔ لیڈی پر کاش! جلواس عقائد کے صلے میں میں ایک لاکھ معاف ہوں۔ تم صرف دوہی لاکھ تھا۔“

”شکر یہ.... مگر اس بار مجھے وہ تصویر یہ اور خطوط اپس مل جانے چاہئیں۔“
”مطمئن رہو.... ایسا ہی ہو گا۔“

”میں کیسے یقین کروں۔ بچھی باروی۔ آنا میں بھی تم نے مجھے دھوکا دیا تھا۔“
”اس بار ایسا نہیں ہو گا لیڈی پر کاش۔ مطمئن رہو۔“

”تو پھر میں کب آؤں گا۔“
”پرسوں بارہ بجے رات کو۔“
”چھا میں آؤں گی۔“

”دوسری طرف سے سلسہ مقتضی ہو گیا۔

لیڈی پر کاش نے کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر پہل سے گھیٹ دی۔ ”پرسوں بارہ بجے نا کو۔“ اور پرانے کو مٹھی میں دبائے ہوئے عمارت کے اس حصے میں چل گئی جہاں کبوتر رکھے تھے۔ ایک کبوتر دوسروں سے الگ ایک بخیرے میں بند تھا۔ لیڈی پر کاش نے اسے نکالا اور کے پرانے کو اس کے پیر میں پڑے ہوئے چھٹے سے گھی ہوئی ایک ٹکلی سے ٹھوٹ دیا۔

یہ نامہ بر فریدی ہی نے اسے دیا تھا تاکہ وہ اُسے حالات سے مطلع کرتی رہے۔

لیڈی پر کاش نے کبوتر کو فضا میں اچھا دیا۔ کبوتر نے بند ہو کر عمارت کے گرد چکر لگایا اور یک طرف اڑتا چلا گیا۔

لیڈی پر کاش فریدی سے پورا پورا تعاون کر رہی تھی کیونکہ فریدی نے اس دن اُسی کے نزد صرف وہ ریکارڈ توڑ دیا تھا بلکہ وعدہ کیا تھا کہ یونارڈ کے پاس اُس کے لئے بیک میلنگ کا جو بھی سامان ہو گا کسی کو دکھائے بغیر ضائع کر دیا جائے گا۔



رات تاریک تھی.... اور کھلائی کالق و دوق میدان حد درجہ ڈراؤنٹا معلوم ہو رہا تھا لیکن ایک

”میری مدد کیجئے۔“

”میں نے یونارڈ کو گرفتار تو کر لیا ہے لیکن وہ اس بات کا اعتراض نہیں کرتا کہ وہ یونارڈ ہے۔ حالانکہ وہ یونارڈ سے بہت کچھ مشابہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ مشابہت کوئی خاص بات نہیں بیتھرے لوگ دوسروں سے مشابہ ہوتے ہیں۔“

”لیکن آپ کے پاس اس کی دوسری نشانیاں بھی تو ہوں گی۔“ لیڈی پر کاش بولی۔ ”خدا
پر نہ۔ انہیں وہ کیسے جھٹائے گا۔“

”یہ تو مصیبت ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”سب کچھ تھا لیکن اس نے اپنا کیس بیک پلے دفتر سے غائب کر دیا تھا۔“

”غیر..... بہر حال.... میں آپ کی مدد کیسے کر سکتی ہوں۔“

”اس نے رقم سمت آپ کو کہاں پلاں لایا تھا اور آپ کو وہاں کب جاتا ہے۔“

”کل رات کو جانا تھا.... مگر وہ تو جیل میں ہے۔“

”کہاں جانا تھا۔“

”کھلائی کے میدان میں۔“

”تو آپ کل ضرور جائیے گا۔“

”کیوں! اب تو وہ جیل میں ہے۔“

”کسی سے کہئے گا نہیں۔“ فریدی نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ ”وہ آج رات کو جیل سے نہ ہو جائے گا۔“

”میں آپ کی کوئی بات نہیں سمجھ سکتی۔“

”اوہو....! میں اسے دوبارہ موقعہ واردات پر پکڑنا چاہتا ہوں۔“

”میں سمجھ گئی۔“

”سمجھ گئی تا....!“ فریدی مسکرا نے لگا۔

پاہج یونارڈ

لیڈی پر کاش ایک بجے رات سے دو بجے تک کھلائی کے سمنان علاقے میں یونارڈ کا انداز کرتی رہی، لیکن وہ نہیں آیا۔ آخر وہ تحکم ہار کر واپس آگئی وہ اپنے ساتھ پوری رقم لے گئی تھی۔ دوسرے دن اُسے ٹیکلی فون پر پھر اُسی آدمی کی خوفناک آواز نائی دی جیسے وہ کئی بار سن چکی تھی۔

ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ میں ابھی بہاں بہت دنوں تک قیام کروں گا۔“
”اور مجھے بدستور بیلک میل کرتے رہو گے۔“

”نه انه ہر گز نہیں لیڈی پر کاش۔ تم بہت معزز عورت ہو۔ میں نے بجورا تمہیں تکلیف دی
اب میں تمہارا دوست ہوں۔ آئندہ ہم دوستوں کی طرح ملیں گے اور تم اونچے حلقوں میں
نادر کراؤ گی۔“

”میں سمجھی۔“ لیڈی پر کاش ایک اولیں سانس لے کر بولی۔ ”یعنی مجھے چارہ بنا کر دوسروں کو
رو گے اور میں بجورا تمہارا آلہ کاربنی رہوں گی۔“

”تم بہت ذہین ہو۔ لیڈی پر کاش! اچھا شب بخیر۔۔۔ بہت جلدی تم سے ایک معزز آدمی کی
سے تمہارے گھر ہی پر ملاقات کروں گا۔“

”ٹھہر دیوارے....!“ قریب ہی سے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی اور لیونارڈ بے ساختہ
رمزا۔ لیڈی پر کاش کی کارکی اشیتی کے قریب ایک آدمی کھڑا تھا۔ لیکن تاریکی کی وجہ سے
یہ جاسکتا تھا۔

میرے ہاتھ میں ریو اور ہے.... لیونی ڈار لنگ۔ ”نوازد بولا۔“ اور اس کا رخ تمہاری ہی
ہے۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“

بڑی پر کاش نے فریدی کی آواز صاف پہچان لی اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔
نادر نے دیوانوں کی طرح فریدی پر چھلانگ لگائی۔

بڑی بڑی پھرتی سے پچھے ہٹ گیا اور لیونارڈ منہ کے بل پیچے چلا آیا۔
بڑی نے آگے بڑھ کر اپنا ایک پیر لیونارڈ کی پشت پر رکھ دیا۔

تم جسمانی طور پر زیادہ طاقتور نہیں ہو! لیونارڈ!“ فریدی نے پرسکون لجھ میں کھا۔ لیکن
ہی لمحے میں اُسے اپنے اس جملے پر شرمندہ ہونا پڑا۔ کیونکہ اس کی ناگہ اب لیونارڈ کی
مل تھی اور وہ خود زمین پر تھا۔

نادر کسی پا گل کتے کی طرح فریدی کو بھینجوڑ رہا تھا۔ اچانک اس کی گردن فریدی کی گرفت
اور ساتھ ہی ایک گھونٹے نے جو اس کی ناک پر پڑا اُسے بد حواس کر دیا۔

لیڈی پر کاش نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ وہ ہاتھ میں نارچ لئے اُن دونوں پر
لدری تھی۔

”نادر....!“ فریدی اس کی ناگ مردوز تاہو کہہ رہا تھا۔ ”اب تم بھی جبل خانے سے نہیں
لوگر۔“

عورت اُس روٹکے کھڑے کر دینے والے ماحول میں بے خوف و خطر لیونارڈ جیسے خطرناک آدمی کا
انتظار کر رہی تھی۔

آسان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور کسی وقت بھی بارش ہو سکتی تھی۔ لیڈی پر کاش بارہ سے
ایک تک انتظار کرتی رہی لیکن کوئی نہ آیا۔ آخر اُسے سوچنا ہی پڑا کہ لیونارڈ مال انڈیشی سے کام
لے رہا ہے۔ ہر ہر طرح اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہے۔ ممکن ہے وہ آج بھی نہ آئے۔
لیکن سارا میدان تو سنان پڑا تھا۔ اگر فریدی دوبارہ لیونارڈ کی تاک میں ہے تو کم از کم وہ تو
یہاں موجود ہی ہو گا۔

لیڈی پر کاش اپنی کار میں بیٹھ گئی۔ اس وقت حقیقتاً اس کے پاس دولا کھ کی رقم بڑے فنوں کی
شعل میں موجود تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُسے یہ سوچ کر خوف محسوس ہونے لگا کہ کہیں کوئی دوسرا
ہی اُسے نہ لوٹ لے۔

لیڈی پر کاش نے بے تحاشہ کار اسٹارٹ کی اور بڑی تیزی فتاری سے سڑک تک لا لی۔
سڑک سنان پڑی تھی۔ وہ برابر فتار تیز کرتی جا رہی تھی۔ اچانک اس نے محوس کیا کہ
ایک دوسرا کار بھی بالکل اُسی کار کے برابر جل رہی ہے۔ لیڈی پر کاش کے ہاتھ پر پھول گئے۔
”لیڈی پر کاش....!“ دوسری طرف کی کار سے آواز آئی۔ بولنے والا لجھ کے اعتبار سے
انگریز معلوم ہوتا تھا اور اس نے اُسے انگریزی ہی میں مخاطب کیا تھا۔

”ہاں میں ہوں۔“ لیڈی پر کاش سہی ہوئی آواز میں بولی۔
”مگر اسی روک دو۔ میں مطمئن ہوں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

لیڈی پر کاش نے فتار کم کر دی۔

”اندر کی لائٹ چلا دو۔“ دوسری کار سے آواز آئی۔

لیڈی پر کاش نے اپنی کار کے اندر روشنی کر دی اور پھر بریک لگا کر انہیں بند کر دیا۔ دوسری
کار بھی روک گئی اور اس پر سے ایک آدمی اترل۔

”رقم کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا۔

لیڈی پر کاش نے پچھلی سیٹ پر بڑی ہوئے چڑے کے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے اُسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

”ٹھہر جی۔“ لیڈی پر کاش بولی۔ ”میری چیزیں میرے سپرد کیجھ۔“

لیکن وہ پچھلی سیٹ سے تھیلا اٹھا کچا تھا۔

اس نے اُسے اپنی کار میں ڈالتے ہوئے کھا۔ ”لیڈی پر کاش! میرے پاس سب کچھ محفوظا۔“

لیونارڈ کی چیخ دوڑک سانٹے میں لہراتی چلی گئی۔ پھر وہ سری چیخ... اور اس کے بعد

بیہوش ہو گیا۔

فریدی نے اس کے دونوں بیرٹنزوں سے اندازیے تھے۔

"لیڈی پرکاش...!" فریدی سیدھا کھڑا ہوا ہوا بولا۔ "میں آپ کا محفوظ ہوں۔"

"میں آپ نے اس کے پیر توڑ دیجئے تھے۔"

درستہر "ہاں لیڈی پرکاش اور یہ اب زندگی بھر پروروں کے مل کھڑا ہو سکے گا۔ میں اپنے دشمنوں کو جان سے نہیں مارا کرتا۔ ایسا کرنے سے انتقام کی لذت ختم ہو جاتی ہے۔"

"انتقام! اپنا پچھلے دنوں آپ پر اسی نے حملہ کیا تھا۔"

"ہاں! اس کے علاوہ اور کون کرتا۔ اس کی گاڑی سے اپنا تھیلا اٹھا لجھے۔ اچھا شہ بخیر۔ آپ کی چیزیں حاصل ہوتے ہی آپ تک پہنچادی جائیں گی۔ مطمئن رہئے۔ کسی کو ان کی ہوا بھی نہ لگے پائے گی۔ اچھا نہیں۔"

لیڈی پرکاش نے لیونارڈ کی کار سے تھیلا اٹھایا اور چند لمحے کھڑی فریدی کو دیکھتی رہی اور پھر اپنی کار میں بیٹھی ہوئی بولی۔ "میں مرتبہ دم تک آپ کی احسان مند رہوں گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں لیڈی پرکاش...!" فریدی نے زم لجھے میں کھا۔ لیڈی پرکاش کی کار فرائٹے بھرتی ہوئی اندھیرے میں غائب ہو گئی۔



"یار کیا تم اسے بنا رکھا ہے تم نے۔" ڈی۔ آئی۔ جی فریدی پر جھلا گیا۔

"کتنے لیونارڈ پکڑو گے۔" اسے سوتے سے انھوں کر آتا پا چکا۔ رات کے تین بجے تھے۔

"اب ایک بھی نہیں پکڑوں گا۔ جناب یہ آخری تھا۔"

"آخر یہ ہے کیا! ایک کو تم نے جبل میں مھونس رکھا ہے اور اب یہ دوسرا۔ جب تمہیں بیٹھیں تھا تو تم نے بارن کو خواہ مخواہ کیوں ذلیل کیا۔ جانتے ہو اس کا تیجہ کیا ہو گا۔ وہ مکھے پر مقدمہ قائم کر دے گا۔ سفارتی پیانے پر ہمارے خلاف کارروائی ہو گی۔"

"اگر بارن نے اس کی جرأت کی تو میں اس کی ہیاں توڑ دوں گا۔" فریدی نے کافی بجھے کے لامبا اور ڈی۔ آئی۔ جی بھتے سے اکھر گیا۔

"تو دوڑ دو۔" دارانہ گفتگو سے پر ہیز کیا کرو۔"

"میں بھیک عرض کر رہا ہوں۔" فریدی مسکرا یا۔ "بیچارا حمید ہر حال میں بیچارا ہے،" مدرج دل چاہے اُسے استعمال کیجھ۔"

"کیا مطلب....!"

"بارن دراصل آپ کا پرانا خادم حمید ہے۔ کچھ دن تک میں نے بھی بارن کا روول ادا کیا ہے اور اس مخصوص موقع کے لئے حمید پر بارن کا میک آپ کر دیا تھا۔"

"میں کچھ نہیں سمجھتا۔"

"شروع سے عرض کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اپنی جیسیں ٹھوٹ کر رہ گیا۔ "اوہ... ساگا لو سگا...!" ڈی۔ آئی۔ جی مختار بانہ انداز میں بولا۔ "تمہارے لئے اجازت ہے۔ تم میرے سامنے سگا پی سکتے ہو۔ بہت پہلے کہہ چکا ہوں اور بیان جاری رکھو۔"

"شکر یہ۔" میں نے آٹھ گھنٹے سے سگا نہیں پیدا۔ فریدی سگا ساگا تا ہوا بولا۔ اس نے دو تین لش لئے اور پھر بولا۔ "سبھ میں نہیں آتا کہ یہ داستان کہاں سے شروع کروں۔ ویسے اگر میں اتنا پچیدہ راستہ نہ اختیار کرتا تو لیونارڈ تک پہنچا حال ہو جاتا۔ لیکن اس وقت یہ اس طرح پکڑا گیا ہے، میں کوئی چوہا چھے داں میں آپھنے۔ بہر حال لیونارڈ کے کیس بیگ سے اس داستان کا آغاز ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ریکارڈوم سے اپنا کیس بیگ غائب کر دیئے کے بعد ہی سے اس نے مجھ پر ملے شروع کئے تھے۔ کیس بیگ غائب کرانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ لیونارڈ اس بار اپنے صرف ان لینکنزوں سے رابطہ قائم کرے جن تک میری پہنچ نہیں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ مجھے جن لینکنزوں کا علم تھا میں نے ان کا حوالہ اپنی رپورٹ میں دیا تھا اور پورٹ کیس بیگ میں محفوظ تھی لیکن دو تین نام ایسے بھی تھے جن کا حوالہ دینا میں بھول گیا تھا۔ لیونارڈ انہیں لوگوں سے اس بار کام لیتا رہا ہے۔ وہ کل تین تھے۔ اُن میں سے ایک کیوس ہو ٹھیں میں قتل کر دیا گیا اور بقیہ دو کو اس دات تک سارجنٹ رہیں نے گرفتار کر لیا ہو گا۔ لیونارڈ کے گرد اپنا جال مضبوط کرنے کے لئے مجھے بہت کچھ کرنا پڑا ہے۔ اس کا جو ایجنت کیوس میں قتل کیا گیا تھا اُنے مجھ پر اس کی لزکی گلوپریا کے قیث سے گولی چلانی تھی اور پھر اسے گلوپریانے اس کی غیر معمولی قسم کی انگلیوں کی وجہ سے بیکان لیا۔ لیونارڈ کو شائد اس کی خبر ہو گئی اور اس نے اُسے قتل ہی کر دیا۔ کیوس ہو ٹھیں کے جس کرے میں اس کی لاش پائی گئی تھی وہاں لیونارڈ کا ایک دوسرا ایجنت مقیم تھا اور اس کے متعلق مجھے پڑھتا کہ وہ لیونارڈ کی قیام گاہ سے واقع ہے۔ لہذا میں بہت قریب سے اس کی لگرانی کرتا رہا۔

"مری طرف ایک دوسرے چکر میں بھی تھا۔ اسکیم یہ تھی کہ میں ایک دوسرا لیونارڈ بھی پیدا کر دوں جو لیڈی پرکاش سے رقم وصول کرنے کی کوشش کرے اس کے لئے میں نے دیدہ دانتے لیونارڈ کی ایک ایسی ایجنت عورت کا منتخب کیا جس کا حوالہ میں اپنی رپورٹ دے چکا تھا۔ مزوار نر... اور پھر میں اس سے بڑے ڈرامائی انداز میں ملا۔ میں بارن کے میک آپ میں تھا۔ یعنی میں نے

قریب قریب خود کو لیونارڈ کا ہم شکل بنالیا تھا۔ بھر میں نے مزوارنے کو یقین دلا دیا کہ میرے لیونارڈ ہوں۔“

فریدی نے وہ طریقہ بتایا جس سے اس نے مزوارنے سے تعارف حاصل کیا تھا۔ آئی۔ جی بے اختیار مسکرا پڑا۔

فریدی نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں دراصل اُس دن دو مختلف قسم کے جال پر چاہتا تھا۔ ایک تو بھیت بارن مزوارنے سے تعارف حاصل کرنا اور دوسرا... وہ اور زیادہ پچھے ہے۔ لیکن حید کا مودع پٹھ کے بعد بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا اس لئے اس نے میرے ہاتھ ہوئے دوسرے کام پر اُسی وقت لعنت بھیج دی۔ ورن شاید لیونارڈ اسی رات کو پکڑ لیا گیا ہوتا۔ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کیوں ہوئی والے ایجنت پر مجھے شبہ تھا کہ وہ لیونارڈ کے ٹھکانے سے والق ہے۔ دوسرا طریقہ جو میں نے اختیار کرنا چاہا تھا اگر حید نے اُس پر اُسی رات عمل کر ڈالا ہوتا تو ایجنت لیونارڈ کے پاس جانے پر مجرور ہو جاتا اور میں اس کا تعاقب کر کے لیونارڈ کی پہنچ جاتا۔“

فریدی نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد مینڈ کوں کے پیچرے والا لطیفہ دہرایا۔

”لیکن اس بے تکی حرکت کا مقصد۔“ ذی۔ آئی۔ جی بولا۔

”میں عموماً بے تکی ہی حرکتیں کرتا ہوں۔“ فریدی کا لہجہ قدرے ناخوٹگوار ہو گیا، لیکن اس نے فورائی خود کو سنبھال کر ہٹھتے ہوئے کہا۔ ”کیوں کے مالک کو صفائی کا خطبہ ہے اور وہ اس طرز میز پر کہیاں تیک کر بیٹھتا ہے کہ بعض اوقات دور سے دیکھنے پر چہلی نظر میں کوئی بہت بڑا مینڈ کو معلوم ہوتا ہے۔ لیونارڈ کا ایجنت اُسے مینڈ کو کہہ کر چڑایا کرتا تھا۔ ایک بار دونوں میں اسی بات جھکڑا بھی ہو گیا تھا۔ میں نے یہ ماجرا دیکھ کر ہی وہ اسکیم مرتب کی تھی۔ بہر حال اور مینڈ کوں“ ہنگامہ برپا ہوا اور ادھر میں نے لیونارڈ کے ایجنت کو فون کیا۔ لیکن جواب نہ ملا۔ تمہیر یہ تھی کہ میں اُسے اس ہنگامے کی اطلاع دیتے ہوئے بتاتا کہ شہزاد چھڑا لے کر اُس کے کمرے کی طرف آ رہا ہے اُسے شہبہ ہے کہ پیغمبرے میں مینڈ کوہی بتاتا کہ میں بھی اُسے یہ بھی بتاتا کہ میں بھی اُسے ہوئی کرائے دار ہوں اور نہیں چاہتا کہ اُسے کوئی گزند پہنچ پھر وہ جس راستے سے بھی کٹا کر ایک کرائے دار ہوں اور نہیں چاہتا کہ اُسے کوئی گزند پہنچ پھر وہ جس راستے سے بھی کر جھاگتا اُس کی...“ بھیڑ حید سے ضرور ہوتی۔ ویسے بیچارے حید کو ابھی تک یہ نہیں مطر ہو سکا کہ مینڈ کوں والی حرکت کا مقصد کیا تھا اور.... لیکن وہ اسکیم ناکام رہی۔ میر اخیال ہے کہ حید کو وہاں دیکھ کر یہ سوچنے پر مجرور ہو جاتا کہ اُسی کی حرکت ہو گی اور پھر بدحواس میں دیکھا کر قیام گاہ ہی کارخ کرتا۔“

”لیکن خود کو لیونارڈ پوز کرنے میں کیا مصلحت تھی۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

”مقصد محض یہ تھا کہ لیونارڈ کو ہمیں انتشار میں جلا کیا جاسکے.... مزوارنے کے ذریعے میں نے تھوڑی سی بیک میلنگ بھی کی ہے اور مزوارنے میرے ہی کہنے پر لیڈی پرکاش کے گرد منڈلاتی رہی ہے۔ میں نے بھیت لیونارڈ شہر کے بعض حصے ہوئے بدمعاشوں سے بھی رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لیونارڈ کے دونوں ایجنت میرے چکر میں رہنے لگے۔ اور لیونارڈ کی توجہ کچھ دونوں کے لئے فریدی کی طرف سے ہٹ گئی اور پھر اُس کے ایکٹوں نے کنی بار فریدی کو بھی نقی لیونارڈ کے بیٹھنے کے آس پاس منڈلاتے دیکھا اور پھر انہوں نے ایک دن یہ بھی دیکھا کہ نقی لیونارڈ یا بارن نے ایک دن اپنے بدمعاشوں کی مدد سے کیپن حید اور مزوارنے اسی لڑکی کو اغوا کر لیا اور یہ بات بھی لیونارڈ کے نوٹس میں آئی کہ مزوارنے اسی لڑکی کے اغوا کے الزام میں حید کے خلاف روپورت درج کرائی ہے۔ لیونارڈ تجھ بج بھلا گیا۔ اس نے میری طرف سے بالکل توجہ ہٹانی اور سارا زور بارن پر صرف کرنے لگا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں نقی لیونارڈ لیڈی پرکاش والی رقم پر نہ ہاتھ صاف کر جائے۔

پھر جب حید کو میں نے بارن بنا کر جبل خانے میں پہنچا دیا تو لیونارڈ کو ایک گونہ اطمینان ہوا اور اس نے پہلے مجھ سے پہنچنے کی بجائے بھی بہتر سمجھا کہ لیڈی پرکاش سے جتنی جلد ہو سکے رقم دھول کر لے.... اور پھر جتاب آپ کا یہ خادم دوبار مرتے مرتے پڑھا ہے۔“ فریدی خاموش ہو کر مسکرا نے لگا۔

”کیوں؟ کیسے؟“ ذی۔ آئی۔ جی کے لمحے میں حیرت تھی۔

”کسی کار کی اسٹپنی میں دو تین گھنٹے تک بند رہنے کا اتفاق ہوا ہوتا تو آپ صحیح اندازہ کر سکتے۔ میں دوراتیں اس قسم کی حرکت کر چکا ہوں.... لیڈی پرکاش کی اسٹپنی میں گھس کر بیٹھنا اور وہ بھی اس طرح کہ لیڈی پرکاش کو خربہ ہو۔ وہ لیونارڈ کی مطلوبہ رقم لے کر کھلائی کے میدان میں گئی تھی۔ پہلی رات لیونارڈ نے اس کے قریب آنے کی ہمت نہیں کی اور اُسے یونی و اپس آنا پڑا۔ غالباً لیونارڈ یہ دیکھتا ہا ہو گا کہ کہیں پولیس بھی تو کھلائی کے میدان سے دلچسپی نہیں لے رہی ہے.... اور رات وہ اچھی طرح اپنا اطمینان کر لیئے کے بعد لیڈی پرکاش سے ملا۔ لیکن اس کی موت لیڈی پرکاش اپنے ساتھ لئے بھر بھی تھی۔ میں نے لیڈی پرکاش کی کار کی اسٹپنی سے نکل کر لیونارڈ پر حملہ کر دیا۔.... یہ ہے پوری داستان۔“

”اور اس بار پھر تم نے تھا ہی سب کچھ کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”بھروسی تھی جتاب کسی کار کی اسٹپنی اتنی بڑی نہیں ہوتی کہ اس میں بیک وقت دو آدمی سماں.... اور بھیڑ بھاڑ کا نجماں تو آپ جانتے ہیں۔ پولیس کی مدد سے میں اُسے لاکھ برس میں

بھی نہ گرفتار کر سکتا۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔۔۔ اچاک ایک سر کاری ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔

”اس کے دونوں پیر شائد ہمیشہ کے لئے بیکار ہو گئے ہیں اور اس طرح اکھڑے ہیں کہ میر
قریب قریب ناٹھکن ہے۔ شاید اب وہ پیروں کے مل کبھی نہ کھڑا ہو سکے۔“

فریدی مسکرا کر بولا۔

”اب لیوارڈ خود ہی عدالت میں چنانی کی استدعا کرے گا۔ شاید وہ یا یعنی ہو کر زندہ رہنا پسند
کرے۔“

فریدی خاموش ہو کر فرش کی طرف دیکھنے لگا۔

ذی۔ آئی۔ جی نے اس پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی اور نہ جانے کیوں خود بخود کاپ کر رہا گیا۔

ختم شد